

امام جعفر صادقؑ

اور اُن کا عہد

ڈاکٹر محسن نقوی

تحریک فروغ فکر آئمہؑ

موضوعات ۴



درود

HAJAFI BOOK LIBRARY
No. 11, S.L. Street,
Korachi-7000, Pakistan.

مجموعہ مقالات

24.09.11 - 1 - 100

اس کتاب میں درج ذیل موضوعات پر علمی و فقہی مقالات شامل ہیں۔

- (۱) استخارہ کی شرعی حیثیت (۲) دنوں اور تاریخوں کا نیک و بد ہونا۔
- (۳) سید زادی کا غیر ستید سے نکاح وغیرہ

No. 8035 Date 2/11/02
Section ~~Islamic~~ Status
D.D. Class

HAJAFI BOOK LIBRARY

مصنفہ
ڈاکٹر محسن نقوی
تحریک فروغ فکر ائمہ

343/13 فیڈرل بی ایریا کراچی

سنت و بدعت

اسلام تمام مومنین سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کریں اور نماز اور میں ائمہ علیہم السلام کی سیرت کو پیش نظر رکھیں یہی سنت پر عمل ہے۔ ہمارے زمانے میں بدعتیں بہت پھیل گئی ہیں جن کی شناخت کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

مصنفہ

ڈاکٹر محسن نقوی
تحریک فروغ فکر ائمہ
343/13 فیڈرل بی ایریا کراچی

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	امام جعفر صادقؑ اور ان کا عہد
مصنف	ڈاکٹر محسن نقوی
کمپوزنگ	دارالشفافۃ الاسلامیہ
ٹائٹل	جناب دلاد مرزا
ترتیب و تخمین	شبیبہ الحسن نقوی
تعداد	ایک ہزار
ادارت	تحریک فروغ فکر آئمہ ۳

3/343 ہ نیڈرل بی ایریا
کراچی

فہرستِ عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	پیش گفتار	۱
	فہرست عنوانات	۲
۳	فہرست ماخذ	۳
۱۱	حیاتِ مبارکہ ایک نظر میں	۴
۲۵	ذاتی زندگی کے چند پہلو	۵
۳۸	آپ کی امامت پر نص	۶
	اعترافِ اکابرین	۷
۵۲	عہدِ امام کے اسلامی فرقے	۸
۵۱	خوارج اور ان کے عقائد و فرقے	
	خوارج اور امام بخاری	
۵۸	فرقہ معتزلہ اور اس کی شاخیں	۹
۶۲	المرجیہ اور اس کے فرقے	۱۰
۶۳	کیا امام ابوحنیفہ مرجئی تھے؟	
۶۹	الجبرية والمفوضة	۱۱
۶۷	شیعہ فرقے اور ان کی حقیقت	۱۲
۶۸	فرقہ زیدیہ اور ان کے عقائد	
۷۲	امام جعفر صادقؑ کی کوششیں	۱۳

۷۲	مدرسہ جعفریہ کا قیام
۸۵	کیفیت مدرسہ فتنہ ریس
۸۸	۱۳ اعتقادات کے بارے میں آپ کی تعلیمات
۸۸	نفی رویت باری تعالیٰ - قدرتِ الہیہ
۹۲	جبر و تفویض کیا قرآن مخلوق ہے؟
۱۰۸	وعدہ و وعید - فرقہ زیدیہ کے دو عقائد کی نفی
۱۱۷	۱۵ ایمان کے بارے میں حضرت کا تفصیلی فرمان
۱۲۱	۱۶ امام صادقؑ اور تربیتِ اصحاب
۱۲۲	آپؑ کے چند خاص اصحاب کا تفصیلی ذکر
۱۴۴	۱۷ فقہی مدارس
۱۴۹	فقہ حنفی اور اس کی نشوونما
۱۶۹	امام مالک اور فقہ مالکی
۱۸۳	امام شافعی اور ان کا مذہب
۲۰۰	امام احمد بن حنبل اور ان کا مذہب
۲۱۰	امام زید بن علیؑ اور ان کی فقہ
۲۱۹	جعفری اور زیدی فقہ میں اختلاف کی ایک مثال
۲۲۵	فقہ جعفریہ اور اس کی نشوونما
۲۴۲	۱۸ امام صادقؑ اور طبعی علوم
۲۴۷	امام صادق اور جابر بن حیان
۲۵۶	۱۹ امام صادقؑ اور سیاست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۵۷	عہد نبو امیہ و بنو عباس	
۲۷۵	امام علیہ السلام پر مظالم	
۲۷۷	منصور عباسی کا عہد	
۲۸۳	ترویج علوم اور تربیت اصحاب	۲۰
۲۹۸	ارشادات امام صادقؑ	۷۱
	مآخذ کتاب (حوالہ جات)	۷۷

فهرست ماخذ

- ۱ - القرآن الجید
- ۲ - الامام الصادق - محمد ابی زهراء المعری
- ۳ - الفصول الممهدة - ابن صباح مالکی
- ۴ - المناقب - ابن شهر آشوب
- ۵ - الصادق - الشيخ المظفری
- ۶ - اعیان الشیعة - علامه محسن الامین
- ۷ - الکافی - محمد بن یعقوب صلیحی
- ۸ - الوسائل - الحر العالی
- ۹ - الارشاد - شیخ مفید
- ۱۰ - وفيات الاعیان - ابن خلکان
- ۱۱ - منتهی الامال - شیخ عباس القمی
- ۱۲ - قرب الاسناد - المیرزا الشیخ عبداللہ بن جعفر
- ۱۳ - کشف الغمہ - علامہ اردبیلی
- ۱۴ - اعلام الوری - طبرسی
- ۱۵ - سیرة الائمة الاثني عشر - ہاشم معروف الحسینی
- ۱۶ - مطالب السوؤل - کمال الدین شافعی

- ١٤ - تهذيب التهذيب - ابن حجر
- ١٨ - حياة الامام الصادق - السيدي
- ١٩ - اشع من حياة الامام الصادق
- ٢٠ - المحصل - الصدوق
- ٢١ - علل الشرائع - الصدوق
- ٢٢ - الامالي - الصدوق
- ٢٣ - حليه الاولياء - ابو نعيم الاصفهاني
- ٢٤ - الرجال - الكشي
- ٢٥ - ثواب الاعمال - الصدوق
- ٢٦ - المحاسن - البرقي
- ٢٧ - كشف الحقائق - منظر حسن سمانپوري
- ٢٨ - بحار الانوار - المجلسي
- ٢٩ - الامالي - الطوسي
- ٣٠ - عيون اخبار الرضا - الصدوق
- ٣١ - صحيح الكافي - علامه باقر البهبودي
- ٣٢ - ميزان الاعتدال - ذهبي، شمس الدين
- ٣٣ - تهذيب الاسماء واللغات - نووي
- ٣٤ - فوات الوفيات - ابن شاکر
- ٣٥ - الطبقات الشافعية - علامه تاج الدين السبكي
- ٣٦ - حسن المحاضرة - الليوطي

- ۳۷ - معظم المطبوعات - دائرة المعارف
- ۳۸ - نور الابصار - مؤمن شلنجی
- ۳۹ - زندگانی چهارده معصوم - عمادزاده
- ۴۰ - اسعاف الراغبین - محمد صبان المصری
- ۴۱ - لواطع الانوار - عبد الوهاب الشعرانی
- ۴۲ - تذکرة الخواص الائمة - سبط ابن جوزی
- ۴۳ - الصواعق المحرقة - ابن حجر المکی
- ۴۴ - جامع المسانید - امام ابو حنیفه
- ۴۵ - مناقب ابی حنیفه - الموفق بن احمد
- ۴۶ - تذکرة الحفاظ - الذہبی
- ۴۷ - التحفة الاشعی عشریة - عبد العزیز المحدث
- ۴۸ - المجالس السیة - علامه محسن الامین
- ۴۹ - مناهج التوسل
- ۵۰ - رسائل الجاحظ حسین السندوبی
- ۵۱ - صحاح الاخبار - سراج الدین الرفاعی
- ۵۲ - تاریخ التشریع الاسلامی - علامه محمد المحضری بک
- ۵۳ - دائرة المعارف - فريد وجدی
- ۵۴ - الشیعة بین الاشاعة والمعتزل - ہاشم معروف الحسینی
- ۵۵ - الملل والنحل - شہرستانی
- ۵۶ - الملل والنحل - ابن حزم

- ٥٤ - الامام الصادق والمذاهب الاربعه - علامه اسد حيدر
- ٥٨ - المذاهب الاسلاميه - ابو زهرة المصري
- ٥٩ - الفرق بين الفرق - عبد القاهر البغدادي
- ٦٠ - لغات الحديث - علامه وحيد الزمان
- ٦١ - الانتصار - ابو الحسين عبد الرحيم الجياطي
- ٦٢ - مقالات الاسلاميين - ابو الحسن اشعري
- ٦٣ - مروج الذهب - علامه مسعودي
- ٦٣ - تاريخ معتزله - علامه جارا الله
- ٦٥ - رجال صحيح بخاري - الكلاباذي
- ٦٦ - تقريب التذنيب - حافظ ابن حجر
- ٦٤ - كتاب الجمع بين رجال الصحيحين - محمد بن طاهر المقدسي
- ٦٨ - النعمان - علامه شبلي نعماني
- ٦٩ - مناقب ابي حنيفة - ابن بزاز الكندي
- ٤٠ - تاريخ بغداد - خطيب بغدادي
- ٤١ - المسائل الجلية في الرد على الزيدية - شيخ مفيد
- ٤٢ - ثورة زيد بن علي - ناجي حسن
- ٤٣ - كتاب الصفوة - زيد بن علي
- ٤٣ - مصباح العلوم - الرصاص
- ٤٥ - الوعد والوعيد - يحيى بن الحسين
- ٤٦ - مسائل مشورة للقاسم - القاسم بن ابراهيم الرسي

- ٤٧ - المسترشد في التوحيد - يحيى بن الحسين بن القاسم بن ابراهيم
 ٤٨ - الاساس في علم الكلام عند الزيدية - قاسم بن ابراهيم الرسي
 ٤٩ - امام زيد - محمد ابو زهرة المصري
 ٥٠ - البدء والتاريخ - المقدسي مطهر بن طاهر
 ٥١ - الحور العين - ابو سعيد نثوان بن سعيد الحميري
 ٥٢ - فرق الشيعة - النوبختي
 ٥٣ - الذكرى - الشهيد
 ٥٤ - الرجال - النجاشي
 ٥٥ - نحي الاسلام - احمد ابن المصري
 ٥٦ - البدايه والنهايه - ابن كثير
 ٥٧ - اوجز المسالك - محدث محمد زكريا سارنپوري
 ٥٨ - امام اعظم ابو حنيفه - مفتي عزيز الرحمن
 ٥٩ - تهذيب الكمال - حافظ المزي
 ٦٠ - معلم كبير (امام صادق) - حسين عماد زاده
 ٦١ - التوحيد - الصدوق
 ٦٢ - مراة العقول - المجلسي
 ٦٣ - اشعة من بلاغة الامام الصادق - عبد الرسول الواظلي
 ٦٤ - دعائم الاسلام - قاضي نعمان الاسماعيلي
 ٦٥ - تفسير الصافي - محسن فيض الكاشاني
 ٦٦ - الفهرست - الطوسي

- ٩٧ - الخلاصة - علامه حلی
 ٩٨ - جامع الرواة - اردبیلی
 ٩٩ - معجم الادباء - یاقوت الحموی
 ١٠٠ - الطبقات - ابن سعد
 ١٠١ - نخبه الوعاة - جلال الدین السیوطی
 ١٠٢ - شذرات الذهب - ابن عماد الحنبلی
 ١٠٣ - طبقات القراء - الجزری
 ١٠٤ - قاموس الرجال -
 ١٠٥ - منج المقال - میرزا محمد الاسترآبادی
 ١٠٦ - لسان المیزان - ابن حجر العسقلانی
 ١٠٧ - تنقیح المقال - مامقانی
 ١٠٨ - الرجال - الشیخ الطوسی
 ١٠٩ - المراجعات - آیت الله شرف الدین الموسوی
 ١١٠ - عیون الاخبار - ابن قتیبه
 ١١١ - العقد القرید - ابن عبد ربّه
 ١١٢ - الامام الصادق - الشیخ الخطیف
 ١١٣ - خلاصه تہذیب الکمال - الخواری
 ١١٤ - المعارف - ابن قتیبه
 ١١٥ - لباب الانساب - ابن الاثیر
 ١١٦ - الکافی واللقاب - شیخ عباس قمی

- ۱۱۷ - الامام جعفر الصادق - المستشار عبد الحلیم الجندی
- ۱۱۸ - حدائق الحنفیہ - مولانا فقیر محمد
- ۱۱۹ - ابو حنیفہ - ابو زہرہ المصری
- ۱۲۰ - حضرت ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی - مناظر احسن گیلانی
- ۱۲۱ - کتاب الآثار - امام ابو یوسف
- ۱۲۲ - کتاب الآثار - امام محمد
- ۱۲۳ - المختصر المختار - شیخ فضل اللہ الحارثی
- ۱۲۴ - من لا یحضرہ الفقیہ - شیخ صدوق
- ۱۲۵ - التہذیب - الطوسی
- ۱۲۶ - الموطا - امام مالک
- ۱۲۷ - شرح الوقایہ - تاج الشریعہ
- ۱۲۸ - حسن التقاضی - محمد زاہد الکوثری المحدث
- ۱۲۹ - مناقب الشافعی - فخر الدین الرازی
- ۱۳۰ - المناقب - احمد ابن جوزی
- ۱۳۱ - طبقات الحنابلہ - قاضی ابن ابی - عکلی
- ۱۳۲ - الامام احمد بن حنبل - ابو زہرہ المصری
- ۱۳۳ - اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ - شاہ ولی اللہ
- ۱۳۴ - ادب الاختلاف فی الاسلام - ڈاکٹر طہ جابر فیاض العلوانی
- ۱۳۵ - الانشاء - ابن عبد البر
- ۱۳۶ - تزئین الممالک - السیوطی

- ۱۳۷ - الاصابہ فی تمییز الصحابہ - ابن حجر
- ۱۳۸ - محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے - تقی ندوی
- ۱۳۹ - جامع الترمذی - امام ترمذی - مع شرح الشافعی
- ۱۴۰ - حیات امام مالک - سلیمان ندوی
- ۱۴۱ - المدارک - قاضی عیاض
- ۱۴۲ - طبقات الفقہاء - شیخ ابواسحاق شیرازی
- ۱۴۳ - قرۃ العینین - شاہ ولی اللہ
- ۱۴۴ - الجواہر المفیضہ فی طبقات المحنفہ - عبدالقادر قرشی
- ۱۴۵ - توالی التامیس - ابن حجر
- ۱۴۶ - مشارق الانوار - العدوی
- ۱۴۷ - مناقب الشافعی - ابن حجر
- ۱۴۸ - مفتاح السعاده - ابن قیم
- ۱۴۹ - کتاب الام (الشافعی) - ابو علی
- ۱۵۰ - قوت القلوب - ابوطالب مکی
- ۱۵۱ - احیاء العلوم - امام غزالی
- ۱۵۲ - کتاب الرسالہ - امام شافعی
- ۱۵۳ - معرفۃ علوم الحدیث - امام حاکم
- ۱۵۴ - کتاب القضاۃ - الکنذی
- ۱۵۵ - آداب الشافعی - ابی حاتم
- ۱۵۶ - الحدیث والمحدثون - محمد ابو زہرہ المصری

- ۱۵۷ - السنہ و مکاتھبات فی التشریع الاسلامی مصطفیٰ السباعی
- ۱۵۸ - فلسفۃ التشریع الاسلامی - مسیحی محمد صانی
- ۱۵۹ - احمد بن حنبل والحنبل
- ۱۶۰ - الخلاء - الخمری
- ۱۶۱ - تہذیب العساکر - ابن عساکر
- ۱۶۲ - الحدائق الوردیہ فی مناقب الائمہ الزیدیہ - الحللی
- ۱۶۳ - الطبقات - ابن سعد
- ۱۶۴ - تاریخ الامم والملوک - الطبری
- ۱۶۵ - سر الانساب العلویہ - ابو النصر محل بن عبد اللہ بن داؤد
- ۱۶۶ - تاریخ فرات کوفی
- ۱۶۷ - الاستیعاب - ابن عبد البر
- ۱۶۸ - صقۃ الصفوة - ابن جوزی
- ۱۶۹ - المجموع فی الفقہ - امام زید بروایت ابو خالد الواسطی
- ۱۷۰ - المجموع فی الحدیث - امام زید بروایت ابو خالد الواسطی
- ۱۷۱ - الروض النضیری شرح مجموع الفقہ الکبیر - شرف الدین حسین الصفانی
- ۱۷۲ - الفصول اللولویہ - حسام الدین ابراہیم بن عبد الہادی
- ۱۷۳ - الشیعہ فی الاسلام - محمد حسین البہا طباطبائی
- ۱۷۴ - درر الاحادیث النبویہ - امام یحییٰ بن الحسن بن قاسم بن ابراہیم (زیدی)
- ۱۷۵ - رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ - ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن الشافعی
- ۱۷۶ - المسند الامام الصادق - عطارودی

- ١٤٧ - ديوان - امام شافعي
- ١٤٨ - اسباب اختلاف الفقهاء - ذاكر مصطفى ابراهيم الزلي
- ١٤٩ - مبادئ الوصول - علامه حلي
- ١٨٠ - رد السيف المفلول - آيت الله سيد سبط حسين الهندي
- ١٨١ - تاريخ الاسلام - الذهبي
- ١٨٢ - مختصر تاريخ البلدان - ابن فقيه
- ١٨٣ - الدررة الثمينه - ابن نجار
- ١٨٣ - التحفه - السخاوي
- ١٨٥ - رجال صحيح مسلم - ابن منجويه
- ١٨٦ - الكاشف - الذهبي
- ١٨٧ - مشاهير علماء الامصار - ابن حبان
- ١٨٨ - تاريخ ابن خلدون -
- ١٨٩ - تاريخ الخلفاء - السيوطي
- ١٩٠ - النجوم الزاهرة - ابن تغري بردي جمال الدين التايبي
- ١٩١ - سمط النجوم القوالي - عبد الملك العصامي المكي
- ١٩٢ - عيون الادب والسياسة - ابو الحسن علي الهذيل
- ١٩٣ - معج الدعوات - رضي الدين ابن طاووس
- ١٩٣ - الامام الصادق - ملهم الكيمياء - ذاكر هاشمي
- ١٩٥ - الدلائل والمسائل - جت الدين الحسيني الشيرستاني
- ١٩٦ - دائرة المعارف - بطرس بستانقي

- ١٩٤ - الاعلام - علامه زرکلی
- ١٩٨ - مرآة البیان - امام یافعی
- ١٩٩ - الفهرست - ابن ندیم
- ٢٠٠ - من مسند اهل البیت - شیخ فضل الله الحارثی



پیش گفتار

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تاریخ اسلامی ہی نہیں تاریخ بشریت کی وہ قد آور شخصیت ہیں کہ جن کے کردار اور رفتار زندگی نے اپنے عہد اور مستقبل میں امن و نقوش چھوڑے اور عالم بشریت تا قیامت آپ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتا رہے گا۔

آپ کی ذات ستودہ صفات پر عربی و فارسی میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور یہ لکھنے والے نہ صرف یہ کہ مذہب جعفریہ سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ غیر شیعہ۔ یہاں تک کہ غیر مذاہب کے حضرات بھی اس فہرست مصنفین یا مؤلفین میں شامل ہیں۔ فقہ و حدیث کے مجموعے، تفاسیر کے دفتر، صوفیائے کرام کی کتب، تاریخ کے صفحات، اخلاقیات کے سفینے، فنِ کیمیا کی کتابیں آپ کے ارشادات و بیانات سے مملو ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اردو زبان میں امام صادق علیہ السلام کی ذات پر آپ کے شایان شان کام نہیں ہوا پھر بھی علامہ منظر حسن سہارنپوری، اولاد حیدر فوق بلگرامی اور میرزا سلطان صاحب (رحمہم اللہ) ریٹائرڈ سیشن جج کے نگارشات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی رکھی ہوئی خشت ہائے اولین طالبانِ ہدایت کو اچھا خاصہ تحقیقی مواد فراہم کرتی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظیم شخصیت پر مسلسل اور انتھک کام کرنے کی ضرورت ہے اور اگر مجھ جیسا بے بضاعت اہل خیر کی اعانت پا جائے تو علومِ امام

جعفر صادق علیہ السلام پر متعدد جلدیں تیار کر سکتا ہے (کم از کم دس جلدیں) امید ہے کہ علم دوست حضرات توجہ فرمائیں گے۔

یہ چند اوراق جو ہدیہ قارئین ہیں امام صادق علیہ السلام اور ان کے عہد کی ہلکی سی جھلک پیش کرتے ہیں جن میں مخصوص انداز میں امام عالی مقام علیہ السلام کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے علمائے کرام پسند کی نگاہ سے دیکھیں گے اور کوتاہیوں سے آگاہ فرمائیں گے۔ اگر بارگاہ امامت میں یہ نذرانہ قبول ہو گیا تو یہی میرا توشہ آخرت ہوگا۔

خادم الشریعہ

ڈاکٹر محسن نقوی

حیات مبارکہ ایک نظر میں

اسم مبارک جعفر
والد محترم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
دادا کا نام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
والدہ معظمہ محترمہ ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر
ولادت : سلسلہ امامت کا یہ چھٹا آفتاب مدینہ منورہ کی سرزمین پر ۱۷ ربیع الاول
کو طلوع ہوا اس روز جمعہ یا سوموار تھا۔ سن ولادت ۸۰ھ یا ۸۳ ہجری
ہے۔ (باختلاف روایات)
حلیہ : آپ کا قد درمیانہ تھا نہ بہت لمبے تھے نہ پست قد، چہرہ چاند کی طرح روشن
جس میں سے چراغ کی طرح شعاعیں پھوٹتی تھیں، آپ کے بال سیاہ مگر کم تھے اور
ناک ستواں تھی۔ آپ کے گال پر سیاہ مس تھا۔
کیتیں : ابو عبد اللہ اور یہ سب سے مشہور کنیت ہے۔ ابو اسماعیل اور ابو
موسیٰ۔

القاب : آپ کے القاب بہت ہیں جو آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر
روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے چند مشہور القاب یہ ہیں۔ الصادق یہ سب سے
زیادہ مشہور ہے۔ الفاضل، الطاہر، القائم، الکافل، المنجی، الصابر وغیرہ۔
نقش خاتم : بہت سے نقوش منقول ہیں۔ ”ماشاء اللہ لا قوة الا باللہ“۔

”استغفر اللہ“ بہت زیادہ مشہور ہیں۔

دربان : المفضل بن عمر، محمد بن سنان۔ ۳
شعراء : سید حمیری، اشجع سلمیٰ، الکلیت، ابو ہریرہ الابر، العبدی، جعفر بن عفان۔

زوجات مطہرات : حمیدۃ بنت الصاعد المغربی، فاطمہ بنت الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب یعنی امام زین العابدینؑ کی پوتی۔
اولاد : اسماعیل، عبد اللہ، موسیٰ الکاکم، اسحاق، محمد الدباج، العباس، علی بیٹیاں : ام فروہ، اسماء، فاطمہ۔

آپ کی کتابیں : الشیخ المظفری تحریر فرماتے ہیں۔ ”ما روی عنہ بلا واسطہ ثمانون کتابا و بواسطہ سبعون کتابا“۔ ۴ ”بلا واسطہ جو کتابیں آپ سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد ۸۰ ہے اور بالواسطہ کتابوں کی تعداد ۷۰ ہے (یعنی کل ۱۵۰ کتابیں منقول ہیں)

آپ کے عہد کے سلاطین : ہشام بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک الملقب بالناقص، ابراہیم بن الولید، مروان بن محمد الملقب بالمہار۔ ان سب کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ ابو العباس السفاح اور ابو جعفر المنصور بنو عباس سے تھے۔

آپ کی مدت امامت ۳۴ سال ہے۔

آپ کی عمر مبارک : تمام ائمہ علیہم السلام سے زیادہ تھی اگر ولادت ۸۰ھ میں مانی جائے تو ۶۸ سال اور اگر ۸۳ھ میں تسلیم کریں تو ۶۵ سال۔

آپ کی شہادت : ۲۵ شوال ۱۱۸ھ کو ہوئی۔ والی مدینہ محمد بن سلیمان نے منصور کے حکم پر زہر دیا اس سے آپ کی شہادت ہوئی۔

خانگی حالات

امام کی زندگی کا ہر پہلو پیروکاروں کے لئے درس ہدایت اور صحیفہ نور ہوتا ہے امام کی سفری اور حضری دونوں زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ امام ہمیں اپنے عمل سے بتاتا ہے کہ زندگی کس طرح بسر کرنی ہے اور معاشرے کے مختلف طبقات سے خواہ ان کا تعلق اندرون خانہ سے ہو خواہ بیرون خانہ سے کس طرح پیش آنا ہے۔

جہاں تک امام جعفر صادق علیہ السلام کے والد محترم کا تعلق ہے تو وہ دنیائے علم و عمل کی فردیگانہ امام محمد باقر علیہ السلام تھے جن کا لقب ہی ”باقر العلم“ علم کو شگافتہ کرنے والی ہستی تھا ان کی سیرت پر قلم اٹھانا تفصیل طلب ہے۔ انشاء اللہ ان پر علیحدہ کتاب تحریر کریں گے۔ اور ان کی ذات بھی محتاج تعارف نہیں البتہ آپ کی والدہ معظمہ کے بارے میں ہم یہاں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

والدہ معظمہ

آپ کی والدہ معظمہ ام فروہ تھیں۔ ان کی کنیت ام القاسم بھی بیان کی گئی ہے۔ اسم مبارک ان معظمہ کا قریبہ یا فاطمہ تھا یعنی فاطمہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر اور آپ کی نانی اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر تھیں۔ اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے ”ان ابابکر ولدنی مرتین“ ابو بکر نے مجھے دو مرتبہ جنا۔ ۵

ثقة الاسلام الشیخ محمد بن یعقوب الکلینی نے عبد الاعلیٰ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :

”رایت ام فروة تطوف بالكعبة علیہا کساء
متنكرة فاستملت الحجر بیئہا الیسری‘ فقال
لہا رجل ممن یطوف یا امہ اللہ اخطات السنہ‘
فقال : انا لا غنیاء عن علمک“ ۶۰

”میں نے جناب ام فروہ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا وہ ایک
بوسیدہ چادر زیب تن کئے ہوئے تھیں پس آپ نے اٹنے ہاتھ سے حجر
اسود کا استلام کیا تو طواف کرنے والوں میں سے ایک نے کہا : اے
خدا کی بندی تو نے سنت کے خلاف کیا۔ آپ نے فرمایا : ہمیں
تمہارے علم کی کوئی حاجت نہیں یعنی میں نے جو کچھ کیا ہے درست کیا
ہے یہی سنت ہے یا یوں بھی جائز ہے کوئی حرج نہیں۔“

اس روایت پر نظر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ام فروہ کوئی روایتی اور
دقیانوسی عورت نہیں تھیں وہ خاندان رسالت میں بیاہ کر آئی تھیں تو انہوں نے
اس خانوادے کی بزرگ ہستیوں سے علم بھی حاصل کیا تھا تب ہی فرمایا کہ ہمیں
تمہارے علم کی کوئی احتیاج نہیں جانتے نہیں میں شب و روز خاندان رسالت میں
گزارتی ہوں۔

شیخ کلینیؒ نے اصول کافی میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ امام جعفر
صادق علیہ السلام نے خود اپنی والدہ معظمہ کے بارے میں فرمایا کہ :
”وكانت امی ممن آمنّت واتقت واحسنت واللہ
یحب المحسنین۔ قال : وقالت امی : قال
ابی : یا ام فروة انی لا ادعو اللہ لمذنبی شیعتنا فی

اليوم والليله الف مرة لانا نحن فيما ينوبنا من
الرزايانصبر على ما نعلم من الشواب وهم يصبرون
على ما لا يعلمون“ ۷

”میری والدہ ان لوگوں میں سے تھیں جو ایمان لائیں، تقویٰ اختیار کیا
اور نیکیاں کیں اور اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے اور میری والدہ فرماتی
ہیں کہ میرے والد نے فرمایا اے ام فروة میں اپنے گناہ گار شیعوں کے
لئے دن رات میں ہزار مرتبہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ کیونکہ میں اپنے پر
آنے والی مصیبتوں پر ثواب و عذاب کا علم رکھتے ہوئے صبر کرتا ہوں
جب کہ وہ ایسی بات پر صبر کرتے ہیں جسے وہ جانتے نہیں۔“

علامہ محسن الامین تحریر فرماتے ہیں۔ مسعودی نے اپنی کتاب اثبات الوصیہ
میں لکھا ہے کہ۔

”کانت ام الصادق ام فروة بنت القاسم بن محمد بن محمد بن
ابی بکر و کان ابوہا القاسم من ثقات علی بن
الحسین و کانت من اتقى نساء زمانہا و روت عن
علی بن الحسین احادیث“ ۸

”امام صادق کی والدہ ام فروة بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ آپ
کے والد قاسم امام زین العابدینؑ کے قابل اعتماد صحابی تھے۔ جناب ام
فروة اپنے زمانے کی متقی ترین خواتین میں سے تھیں انہوں نے امام
زین العابدینؑ سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ثانی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف

ہے بعض اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر بتاتے ہیں لیکن شیخ مفیدؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے جابر بن حرث خفی کو اطراف شرق میں حاکم بنا کر بھیجا تھا انہوں نے دو لڑکیاں ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کی خدمت میں روانہ کیں۔ آپؑ نے ان میں سے ایک جن کا نام شاہ زنان تھا اپنے فرزند دلبند امام حسینؑ کو عنایت کیں یہ بعد میں شہر مانو مشہور ہوئیں۔ انہیں سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے دوسری کا نام گیہان بانو تھا انہیں اپنے پرورش کردہ محمد بن ابی بکر کو عنایت کیا اور قاسم بن محمد انہیں سے وجود میں آئے۔ وفیات الاعیان ابن خلکان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا جناب قاسم امام زین العابدینؑ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ۱۰۔ بہر حال اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر کی بیٹی تھیں۔

ان معظمہ کی عظمت شان کی لئے یہی کافی ہے کہ ہمارے پانچویں امام حضرت محمد باقر علیہ السلام نے خود آپ کے والد سے آپ کی خواستگاری کی تھی۔ قرب الاسناد میں سید حمیری نے لکھا ہے کہ بزنطی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے جناب قاسم بن محمد اور سعید بن مسیب کا ذکر آگیا تو آپؑ نے فرمایا کہ میرے جد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے قاسم بن محمد سے اپنے رشتے کے لئے کہا تو قاسم نے حضرت کو جواب دیا کہ اپنے والد محترم سے اس بارے میں رجوع کریں تاکہ آپ کی شادی کا معاملہ طے ہو سکے۔ ۱۱۔ خاتمہ الحمد شین شیخ عباس قتی کہتے ہیں ان محترمہ کی وجہ سے امام صادقؑ کو ابن مکرّمہ بھی کہتے ہیں۔ ۱۲۔

بسن بھائی

کشف الغمہ کی روایت کے مطابق امام محمد باقر علیہ السلام کے تین فرزند یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام، عبد اللہ اور ابراہیم تھے اور صاحبزادی کا نام ام سلمہ تھا۔ ۱۳۔ مناقب ابن شہر آشوب کی روایت کے پیش نظر امام محمد باقر علیہ السلام کی اولادت سات ہے جن میں سے ایک امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو جعفر تھی اور ایک عبد اللہ الفطح ہیں یہ دونوں حضرات جناب ام فروہ کے بطن سے تھے۔ اور عبد اللہ و ابراہیم ام حکیم کے بطن سے نیز علی اور ام سلمہ و زینب کی والدہ کنیز تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب زینب دوسری ام الولد سے تھیں۔ علماء کی تصریحات کے مطابق امام جعفر صادقؑ کے علاوہ دوسری اولادیں آپؑ کی زندگی میں ہی انتقال کر چکی تھیں اور نسل صرف امام جعفر صادقؑ سے ہی چلی۔ ۱۴۔

لیکن علماء کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے کیونکہ انساب معانی وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد اللہ الفطح سے بھی اولاد چلی جو جعفری کہلاتی ہے بہر حال یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ازدواج و اولاد

آپ کی اولاد کی تعداد بعض علماء نے دس اور بعض نے گیارہ بیان کی ہے یعنی سات لڑکے اور چار لڑکیاں۔ امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام اور محمد الدیباج و اسحاق یہ دونوں ایک ماں سے ہیں اور علی جنہوں نے مامون کے عہد میں مکہ میں خروج کیا تھا، مامون نے ان پر فتح پانے کے بعد معاف کر دیا تھا اس کے بعد انہیں خراسان

بھیج دیا گیا جہاں یہ مامون کے پاس ہی رہے یہاں تک کہ سن ۳۰۲ھ میں وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مامون ان کے جنازے کو کندھے پر اٹھا کر چلا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ اگر آپ جنازہ اس طرح لے کر گئے اور واپس آئے تو آپ تھک جائیں گے، اس پر مامون نے جواب دیا کہ : قطع رحم کی یہ روایت ۲۰ سال سے قائم ہے ہم نے آج اس کی بجائے صلہ رحم کی روایت قائم کی ہے۔ واندی کی روایت میں ہے کہ ان کے ہاتھ پر اہل حجاز و تھامہ نے بیعت کر لی تھی اور ان کی حکومت بھی قائم ہو گئی تھی لیکن معتمد نے بعض معرکوں میں انہیں شکست دے کر اسیر کر لیا اور مامون کے پاس بھیج دیا، مامون نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ وہ بہت عبادت گزار تھے ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے اور جب خروج کیا تو بدن کے کپڑوں کے سوا کچھ پاس نہ تھا۔ ۱۵۔

جناب علی بن جعفر کے علمی مرتبے پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ امام علیہ السلام کی دوسری اولادوں میں اسماعیل الاعرج ہیں، انہیں کی طرف اسماعیلی فرقہ منسوب ہے ان کا انتقال باپ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا جیسا کہ اکثر روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز عبد اللہ و عباس بھی آپ کے فرزند تھے اور صاحبزادیوں میں ام فروہ، اسماء و فاطمہ صغریٰ کے نام ملتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ام فروہ جناب اسماء کی کنیت تھی یہ دونوں ایک ہی شخصیت ہیں اور دسویں صاحبزادی فاطمہ کبریٰ تھیں۔ یہ عین ممکن ہے۔ شیخ مفیدؒ نے وضاحت کی ہے کہ اسماعیل، عبد اللہ اور ام فروہ کی والدہ فاطمہ بنت الحسین بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں، جب کہ امام موسیٰ کاظمؑ، محمد الدیاج اور اسحاق ایک زوجہ سے ہیں جن کا نام حمیدہ البربر یہ تھا۔ اور آپ کی باقی اولادیں مختلف ماؤں سے تھیں۔ آپ کے سب سے

بڑے صاحبزادے عبداللہ الافطح تھے اسی لئے آپ کو ابو عبداللہ کہا جاتا ہے۔ فرقہ افطیہ آپ کی طرف منسوب ہے، کشف الغمہ کی ایک روایت میں یحییٰ، عباس، اسماء اور فاطمہ صغریٰ کو مختلف امہات اللولاد سے بتایا ہے۔ شیخ مفید نے تصریح کی ہے کہ اسماعیل کے بعد عبداللہ تھے۔ جو واقعہ علی بن جعفر کے حوالے سے اوپر گزرا وہ دراصل آپ کے بھائی محمد بن جعفر کا ہے اسے ہم آخر میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

ذاتی زندگی کے چند پہلو

آئمہ عظیم السلام کی زندگیوں کا ہر قدم ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو صحیفہ رشد و ہدایت ہے۔ ان حضرات نے اپنی پوری پوری زندگیاں اطاعت خدا و رسولؐ میں صرف کر دیں، وحی الہی اور تعلیمات نبویؐ کو ہر لحظہ پیش نظر رکھا اور کبھی بھی اس سے سرمو تجاوز نہ کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیات طیبہ کے یہ چند پہلو اس لئے پیش خدمت ہیں کہ مومنین آپ کی پیروی کریں۔

مالک بن انس کا اعتراف

جناب مالک بن انس فقیہ مدینہ کہلاتے ہیں جن کی کتاب ”الموطا“ اہل سنت کے درمیان احادیث نبویؐ کے ابتدائی اور مؤثق ترین مجموعوں میں شمار ہوتی ہے محمد بن زیاد یزدی کا بیان ہے کہ میں نے فقیہ مدینہ مالک بن انس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اکثر امام جعفر صادقؑ کے پاس جایا کرتا تھا وہ میری قدر کرتے اور اپنا تمکیہ میری طرف بڑھا دیتے اور فرماتے اے مالک مجھے تم سے محبت ہے۔ یہ سن کر میں

خوش ہوتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔ مالک کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی ذات وہ تھی کہ میں نے انہیں ہمیشہ تین حالتوں میں سے ایک میں پایا ”امام مصل و اما صائم اما یقر القرآن“ (پکایا نماز پڑھتے ہوئے یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن پڑھتے ہوئے۔ آپ کا شمار ان بڑے عابدوں و زاہدوں میں ہوتا ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ آپ بہت خوش گفتار شیریں زبان پر لطف اور کثیر الفوائد شخص تھے جب آپ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان فرماتے تو کبھی آپ کا چہرہ شگفتہ و شاداب ہو جاتا اور کبھی ایسا زرد پڑ جاتا کہ پہچانا بھی نہ جاتا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں ان کے ساتھ حج کے لئے گیا جب آپ احرام باندھنے کی جگہ سے اپنے مرکب پر سوار ہو کر چلے تو جب بھی لبیک کہنے کا ارادہ کرتے آپ کی آواز گلوگیر ہو جاتی اور آپ اپنی سواری سے گرتے گرتے بچتے میں نے کہا فرزند رسول لبیک کہئے یہ کہنا آپ کے لئے ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن عامر! میں ”لبیک اللہم لبیک“ کہنے کی کیسے جسارت کروں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب نہ مل جائے کہ ”لا لبیک ولا سعیدیک“ ۱۸۔

آپ کا لباس

علی بن یقظطین کے پیش کار حفص بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کو خز کا شہری جبہ پہنے ہوئے دیکھا۔ ۱۹۔ کافی میں محمد بن عیسیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ ۲۰۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام لباس اور

ترکین و آرائش پر زور دیا کرتے تھے۔ کافی میں لباس و آرائش کے متعلق مختلف ارشادات آپ سے منقول ہیں : خداوند تعالیٰ جمال و تجمل کو پسند کرتا ہے اور سختی و اظہار غریب و کم مائیگی سے ناراض ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص پر نعمت نازل کرتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس سے ظاہر ہو۔ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے کراہت کرتا ہوں جس پر خدا نے اپنا فضل و اکرام کیا ہو اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عمدہ لباس پہنو کیونکہ خدا جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال سے ہو۔ شیخ ابو جعفر طوسی نے اپنے اسناد سے تہذیب میں روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا جمیل ہے اور تنگی و گداؤں کی صورت بنائے رکھنے کو پسند نہیں کرتا جب خدا کسی پر اپنی نعمت نازل کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس نعمت کا وہ اظہار کرے۔ عرض کی تو پھر اسے اسکے لئے کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا عمدہ و نفیس لباس پہنے، خوشبو لگائے اور اپنے گھر بختہ بنا کر آراستہ کرے اپنی عیب دار چیزوں کو ڈھانکے یہاں تک کہ قبل غروب آفتاب چراغ جلا نا غریب کو دور اور رزق کو کشادہ کرتا ہے۔ ۲۱۔

محمد بن یعقوب الکلینی نے کافی میں روایت کی ہے۔

”عن الصادق علیہ السلام قال : بینا انا فی الطواف واذا رجل یجذب ثوبی واذا عباد ابن کثیر البصری فقال یا جعفر تلبس مثل هذه الثیاب و انت فی هذا الموضع مع المکان الذی انت فیہ من علی“ فقلت : فرقیبى اشتريتہ بدینار و قد کان

علی فی زمان یستقیم لہ مالیس فیہ ولو لبست
مثل دلك اللباس فی زماننا لقال الناس ہذا امرائی
مثل عباد“ ۲۲

”امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ میں طواف میں مشغول تھا کہ ایک شخص نے
میرے کپڑے کھینچے یہ عباد بن کثیر البصری تھے انہوں نے کہا اے جعفر تم
ایسے مقام اور علیؑ سے اپنی اتنی قرابت داری کے باوجود ایسے عمدہ کپڑے
پنتے ہو۔ میں نے کہا کہ یہ فرقی کپڑا (یعنی سفید و شمشیری) میں نے ایک
دینار کا خریدا ہے۔ علیؑ جس زمانے میں تھے اس زمانے میں ویسا کپڑا پہننا
بہتر تھا اور اگر میں اس زمانے میں ویسا لباس پہنوں تو لوگ کہیں گے کہ
یہ عباد بن کثیر کی طرح دکھاوا کرتے ہیں۔“

اور کافی ہی میں روایت ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ علیہ السلام
سے کہا۔

”اصلحک اللہ ذکر ان علی بن ابی طالب کان
یلبس الخشن۔ لبس القمیص باریعہ دراہم وما
اشبه ذلک ونری علیک اللباس الجید“ فقال لہ : ان
علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کان یلبس
ذلک فی زمان لا ینکرو لو لبس مثل ذلک الیوم
لشہر بہ فخییر لباس کل زمان لباس اہلہ“ ۲۳

”اللہ آپ کی اصلاح فرمائے آپ کو یاد ہو گا کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ
کھردرا لباس پہنتے تھے ان کی قیض چار درہم کی یا اسی طرح ہوتی تھی

جب کہ ہم آپ کے جسم پر عمدہ لباس پاتے ہیں۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ علی ابن ابی طالب جس زمانے میں ایسا لباس پہنتے تھے کوئی اسے برا نہ سمجھتا تھا اگر آپ ویسا لباس آج کل پہنتے تو اس کی شرت ہو جاتی۔ پس ہر زمانے کا بہترین لباس اس زمانے کے لوگوں کا عام لباس ہے۔"

محمد بن حسین بن کثیر خزاز نے اپنے باپ سے روایت کی اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اپنے کپڑوں کے نیچے ایک سخت اور موٹے کپڑے کی قمیض پہنے ہوئے ہیں اور اس پر صوف کا جبہ ہے پھر اس کے اوپر ایک موٹی قمیض ہے میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا اور کہا میں آپ پر قرمان لوگ صوف کے لباس کو ناپسند کرتے ہیں آپ نے فرمایا یہ ہرگز بری چیز نہیں ہے میرے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور دادا امام زین العابدین علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنا مونہ سے مونٹا لباس پہنا کرتے تھے اور ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ۲۴

آپ کی ٹوپی سے متعلق دو روایتیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

"عن الحسين بن المختار قال : قال ابو عبد الله عليه السلام 'اتخذ لي قلنسوة ولا تجعلها مصبغة فان السيد مثلي لا يلبسها'"

"حسین بن مختار کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لئے ٹوپی لا دو لیکن وہ رنگین نہ ہو کیونکہ مجھ جیسے سردار کو ایسی ٹوپی نہیں پہنی چاہئے۔"

دوسری روایت انہیں حسین بن مختار سے ہے کہ امام جعفر صادقؑ علیہ السلام

نے فرمایا۔

”اعمل لی قلانس بیضاء ولا تكسر هافان السید

مثلی یلبس المكسر“ ۲۵

”مجھے چند سفید ٹوپیاں بنا دو لیکن یہ گھٹی ہوئی یا اطراف سے لمبی نہیں

ہونی چاہئیں کیونکہ مجھ جیسا سردار ایسی ٹوپی نہیں پہنتا۔“

بظاہر یہ دونوں روایتیں ایک ہی روایت کے دو جز ہیں جن میں امام عالی مقام

نے حسین بن مختار کو سفید ٹوپیاں بنانے کا حکم دیا ہے اور انہیں طے کر کے توڑنے

نیز رنگتے سے منع فرمایا ہے۔

فضل بن مدائنی سے ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ

السلام کے پاس آپ کے ایک صحابی آئے انہوں نے دیکھا کہ آپ کی قمیض کے

کالر میں پوند لگا ہوا ہے وہ اسے مسلسل دیکھتا رہا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا دیکھ

رہے ہو؟ اس نے کہا آپ کی قمیض کا کالر دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا اچھا وہ

کتاب اٹھا لو اور دیکھو اس میں کیا لکھا ہے۔ اس نے کتاب اٹھا کر دیکھا تو اس میں

یہ لکھا تھا۔

”لا ایمان لمن لا حیاء له ولا مال لمن لا تقدير له ولا

جدید لمن لا خلق له“ ۲۶

”جس میں حیاء نہیں اس میں ایمان نہیں جسے اخراجات کا اندازہ نہیں

اس کے پاس مال نہیں جس کے پاس پرانی چیز نہیں اس کے پاس نئی بھی

نہ ہوگی۔“

یعنی جب کوئی چیز پرانی ہو جائے تب ہی نئی چیز خریدنا چاہئے۔ اب ذیل میں ہم

آپ کے لباس سے متعلق ایک واقعہ نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ یہ واقعہ مشہور صوفی و متزاہد سفیان ثوری اور امام صادقؑ کے درمیان پیش آیا۔ کافی میں ہے کہ۔

”مر سفیان الثوری فی المسجد الحرام فرای ابا عبد اللہ علیہ السلام و علیہ ثیاب كثيرة القیمہ حسان، فقال : واللہ لاتینہ ولا وینخنہ فلنا منہ“ فقال : یا بن رسول اللہ ما لبس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مثل هذا اللباس ولا علی علیہ السلام ولا احد من آبائک، فقال له ابو عبد اللہ علیہ السلام : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی زمان قتر مقتر و کان یاخذ لقترہ واقتدارہ وان الدنیا بعد ذلک اراخت عز الیہا فاحق اهلہا ابرارہا“ ثم تلا (قل من حرم زینہ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق) ونحن احق من اخذ منها ما اعطاه اللہ غیر انی یا ثوری ما تری علی من ثوب انما البسہ للناس ثم اجتذب ید سفیان فجرحها الیہ ثم رفع الثوب الا علی واخرج ثوبا تحت ذلک علی جلدہ غلیظا فقال : هذا البسہ لنفسی وما رایتہ للناس۔ ثم جذب ثوبا علی سفیان اعلاہ غلیظ خشن و داخل ذلک ثوب لین فقال : لبست هذا

الاعلیٰ للناس ولبست هذا النفسک تسرها“ ۲۷۷

”سفیان ثوری ایک مرتبہ مسجد حرام میں آئے تو دیکھا کہ امام صادقؑ ایک بیش قیمت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے دل میں کہا قسم بخدا میں ان کے پاس جا کر ضرور انہیں نصیحت کروں گا پس وہ اس ارادے سے آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہنا یا ابن رسول اللہ اس قسم کا لباس نہ تو آنحضرتؐ نے کبھی پہنا اور نہ حضرت علیؑ نے اور نہ ہی آپ کے آباء میں سے کسی نے“ آپؐ نے فرمایا رسول اکرمؐ غربت کے زمانے میں تھے اسی لئے آپ اس عمدہ کے اعتبار سے پہنتے تھے جب کہ اس کے بعد دنیا بدل گئی اور فراوانی آگئی تو اس کے اہل سب سے زیادہ نیک لوگ ہیں پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی پوچھو اللہ کی وہ زینت جو اس نے لوگوں کے لئے نکالی ہے اور پاک چیزیں رزق کی کس نے حرام کی ہیں؟ تو اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے ہم زیادہ حقدار ہیں ہمارے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟ اے ثوری تم میرے بدن پر یہ جو لباس دیکھ رہے ہو یہ میں نے لوگوں کے لئے پہنا ہے پھر آپؐ نے سفیان کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا اور اوپر کا کپڑا ہٹا کے جلد پر موجود سخت کپڑا انہیں دکھایا جو اوپر کے نرم کپڑے کے نیچے تھا اور فرمایا میں یہ کپڑے اپنے نفس کے لئے پہنتا ہوں اور اوپری لباس جو تمہیں نظر آتا ہے وہ لوگوں کے لئے پہنتا ہوں پھر آپؐ نے سفیان کے کپڑے پکڑے اوپری لباس سخت و کھردرا تھا اور نیچے کا لباس نرم تھا آپؐ نے فرمایا تم نے یہ اوپری لباس لوگوں کو دکھانے کے لئے پہنا ہے اور نیچے کا اپنے نفس کے لئے تاکہ اسے خوش کرو۔“

ایسی ہی روایت رجال کشی میں سفیان الثوری سے ہے جسے ابو نعیم نے حلیہ

الاولیاء میں بھی نقل کیا ہے۔ ۲۸۰

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اچھا لباس بشرط استطاعت پہننا جب کہ وہ مال حلال سے خریدا گیا ہو اللہ کی نعمتوں کے اظہار کا ایک طریقہ ہے اور کسی بھی طرح زہد و تقویٰ سے متصادم نہیں۔ عام روش کے مطابق شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے لباس پہننا ممدوح ہے لیکن اپنے نفس کو سرکشی پر آمادہ نہیں ہونے دینا چاہئے۔

فقراء و مساکین سے سلوک

امام جعفر صادق علیہ السلام فقراء و مساکین کا بہت خیال کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ مطی بن خیس سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ ایک شب امام صادقؑ اپنے گھر سے نکلے پانی برس رہا تھا۔ آپ کا رخ بنی ساعدہ کے سائبان کی طرف تھا میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا اتنے میں آپ کی کوئی چیز نیچے گر گئی آپ نے بسم اللہ پڑھ کر دعا کی اسے پروردگار جو چیز گری ہے وہ مجھ تک پلٹا دے اتنے میں میں نے بڑھ کر سلام کیا آپ نے جواب سلام کے بعد فرمایا کون؟ تم مطی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں میں آپ پر قربان۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے نٹول کر دیکھو جو چیز تمہیں ملے مجھے دے دو۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے نٹول کر دیکھا تو چند روئیاں بکھری ہوئی ملیں چہ"نچہ جو روٹی مجھے ملتی رہی نٹول کر میں آپ کو دیتا گیا یہاں تک کہ روٹیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلہ ملا میں نے عرض کی میں آپ پر قربان کیا یہ سب اٹھا کر لے چلوں؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھے

اس کا حق زیادہ پہنچتا ہے مگر تم میرے ساتھ چلو جب ہم بنی ساعدہ کے سائبان میں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ سو رہے ہیں۔ آپ ایک ایک دو دو روٹیاں ان میں سے ہر ایک کے کپڑے کے نیچے چھپا کر رکھتے گئے یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ہم واپس ہوئے۔ میں نے عرض کی کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر یہ لوگ حق کو پہچانتے تو میں ان روٹیوں کے ساتھ نمک بھی انہیں دیتا۔ ۲۹۔ کافی میں محمد بن خالد سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے۔ ۳۰۔

مہمان نوازی

ابن بکیر نے آپ کے بعض اصحاب سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادقؑ کبھی ہمیں گھی میں ڈوبی ہوئی گول گول روٹیاں اور مختلف قسم کے حلوے کھلایا کرتے تھے اور کبھی صرف سادہ روٹی اور زیتون کا روغن۔ آپ سے عرض کی گئی کہ ایسی تدبیر کیجئے کہ غذا میں اعتدال قائم ہو آپ نے فرمایا ہماری تو تمام تدابیر اللہ ہی کرتا ہے جب وہ کشادگی دیتا ہے تو ہم بھی کشادگی کرتے ہیں اور جب وہ تنگی اختیار کرتا ہے تو ہم بھی تنگی اختیار کرتے ہیں۔ ۳۱۔ کافی میں ابن فضال سے بھی اسی طرح کی روایت ہے۔ ۳۲۔

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں امام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :

”الامام الناطق“ ذوالزمّام السابق ابو عبد اللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام اقبل علی العبادۃ والخضوع و آثر العزلۃ والخشوع“

”یعنی امام ناطق اور سب سے آگے نکل جانے والے ابو عبد اللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام جنہوں نے عبادت اور خضوع کو قبول کیا اور خشوع و گوشہ نشینی کو اختیار کیا۔“

آگے چل کر ابوالحیاج بن سہام سے روایت کی ہے کہ۔

”کان جعفر بن محمد یطعم حتی لا یبقی لعیالہ شئی۔“ ۳۳

”آپ لوگوں کو اس قدر کھانا کھاتے کہ اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ نہ بچتا۔“

سلیمان بن خالد کہتا ہے کہ آپ کے مہمان خانے میں ایک شخص عمال میں سے حاضر تھا بہت گوشت کا سالن اور روٹیاں آئیں سب بسم اللہ کہہ کر کھانے لگے خوب سیر ہو گئے تو وہ اٹھ گیا اور اس کے بجائے طعام برنج حاضر ہوا ہم نے عرض کی ہم تو سیر ہو گئے فرمایا یہ کوئی بات نہیں ہم کو وہی دوست رکھتا ہے جو ہمارے طعام میں سے زیادہ اور بہتر کھاتا ہے ناچار ہم نے پھر کھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ انصار کی طرف سے طعام برنج آئے تھے اس وقت سلمانؓ ”مقدادؓ اور ابوذرؓ موجود تھے آپؐ نے فرمایا کھاؤ انہوں نے عذر کیا تو فرمایا خوب کھاؤ کیونکہ ہمارا زیادہ دوست وہی ہے جو زیادہ سے زیادہ ہمارے پاس کھانا کھاتا ہے۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ ان حضرات نے خوب کھایا۔

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت تھا اصحاب آنحضرتؐ جمع تھے ایک کھانا آیا ویسا لطیف و لذیذ ہم نے پہلے کبھی نہ کھایا تھا بعد ازاں عمدہ اور

اعلیٰ قسم کے خرے پیش کئے گئے جو صفائی کی وجہ سے آئینے کی طرح چمک رہے تھے۔ ہم کھانے لگے تو حاضرین میں سے ایک نے کہا ”ولتسلن یومئذ عن النعیم“ یعنی یہ گوناگوں نعمتیں جو تم کھا رہے ہو ان پر بروز قیامت تم سے حساب کتاب ضرور ہوگا۔ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ اس سے بزرگ تر ہے کہ جو خوشگوار طعام تمہارے حلق سے اترے تم سے اس کی پوچھ گچھ کرے۔ نعیم سے اس مقام پر مراد محبت و ولایت اہل بیت ہے۔

محمد بن راشد ناقل ہے کہ موسم گرما میں مجھے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ کھانے کا فخر حاصل ہوا، ایک خوان روئیوں سے بھرا ہوا اور ایک بڑا کاسہ گوشت سے بھرا ہوا لایا گیا جس میں سے گرم گرم گرم بھاپ اٹھ رہی تھی۔ آپ نے ایذا ست مارک اس پر رکھا اور فرمایا ”تستحیر باللہ من النار و يعود“۔ اللہ من النار“ یعنی ہم جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جب ہمیں اس کرنی کی تاب نہیں تو آتش جہنم کی تاب بھلا کہاں لاسکیں گے۔ آپ بار بار ان کلمات کو دہراتے تھے یہاں تک کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر کھانے کے قابل ہو گیا پس سب نے مل کر کھایا پھر وہ خوان اٹھا لیا گیا تو کچھ کھجوریں منہ میٹھا کرنے کو آئیں وہ بھی کھائیں اور میں نے عرض کی یہ انگورو و دیگر میوؤں کا موسم ہے فرمایا ”هذا طیب“ یہی خوب ہے۔۔۔ ۳۳

روزمرہ کی غذا

عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مرغ مسلم جس میں کھجور اور زیتون بھرا ہوا تھا کھایا۔ امام نے فرمایا یہ کسی نے فاطمہ کے لئے

تخفہ بھیجا تھا اس کے بعد فرمایا اے کنیز اب روزمرہ کا کھانا لاؤ! تو وہ 'ثرید' سرکہ و زیتون لائی۔ ۳۵۔

احباب کو تخفہ

یونس بن یعقوب کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ایک مرتبہ میرے پاس عمدہ اور موٹی کھجوروں کا ایک پورا بھرا ہوا بورا بھیجا میں نے عرض کیا اتنی کھجوروں کا کیا کروں گا؟ فرمایا خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ ۳۶۔

پوشیدہ طور پر سلوک

ابو جعفر شعمی کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اسے بنی ہاشم میں سے فلاں شخص کو دے دو مگر اسے یہ پتہ نہ چلے کہ یہ تھیلی میں نے تمہیں دی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں اس ہاشمی کو وہ تھیلی دینے گیا تو اس نے کہا اللہ اس بھیجے والے کو جزائے خیر دے وہ اسی طرح برابر بھیجتا رہتا ہے جس سے ہمارا خرچ چلتا ہے مگر دیکھو کہ جعفر بن محمد کے پاس مال کثیر ہے پھر بھی وہ میرے ساتھ ایک درہم کا بھی سلوک نہیں کرتے۔ ۳۷۔

آپ کی بخششیں

بحار الانوار ہی میں کتاب الفنون کے حوالے سے مرقوم ہے کہ حرم مدینہ منورہ میں ایک حاجی سو گیا اور اسے یہ وہم ہوا کہ میری رقم کی تھیلی چوری ہو گئی ہے وہ اٹھا تو دیکھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک گوشے میں نماز پڑھ رہے ہیں وہ انہیں پہچانتا نہ تھا اس نے انہیں کو پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میری رقم کی تھیلی لی

ہے۔ آپؐ نے پوچھا اس میں کتنی رقم تھی؟ کہا ایک ہزار دینار۔ آپؐ اسے بیت الشرف اپنے ساتھ لے گئے اور ایک ہزار دینار گن کر اسے دے دیئے وہ شخص دینار لے کر گھر واپس چلا آیا تو اس نے دیکھا کہ رقم کی تھیلی تو وہ گھر چھوڑ گیا تھا حرم میں ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اب وہ یہ رقم لے کر واپس امامؑ کی خدمت میں آیا اور بہت معذرت خواہ ہوا اور رقم واپس لوٹانے لگا آپؐ نے واپس لینے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم جو چیز کسی کو بخش دیتے ہیں وہ واپس نہیں لیتے۔ چنانچہ اس پر آپؐ کی اس عطا و بخشش کا بہت اثر ہوا اور اس نے کسی سے دریافت کیا یہ کون صاحب جو دو و کرم ہیں؟ اسے جواب ملا یہ حضرت امام جعفر صادقؑ ہیں۔ اس شخص نے یہ سنا تو کہا یہ کام واقعی خاندان رسالت و امامت کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔

بحار ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ شیخ اسلمی حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ آپؑ علیل ہیں لہذا مزاج پر سی کرنے لگا۔ آپؑ نے فرمایا کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو؟ یہ سن کر وہ آپؑ کی صحت کے لئے دعائیں مانگنے لگا۔ امامؑ نے اپنے غلام سے دریافت کیا تمہارے پاس کتنی رقم ہے اس نے کہا چار سو۔ آپؑ نے حکم دیا کہ سب شیخ کو دے دو۔

خدا ترسی

”دخل سفیان الثوری علی الصادق علیہ السلام
فرآہ متغیر اللون، فسأله عن ذلك، فقال : كنت
نہیت ان یصعدوا فوق البیت، فدخلت فاذاجارہ

من جواری ممن تربی بعض ولدی قدصعدت فی
سلم والصبی معها فلما بصرت بی ارتعدت
وتحیرت وسقط الصبی الی الارض فمات فما
تغیرلونی لموت الصبی وانما تغیرلونی
لما دخلت علیها من الرعب وكان علیہ السلام
قال لها : انت حرة لوجه الله لا لباس علیک
مرتین ۳۸

”ایک دفعہ سفیان ثوری امام صادق علیہ السلام سے ملنے آئے تو دیکھا کہ
آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہے سفیان نے اس کا سبب پوچھا تو آپ
نے فرمایا کہ میں گھر کی چھت پر چڑھنے کو منع کرتا ہوں، جب میں گھر میں
داخل ہوا تو میری ایک ملازمہ جو میرے ایک بچے کی نگہداشت کرتی ہے
بچے کو لئے ہوئے سیڑھی پر چڑھی ہوئی تھی، پس جب اس نے مجھے دیکھا
تو حیران ہو گئی اور کانپنے لگی اسی اثناء میں بچہ زمین پر گر کے مر گیا۔ میرا
رنگ بچے کی موت سے متغیر نہیں ہوا بلکہ اس پر جو میرا رعب چھا گیا
ہے اس کی وجہ سے میرا رنگ بدل گیا، پھر آپ نے اس ملازمہ سے کہا تو
اللہ کی خاطر آزاد ہے تجھ پر کوئی گرفت نہیں۔ دو مرتبہ یہی فرمایا۔“

قضائے حاجت کا سلیقہ

مفضل بن قیس بن رمانہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت
ابو عبد اللہ جعفر الصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشان حالی

بیان کی نیز دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے کنیز کو آواز دی کہ وہ تھیلی لے آؤ جو ابو جعفر کی طرف سے مجھے ملی ہے کنیز وہ تھیلی لے آئی آپؐ نے فرمایا اس میں چار ہزار دینار ہیں یہ لے لو اور اس سے اپنی حاجت پوری کرو۔ میں نے عرض کیا میں آپؐ پر قدا ہو جاؤں میرا مطلب یہ نہ تھا بلکہ میری درخواست دعا کے لئے تھی۔ آپؐ نے فرمایا ہاں میں دعا بھی کروں گا، دعا ترک نہ کروں گا مگر دیکھو اپنی پریشانی اور حاجت کسی دوسرے سے بیان نہ کیا کرو ورنہ تم انکے سامنے خفیف ہو جاؤ گے۔

۳۹۔ کافی میں علی بن الحسین سے بھی اسی کے مثل روایت ہے۔۔۔ ۴۰۔



مسافر سے حسن سلوک

محمد بن زید شحام سے روایت ہے کہ مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آدمی بھیج کر مجھے بلا لیا اور پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کی آپ کے دوستداروں میں سے ہوں۔ پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کی کوفہ کا۔ فرمایا اہل کوفہ میں سے کسی کو جانتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں بشیر نبال اور شجرہ کو۔ فرمایا ان دونوں کا تمہارے ساتھ کیا سلوک ہے؟ میں نے عرض کی ان دونوں کا سلوک میرے ساتھ اچھا نہیں ہے۔ یہ سن کر آپؑ نے فرمایا سب سے اچھا مسلمان تو وہ ہے جو اپنے بھائیوں کے ساتھ نیک سلوک کرے، ان کی مدد کرے اور انہیں نفع پہنچائے، واللہ میں نے کوئی رات ایسی نہیں بسر کی جس میں اپنے مال کے اندر سائلین کا حق نہ رکھا ہو۔ پھر فرمایا۔۔۔

اخراجات کے لئے تمہارے پاس کیا ہے؟ عرض کی دو سو درہم۔ فرمایا لاؤ مجھے دکھاؤ۔ میں نے آپ کے سامنے درہم پیش کئے تو اس میں آپ نے تمیں درہم اور دو دینار کا اضافہ فرمایا اور رات کا کھانا اپنے ساتھ کھانے پر زور دیا۔ چنانچہ رات کا کھانا میں نے آپ کے ساتھ ہی کھایا۔ راوی کا بیان ہے کہ دوسرے روز میں آپ کے پاس نہیں گیا تو آپ نے آدمی بھیج کر مجھے بلوایا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات تھی تم گزشتہ شب آئے کیوں نہیں؟ میں نے عرض کی آپؑ نے مجھے بلوایا ہوتا تو میں حاضر خدمت ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا جب تک تم یہاں ہو ہمارے مہمان ہو آتے جاتے رہا کرو۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ کھانے میں تمہیں کیا زیادہ پسند ہے۔ عرض کی دودھ زیادہ پسند کرتا ہوں آپ نے میرے لئے اچھی دودھ دینے والی بکری خریدی جس سے میری تواضع فرماتے رہتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں

نے ایک روز کوئی دعا تعلیم کرنے کی درخواست کی تو آپ نے دعا بھی تعلیم کی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ریش مبارک پر دونوں ہاتھ رکھ کر بلند کئے اور یہاں تک بلند رکھے کہ دونوں ہاتھ آنسوؤں سے بھر گئے۔ ۴۱۔

دادودہش کا طریقہ

بندار بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو مجھ سے طلب حاجت کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے سب سے بڑا وسیلہ اور ذریعہ یہ سمجھنا چاہئے کہ جس شخص کو میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ دیتا آیا ہوں اس کے لئے اپنی دادودہش جاری رکھتا ہوں بلکہ اس کا اور زیادہ لحاظ کرتا ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ جس کو دس مرتبہ دے چکا ہوں اگر اس کو گیارہویں مرتبہ نہ دے دوں تو وہ گزشتہ دس مرتبہ کے دیئے ہوئے احسان کو بھول جاتا ہے اور ایک مرتبہ نہ دینے کو یاد رکھتا ہے نیز میں نئے حاجت مندوں کی حاجت کو کبھی رد نہیں کرتا۔ ۴۲۔

ذیلی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا احسان و عطا وہی عمدہ ہے جو سوال سے پہلے ہی کروی جائے کیونکہ سوال کے بعد اگر تم نے کسی کو کچھ دیا تو وہ احسان نہیں بلکہ وہ سائل کے عرق انفعالی کی قیمت ہے جو اس نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ رات بھر جاگا ہے، کروٹیں بدلی ہیں امید و مایوسی کے عالم میں رہا ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اپنی حاجت کس کے سامنے پیش کرے بالاخر وہ بہت کچھ سوچنے کے بعد تمہارے پاس آیا پھر بھی اس کا دل لرز رہا تھا، جسم کانپ رہا تھا تم اس کے چہرے کا رنگ دیکھ رہے تھے کہ اس کو پتہ نہیں

تھا وہ تمہارے پاس سے کامیاب جائے گا یا مایوس لوٹے گا۔ ۴۳
یونس سے روایت ہے کہ اس سے کسی شخص نے بیان کیا کہ حضرت امام جعفر
صادق علیہ السلام اکثر صدقے میں شکر دیتے تھے۔ آپ سے دریافت کیا گیا آپ
شکر صدقے میں دیتے ہیں؟ فرمایا ہاں! یہ مجھے بہت زیادہ پسند ہے اور میں چاہتا ہوں
کہ وہ چیز تصدق کروں جو میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ ۴۴۔

بے تکلفی سے کھانا اور کھلانا

عبدالرحمن بن حجاج سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضرت امام جعفر
صادق علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھایا تو ایک بڑے طشت میں چاول آئے ہم
لوگوں نے تکلف کے ساتھ آہستہ آہستہ کھانا شروع کیا آپ نے فرمایا تم نے تو کچھ
بھی نہیں کھایا۔ اتنا تکلف نہیں کرنا چاہئے جس کے دل میں ہماری محبت زیادہ ہوگی
وہ ہمارے یہاں سب سے زیادہ کھائے گا۔ یہ سن کر میں نے دسترخوان پر رکھی ہوئی
طشت کو سنبھالا اور ایک طرف سے صاف کرنے لگا تب آپ نے فرمایا ہاں! اب تو
تم نے تکلف برطرف کر کے کھایا۔ ۴۵۔

عبداللہ بن سلیمان صیرفی سے روایت ہے کہ میں حضرت امام صادقؑ کی
خدمت میں حاضر تھا کہ ہمارے لئے کھانا آیا اس میں بھنا ہوا گوشت اور دوسری
چیزیں تھیں پھر ایک طبق میں چاول آئے میں نے آپؑ کے ساتھ کھانا کھایا آپ
نے فرمایا اور کھاؤ۔ میں نے عرض کی مولا میں تو کھا چکا۔ آپ نے فرمایا نہیں اور
کھاؤ اس لئے کہ کھانے میں بے تکلفی برتنا پختہ دوستی کی علامت ہے پھر آپ نے
اپنی انگلیوں سے طبق میں سے کچھ حصہ میری طرف بڑھایا اور فرمایا تمہیں میرے

کہنے سے یہ بھی کھانا پڑے گا۔ پھر میں نے وہ حصہ بھی کھایا۔ ۳۶۔

ابن ربیع سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کھانا منگوایا تو ہر سہ لایا گیا۔ آپ نے ہم سے فرمایا اور قریب آجاؤ تاکہ آسانی سے کھا سکو لیکن ہم لوگوں نے قدرے تکلف سے کام لیا تو آپ نے فرمایا تکلف نہ کرو اور کھاؤ اس لئے کہ کھانے ہی سے باہمی محبت کا اظہار ہوتا ہے پھر ہم لوگ اونٹ کی طرح بڑے بڑے لقمے کھانے لگے۔ ۳۷۔

عبیدہ واسطی نے عجلان سے روایت کی ہے اس کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ رات کا کھانا کھایا آپ کا یہ معمول تھا کہ بعد نماز مغربین کھانا تناول فرمایا کرتے تھے کھانے میں سرکہ، زیتون، ٹھنڈا گوشت آیا آپ نے گوشت میرے لئے چھوڑ دیا وہ مجھے کھاتے رہے اور خود آپ نے سرکہ اور زیتون نوش فرمایا پھر دوران طعام ہاتھ روک کر فرمایا یہ ہمارا اور انبیاء کا کھانا ہے۔ ۳۸۔

سلیقہ عطاء کی تعلیم

مسموع بن عبدالمکک کا بیان ہے کہ ایک مرتب ہم لوگ مقام منیٰ میں حضرت ابو عبد اللہ جعفر الصادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے ہم اپنے سامنے رکھے ہوئے انگور کھا رہے تھے، اتنے میں ایک سائل آیا اس نے سوال کیا آپ نے اسے انگوروں کا ایک خوشہ دینے کا حکم دیا۔ سائل نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہاں اگر درہم ہو تو دے دیجئے۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا تو پھر جاؤ اللہ تمہیں اور دے گا۔۔۔۔۔ سائل چلا گیا اور پھر واپس آکر وہی انگور کا خوشہ مانگئے لگا۔ آپ نے فرمایا جاؤ اللہ تمہیں

اور دے گا آپؐ نے اسے کچھ نہ دیا۔ پھر ایک دوسرا سائل آیا آپؐ نے اسے انگور کے تین دانے اٹھا کر دے دیئے۔ سائل نے دانے لے کر کہا خدا کا شکر ہے جس نے مجھے رزق دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا ابھی ٹھہرو جانا نہیں پھر اسے دونوں ہاتھ بھر کر انگور دیئے۔ سائل نے لے لئے اور پھر کہا اس خدا کی حمد ہے جس نے مجھے روزی دی۔ آپؐ نے فرمایا ابھی ٹھہرو جانا نہیں۔ یہ کہہ کر آپؐ نے غلام کو بلایا اور پوچھا اب تمہارے پاس کتنے درہم باقی رہ گئے ہیں؟ اس نے جواب دیا میں درہم۔ آپؐ نے وہ بھی سائل کو عنایت فرما دیئے۔ سائل نے وہ بھی لے کر کہا ”پروردگار تیرا شکر گزار ہوں یہ تیری ہی عطا ہے تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔“ آپؐ نے فرمایا ٹھہرو ابھی نہ جانا یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی قمیض اتاری اور سائل کو عطا فرمادی اور کہا کہ اسے پین لو اس نے کہا اس خدا کا شکر جس نے مجھے لباس پہنایا اور میرا بدن ڈھانپ دیا۔ اے ابو عبد اللہ آپؐ کو اللہ جزائے خیر دے۔ یہ کہہ کر وہ سائل پلٹا اور چلا گیا۔ اگر وہ نہ جاتا تو آپؐ اس کو کچھ نہ کچھ دیتے رہتے کیونکہ ہر عطا پر وہ شکر بجالا رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شکر ادا کرے گا تو میری عطا میں اس کے لئے اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ ۴۹۰

پابرمہ تعزیت

محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے فروع کافی میں روایت کی ہے کہ۔
 ”عن یعقوب السراج قال کنا نمشی مع ابی عبد اللہ
 علیہ السلام و هو یرید ان یعزى ذاقرا به له بمولود له
 فانقطع شسع نعل ابی عبد اللہ علیہ السلام فتناول

نعلہ من رجلہ ثم مشی حافیا فنظر الیہ ابن ابی
 یعفور فخلع نعل نفسه من رجلہ و خلع الشسع
 منها و ناولہ ابا عبد اللہ علیہ السلام فاعرض عنہ
 کھینٹہ المغضب ثم ابی ان یقبلہ ثم قال : الا ان
 صاحب المصیبہ اولی بالصبر علیہا فمشی
 حافیا حتی دخل علی الرجل الذی اتاہ لیعزیزہؒ
 ”یعقوب بن سراج کہتے ہیں کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ
 جارہے تھے وہ اپنے کسی قرابت دار کے بچے کے انتقال پر تعزیت کے
 لئے جانا چاہتے تھے اتفاقاً امامؑ کے جوتے کا تسمہ لوٹ گیا پس آپ نے
 اپنے پیر سے جوتا اتار کر ہاتھ میں لے لیا اور ننگے پیر چل پڑے ابن ابی
 یعفور کی نظر ان پر پڑی تو اس نے اپنا جوتا اپنے پیر سے اتار اور اس کا
 تسمہ نکال کر امام علیہ السلام کو دیا آپ نے ان کی طرف سے اس طرح
 منہ پھیرا جیسے غضبناک ہوں پھر تسمہ قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے
 کہا کہ صاحب مصیبت کو اس پر صبر کرنا زیادہ بہتر ہے پھر آپ پیدل چلتے
 رہے یہاں تک کہ اس کے گھر پہنچے جس سے تعزیت کرنی تھی۔“

طلب رزق

آل منام کے غلام عبدالاعلیٰ سے روایت ہے کہ گرمی کا زمانہ تھا۔ ایک دن
 بہت سخت گرمی تھی کہ مدینہ کی راہوں میں حضرت ابو عبد اللہ جعفر الصادقؑ سے
 ملاقات ہو گئی۔ میں نے عرض کی میں آپ پر قربان آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ
 ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء میں سے ہیں اور آپ کا یہ

حال کہ اس شدت کی گرمی میں بھی اپنے نفس کی راحت کا سامان فراہم کرنے میں مشغول ہیں۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا اے عبدالاعلیٰ میں طلب رزق کے لئے نکلا ہوں تاکہ تم جیسے افراد کا دست نگرانہ رہوں۔۔۔ ۵۱

غلاموں سے سلوک

حفص بن ابی عائشہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بھیجا اسکے آنے میں تاخیر ہوئی تو خود اسکی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے آپ نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ پڑا سو رہا ہے آپ اسکے سرہانے بیٹھ گئے اور پٹکھا جھلنے لگے جب اسکو غیر معمولی ہوا محسوس ہوئی تو وہ جاگ گیا اور آپ کو دیکھتے ہی بہت شرمندہ ہوا۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا بخدا تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو رات میں بھی سوئے اور دن میں بھی۔ سونے کے لئے رات بہت کافی ہے اور تیری وجہ سے دن میں ہمیں قدرے آرام ملنا چاہئے۔۔۔ ۵۲

مزدوری کی ادائیگی

حنان بن شعیب سے روایت ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ جعفر الصادق علیہ السلام کے باغ میں کام کرنے کے لئے ہمارے ایک گروہ کو روزانہ کی مزدوری پر رکھا گیا۔ کام کے اوقات عصر تک تھے۔ جب ہم ب لوگ کام کر کے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے غلام متعب سے فرمایا ان کا پیسہ خشک ہونے سے قبل ان کی مزدوری ادا کر دو۔۔۔ ۵۳

صلح میں معاونت

امیر حجاج ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ میرے داماد اور میرے درمیان ایک میراث کے سلسلے میں اختلاف تھا ادھر سے مفضل بن عمر کا گزر ہوا تو وہ کچھ دیر ہمارے پاس کھڑے رہے پھر کہا دیکھو جھگڑا نہ کرو میرے گھر آؤ۔ ہم لوگ ان کے گھر پہنچے تو چار سو درہم پر انہوں نے صلح کرادی اور یہ رقم بھی اپنے پاس سے ادا کی پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ سنو! یہ رقم میری نہیں ہے بلکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہے اور ان کا حکم ہے کہ اگر ہمارے اصحاب میں سے دو آدمیوں میں کوئی تنازع مالی نوعیت کا ہو تو میرے مال میں سے رقم ادا کر کے ان کا جھگڑا چکا دو۔ یہ رقم دراصل ابو عبد اللہ جعفر الصادق کی ہے۔ ۵۴

معاشرے کا خیال

ہم بن ابی ہجم کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے غلام معتب سے کہا 'مدینہ میں قحط ہے اشیاء کے نرخ بہت بڑھ گئے ہیں ہمارے پاس اناج کا کتنا ذخیرہ ہے؟ معتب نے جواب دیا اتنا ہے کہ کئی مہینوں کو کافی ہوگا۔ آپؑ نے فرمایا اسے نکالو اور فروخت کر دو۔ معتب کہتا ہے کہ میں نے عرض کی مولا مگر مدینہ میں سامان خوراک بالکل نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا نہ ہو، اسے فروخت کر دو۔ جب میں نے سہ فروخت کر دیا تو فرمایا اے معتب تم بھی اب اور لوگوں کی طرح روزانہ سامان خرید کر و نیز یہ بھی فرمایا کہ ایسا کرو کہ میرے عیال کی خوراک میں نصف جو اور نصف گھیوں کر دو۔ اللہ جانتا ہے کہ میں اتنا رکھتا ہوں کہ اپنے عیال کو گھیوں کھلا دوں لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ یہ بھی دیکھ لے کہ

میں معیشت میں کفایت شعاری سے کام لے رہا ہوں اور اس میں توازن پیدا کر رہا ہوں۔ ۵۵۔

آپؐ کی امامت پر نص

عقائد شیعہ کی رو سے امامت ایک کسی نہیں بلکہ وہی منصب ہے یعنی اس کا تعین خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے کہ امام کون ہوگا اور ایک امام دوسرے آنے والے امام کی نشاندہی کرتا ہے اسے ”نص“ کہتے ہیں۔ یعنی کسی امام کی امامت کے بارے میں دوسرے امام کا ارشاد۔ ذیل میں ہم امام صادق علیہ السلام کے بارے میں چند نصوص کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الارشاد میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

۱۔ ”قال جابر بن یزید الجعفی، سئل ابو جعفر علیہ السلام عن القائم بعلمه فضر ببيده على ابي عبد الله عليه السلام، وقال : هذا والله قائم آل محمد عليهم السلام“ ۵۶۔

”جابر بن یزید الجعفی کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد امام قائم کون ہوگا؟ تو آپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ قسم بخدا میرے بعد یہ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔“

۲۔ ”قال طاهر صاحب ابي جعفر عليه السلام : كنت عنده، فاقبل جعفر عليه السلام

فقال ابو جعفر عليه السلام : هذا خير البريه او
اخير" ۵۷

"امام محمد باقر علیہ السلام کے صحابی طاہرؑ کہتے ہیں کہ میں امامؑ کی خدمت
میں حاضر تھا اتنے میں جعفر علیہ السلام تشریف لے آئے تو امام باقرؑ نے
فرمایا یہ خیر البریہ ہے۔ (یعنی نیک افراد میں سب سے بہتر)"

۳ - "وفی حدیث له علیه السلام مع الكمیت و
قد ساله عن الائمہ علیہم السلام فقال : اولہم علی
بن ابی طالب وبعده الحسن وبعده الحسين وبعده
الحسين علی بن الحسين وانا ثم بعدی ہذا و وضع
یہ علی کتف جعفر الخ" ۵۸

"کیت کے ساتھ امام باقر علیہ السلام کی گفتگو میں ہے کہ انہوں نے ائمہ
علیم السلام کے بارے میں پوچھا تو فرمایا پہلے علی بن ابی طالبؑ ہیں ان
کے بعد حسنؑ ان کے بعد حسینؑ ان کے بعد علی بن الحسینؑ ان کے بعد
"میں" اور پھر میرے بعد "یہ" اور یہ کہہ کر جعفر صادقؑ کے کندھے پر
ہاتھ رکھ دیا۔"

۴ - "قال نافع : قال ابو جعفر الباقر علیہ السلام
لا صحابہ يوم اذا افتقدتموني فاقتدوا بہنا" فہو الامام
والخليفة بعدی۔ ۵۹

قال ابو الصالح الکنانی : نظر ابو جعفر الی ابنہ ابی
عبد اللہ فقال : تری ہذا؟ ہذا من الذین قال اللہ تعالیٰ

و نريد ان نمّن على الذين استضعفوا في الارض و
 نجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثين“ (القصص ۵)۔ ۶۰
 ”نافع کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک روز اپنے اصحاب سے
 فرمایا کہ اگر میں تم میں نہ رہوں تو اس کی پیروی کرنا کیونکہ میرے بعد
 یہی امام و خلیفہ ہے ابو صالح کنانی کہتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے
 اپنے بیٹے جعفر صادقؑ کی طرف دیکھا تو فرمایا تم نے اسے دیکھا؟ یہ ان
 لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور ہم چاہتے
 ہیں کہ جن لوگوں کو زمین پر استحصال کے ذریعے ضعیف کر دیا گیا ہے ان
 پر احسان کریں ہم نے انہیں امام بھی بنایا اور اس زمین کا وارث بھی
 قرار دیا۔“

شیخ صدوقؑ نے اپنی کتاب عیون اخبار الرضا میں ایک طویل حدیث درج کی
 ہے جس کا متعلقہ حصہ یہ ہے کہ ابی نصرہ سے روایت ہے کہ جب امام محمد باقر علیہ
 السلام کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزند دلبند حضرت امام جعفر صادق
 علیہ السلام کو بلایا تاکہ اب عمدہ امامت ان کے سپرد کر دیں تو ان کے بھائی جناب
 زید بن علی بن الحسین علیہ السلام بھی موجود تھے آپ نے فرمایا کہ امامت ایک ایسا
 عمدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے شدہ امر ہے اور میرے بعد میرا فرزند جعفر
 حجت خدا ہے یہ امر الٰہی ہے جو پہلے سے طے ہے۔ ۶۱

”عن سدير الصيرفي قال : سمعت ابا جعفر
 عليه السلام يقول : ان من سعادة الرجل ان يكون
 له الولد يعرف فيه شبه خلقه و خلقه و شمائله و

انی لا عرف من ابنی هذا شبه خلقی و خلقی و
شمائلی یعنی ابا عبد اللہ علیہ السلام ۲۲۔

”سدر البیرونی سے روایت ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو
کہتے سنا کہ آدمی کی سعادت میں سے یہ ہے کہ اس کا ایک ایسا بیٹا ہو جو
شکل و صورت اور اخلاق میں باپ کے مشابہ ہو اور میرے بیٹوں میں
سے شکل و صورت و اخلاق میں اپنے اس بیٹے سے زیادہ میں کسی کو اپنے
سے مشابہ نہیں جانتا یعنی جعفر صادق۔“

علامہ باقر البہودی کی تحقیق کے مطابق حدیث نمبر ۲ اور حدیث نمبر ۶ درست

ہیں۔ ۲۳۔

ان روایات مبارکہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام
نے واضح طور پر آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا لہذا آپ کے بھائی عبد اللہ نے
امامت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ غلط تھا۔ روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جناب زید
بن علی نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقابلے میں
جو دعویٰ امامت کیا تھا وہ بھی غلط تھا۔

اس موضوع پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

اعتراف اکابرین

یوں تو شخصیت کی عظمت صرف دو چیزوں سے دلوں میں پیدا ہوتی ہے ایک
بلندی کردار و اخلاق اور دوسرے علم و فضل۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی
شخصیت کے دونوں پہلو اس قدر وسیع و عریض ہیں کہ یہ مختصر کتاب ان کا کلی احاطہ

نہیں کر سکتی پھر بھی ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ چند روایات کے حوالے سے قارئین کو امام علیہ السلام کی بلندی کردار و اخلاق کو اجاگر کر دیں رہا علمی پہلو تو یہ اعتراف کئے بغیر کوئی صاحب علم نہیں رہ سکتا کہ آپ علم کا ایک بحر ناپید اکنار تھے۔ آپ کے علمی پہلو پر ہم علیحدہ باب میں گفتگو کریں گے۔ شخصیت کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اکابرین دنیائے علم و فضل کے تاثرات کسی شخص کے بارے میں کیا ہیں؟ اسی مقصد سے چند اکابرین کے اعترافات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

○ حافظ شمس الدین ذہبی تحریر فرماتے ہیں :

”جعفر بن محمد بن علی بن الحسین الهاشمی
ابو عبد اللہ، احدا لائمہ الاعلام، بر صادق کبیر
الشان“ ۶۳

”جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ہاشمی، کنیت ابو عبد اللہ۔ آپ ائمہ
اعلام میں سے ایک ہیں نیک، سچے اور کبیر الشان تھے۔“

○ حافظ شرف الدین نووی شارح صحیح مسلم اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :

”روی عنہ محمد بن اسحاق و یحییٰ الانصاری
ومالک والسفیانان وابن جریح و شعبہ و یحییٰ
القطنان و آخرون و اتفقوا علی امامتہ و جلالہ و
سیادتہ قال عمرو بن ابی المقدام کنت اذا نظرت الی
جعفر بن محمد علمت انه من سلالہ النبیین“ ۶۵
”یعنی ان سے محمد بن اسحاق، یحییٰ الانصاری مالک بن انس، سفیان ثوری

اور سفیان بن عیینہ، ابن جریج، شعبہ، یحییٰ القطان اور دوسروں نے روایت کی ہے، لوگ ان کی امامت، جلالت قدر اور سیادت پر متفق ہیں عمرو بن ابی المقدام کہتے ہیں کہ میں نے جب بھی جعفر بن محمد کی طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نبیوں کا خلاصہ ہیں۔“

○ ابن خلکان کا یہ اعتراف سننے کے لائق ہے :

”أحد الأئمة الاثنی عشر علی مذهب الامیہ وکان من سادات اهل البيت و لقب بالصادق لصدقه فی مقالته وفضله اشهر من ان يذكر — وکان تلمیذہ ابو موسی جابر بن حیان الصوفی الطرطوسی قد الف کتابا یشتمل علی الف ورقہ یتضمن رسائل جعفر الصادق وھی خمس مائتہ سالہ“ ۶۷۷

”آپ مذہب امامیہ کے بارہ اماموں میں سے ایک ہیں آپ اہل بیت کے سرداروں میں سے تھے اور اپنی سچی گفتگو کی بناء پر آپ کو صادق کا لقب دیا گیا ان کا فضل اس قدر مشہور ہے کہ ذکر کی حاجت نہیں ان کے ایک شاگرد جابر بن حیان الطرطوسی تھے انہوں نے ایک کتاب لکھی جو دو ہزار صفحات (ایک ہزار ورقوں) پر مشتمل ہے اور اس میں امام جعفر صادق کے ۵۷ سور شامل ہیں۔“

○ مؤمن شیعہ نے لکھا ہے :

”و مناقبہ کثیرة نکاد نفوت حد الحاسب و یحار فی انواعہا فہم الیقظ الکاتب“ ۶۷۷

”آپ کے مناقب اس قدر کثیر ہیں کہ حساب کرنے والا شمار نہیں کر سکتا اور ایک بیدار ذہن مصنف ان کے فضائل کے مختلف انواع سے ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔“

○ مشہور ادیب، مؤرخ اور مفسر ابن قتیہ نے آپ کی کتاب ”جفر“ کے بارے میں ان الفاظ میں خیالات کا اظہار کیا ہے :

”و کتاب الجعفر کتبہ الامام جعفر الصادق ابن محمد الباقر فیہ کل ما یحتاجون الی علمہ الی یوم القیامہ“ ۶۸۔

”کتاب جعفر کے مصنف امام جعفر الصادق ابن محمد الباقر ہیں اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی لوگوں کو قیامت تک ضرورت ہے۔“

○ محمد بن علی الصبان مصری تحریر کرتے ہیں :

”واما جعفر الصادق فکان اماما نبیلا“ وکان مستجاب الدعوة اذا سئل شیئا لا یتمم قوله الا وهو بین یدیہ“ ۶۹۔

”یعنی جعفر صادق تو وہ امام نبیل تھے اور آپ کی دعا فوراً قبول ہوتی تھی جب کسی شے کا سوال کرتے تو ابھی بات پوری نہ ہوتی کہ وہ چیز سامنے آ موجود ہوتی۔“

○ عبد الوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ :

”وکان سلام اللہ علیہ اذا احتاج الی شی قال یا رب انا احتاج الی کذا فما یستقم دعائه الا وذلک الشی

بجانبہ موضوع“۷۰

”آپ سلام اللہ علیہ کو جب کسی شے کی ضرورت پڑتی تھی تو آپ کہتے تھے اے رب مجھے فلاں چیز کی احتیاج ہے ابھی وہ دعا مکمل بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ چیز پہلو میں موجود ہوتی تھی۔“

○ علامہ سیوطی جوڑی کہتے ہیں :

”قال علماء السير قد اشتغل بالعبادة عن طلب
الرئاسة“۷۱

”سیرت نویسوں نے لکھا ہے آپ طلب ریاست سے کنارہ کش ہو کر
محض عبادت میں مشغول تھے۔“

○ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے اپنی کتاب مطالب السؤل میں تفصیلی مدح
کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ :

”وهو من عظماء اهل البيت وساداتهم ذو علوم جمہ
وعبادة موفرة واوراد متواصلة وزهادة بينه وتلاوة
كثيرة يتبع معاني القرآن الكريم ويستخرج من
بحره جواهره ويستنتج عجائبه ويقسم اوقاته
على انواع الطاعات بحيث يحاسب عليها نفسه
رويته تذكرا لآخره - واستماع حديثه يزهد في
الدنيا والاقتناء بهديه يورث الجنة نور قسماته
شاهدانه من سلاله النبوة وطهارة افعاله تصدع بانه
من ذرية الرساله---- وقال ---- اما مناقبه وصفاته

فکاد تفوت عدد الحصر وبحار فی انواعها فهم
 الیقظ الباصر حتی انه من کثیر علومه المفاوضه
 علی قلبه من سجال التقوی صارت الاحکام التی
 لا تدرك عللها والعلوم التی تقصر الافهام
 بحکمها— تضاف الیه و تروی عنه“ ۷۲

”آپ اہل بیتؑ اور سادات کے ان عظیم لوگوں میں تھے جن کے پاس
 علوم کا وافر ذخیرہ تھا عبادت کثرت سے کرتے تھے، مسلسل ورد کرتے تھے
 ان کا زہد ظاہر تھا تلاوت کثرت سے کرتے تھے، معانی قرآن کا تتبع کرتے
 اور اس کے سمندر میں سے گہر نکالتے اور اس کے عجائب کا استنباط
 کرتے اور اپنے اوقات کو اطاعت الہی پر تقسیم کرتے یہاں تک کہ ان
 پر اپنے نفس کا محاسبہ کرتے، ان کو دیکھنے سے آخرت یاد آتی تھی، ان کی
 گفتگو کو سننے سے دنیا کی طمع کم ہوتی تھی، ان کی ہدایات کی اقتداء سے
 جنت وراثت میں ملتی ہے ان کے انوار فیوض ان کے سلالہ نبوت ہونے
 پر شاہد ہیں اور ان کے افعال کی طہارت یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ ذریت
 رسول ہیں۔ پھر کہتے ہیں اور ان کے مناقب و صفات اتنے ہیں کہ شمار
 کرنے والا انہیں شمار نہیں کر سکتا اور ان کی اقسام کو ایک روشن فکر
 دیکھتا ہے تو درطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے انہوں نے اپنے علم و دانش
 سے دوسروں پر فیوض کی بارش کی اور اپنے علم کو اخلاق سے آمیختہ کر دیا
 کہ یہ صفات انبیاء سے ہے ان کے احکام کا بیان اور علتیں اسرار آمیز
 اور علوم و دانش بلند و برتر ہیں کہ تمام قوی و فہم بشری اس تک پرواز

نہیں کر سکتے۔ یہ فضیلتیں ماثور فضا کل کے علاوہ ہیں اور ان کے بارے میں روایات کی جاتی ہیں۔“

○ علامہ ابن حجر العسکری اہل سنت کے بہت بڑے محدث گزرے ہیں وہ اپنی کتاب میں امام صادقؑ کے علوم کے متعلق کہتے ہیں کہ :

”ونقل الناس عنه من العلوم ما سارت به الركبان
وانتشر صيته في جميع البلدان“۔ ۷۳

”لوگوں نے آپ سے اتنے علوم نقل کئے ہیں کہ وہ اپنی سواریوں پر بیٹھ کر اطراف اکناف میں پھیل گئے اور ان کی شہرت تمام بلاد اسلامیہ میں ہو گئی۔ عربی زبان میں یہ ”سواریوں“ والا محاورہ کسی چیز یا بات کے بہت زیادہ پھیل جانے اور پھیلا دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی علماء دور دور سے سواریوں پر بیٹھ کر آئے کب علم کیا اور اپنے ملکوں کو روانہ ہو گئے۔“

○ جناب زید بن علیؑ جن کی فتاہت و زہادت کے سب معترف ہیں امام جعفر صادقؑ کے چچا تھے وہ فرماتے ہیں۔

”فی کل زمان رجل منا اهل البيت يحتج الله به
على خلقه و حجته في زماننا ابن اخی جعفر بن
محمد لا یضل من تبعه ولا یهتدی من خالفه“۔ ۷۴

”ہم اہل بیت میں سے ہر زمانے میں خلق پر ایک حجت خدا ہوتا ہے اور ہمارے زمانے میں اللہ کی حجت میرے بھتیجے جعفر بن محمدؑ ہیں جو انکی اتباع کرے گمراہ نہ ہو گا اور جو ان کی مخالفت کرے کبھی ہدایت نہ پائے گا۔“

○ امام ابو حنیفہؒ کو امام صادقؑ سے خاص عقیدت تھی وہ امامؑ کے شاگرد بھی تھے اس موضوع پر ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔ لیکن یہاں ان کے چند اقوال درج کرتے ہیں۔

”جعفر بن محمد افاقہ من رايت“ ۷۵
 ”جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں امام جعفر صادقؑ سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔“

امام ابو حنیفہؒ کا ایک اور قول مشہور ہے :
 ”لولا السنن لہلک نعمان۔۔۔ یقول الالوسی ہذا ابو حنیفہ وہو من اهل السنہ یفتخر و یقول باقصح لسان لولا السنن لہلک نعمان یعنی السنن اللتین جلس فیہما لاخذ العلم عن الامام جعفر الصادق“ ۷۶

”اگر میری زندگی میں طلب علم کے وہ دو سال نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ علامہ آلوسی اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ یہ ابو حنیفہؒ ہیں جو اہل سنت سے ہونے کے باوجود فخر کر رہے ہیں اور فصیح زبان میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ”اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ اس سے مراد وہ دو سال ہیں جس میں انہوں نے طلب علم کی خاطر امام جعفر صادقؑ کی شاگردی اختیار کی۔ امام موفقؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی سیرت میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ امام صادقؑ کو مخاطب کرتے تو کہتے ”جعلت فداک“ میں آپ پر قربان۔“ ۷۷

○ ابن حبان کہتے ہیں :

”جعفر بن محمد کان من سادات اہل البیت فقہا و

علما و فضلا“ ۷۸۰

”جعفر بن محمد“ فقہ، علم و فضل کے اعتبار سے اہل بیت کے سرداروں میں

سے تھے۔“

○ حافظ ابو الخاتم کہتے ہیں۔

”جعفر بن محمد ثقہ لایسال عن مثله“ ۷۹۰

”جعفر بن محمد“ ثقہ ہیں اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں پوچھا نہیں

جاتا۔“

○ الحسن بن علی الوشاء نے کہا ہے :

”ادركت في هذا المسجد (يعني الكوفة) تسعمائه

شيخ كل يقول حدثني جعفر بن محمد“ ۸۰۰

”یعنی میں نے مسجد کوفہ میں نو سو شیوخ کو یہ کہتے سنا کہ ہم سے حدیث

بیان کی جعفر بن محمد علیہما السلام نے۔“

○ عبد الرحمن بن محمد الحنفی ابطای کہتے ہیں :

”جعفر بن محمد از دہم علی بابہ العلماء و اقتبس

من مشکاة انوارہ الاصفیاء و کان یتکلم بغوامض

الاسرار و علوم الحقیقہ و هو ابن سبع سنین“ ۸۱۰

”جعفر بن محمد علیہ السلام کے دروازے پر علماء کا اثر و حام لگا رہتا تھا ان

کے نوری چراغ سے اصفیاء نے اپنے دلوں کی قدیلیں روشن کیں، آپ

سات سال کی عمر ہی میں غوامض اسرار اور علوم حقیقت پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔“

○ امام ادب عربی ابو بحر الجاحظ کہتے ہیں :

”جعفر بن محمد الذی ملأ الدنيا علمه و فقهه
و یقال : ان ابا حنیفہ من تلامذتہ و کذلک سفیان
الثوری و حسبک بہما فی هذا الباب“ ۸۲

”جعفر بن محمد علیہ السلام وہ ہیں جن کے علم و فقہ سے پوری دنیا بھر گئی ابو
حنیفہ اور سفیان ثوری ان کے شاگرد تھے ان دونوں کا شاگرد ہونا
تمہارے لئے اس باب میں کافی ہونا چاہئے۔“

○ علامہ محمد سراج الدین الرفاعی تحریر فرماتے ہیں :

”قد نقل الناس عنه علی اختلاف مذاہبہم و
دیاناتہم ما سارت بہ الرکبان و عداسماء الرواة عنه
فکانوا الربعہ آلاف رجل“ ۸۳

”عوام الناس نے اپنے مذاہب کے باہمی اختلاف اور ادیان کے تفاوت
کے باوجود آپ سے نقل علوم کیا ہے جسے لے کر لوگ پھیل گئے جب
آپ سے روایت کرنے والے علماء کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد چار ہزار
تھی۔“

○ فقہ اسلامی کے جدید مؤرخ علامہ محمد الخضری نے آپ کا تذکرہ کرتے
ہوئے لکھا ہے کہ :

”کان من سادات اهل البيت و لقب بالصادق“

لصدقہ فی مقالته‘ ولدسنہ ثمانین وروی عنہ
مالک بن انس و ابوحنیفہ و کثیرون من علماء
المدینہ“ ۸۴

”آپ اہل بیت کے سرداروں میں سے تھے اور اپنی سچائی کی وجہ سے
صادق کے لقب سے مقرب ہوئے آپ کی پیدائش سن اسی میں ہوئی۔
مالک بن انس‘ ابوحنیفہ نیز مدینہ کے کثیر علماء نے آپ سے روایت کی
ہے۔“

○ مشہور محقق و مفکر ڈاکٹر احمد امین المصری نے ان الفاظ میں آپ کا تذکرہ کیا
ہے :

”واکبر شخصیات ذلک العصر فی التشريع
الشیعی بل ربما كان اکبر الشخصیات فی ذلک
فی العصور المختلفہ الامام جعفر صادق و علی
الجمہلہ فقد کان الامام جعفر من اعظم
الشخصیات فی عصرہ و بعد عصرہ و قدمات فی
العام العاشر من حکم المنصور“ ۸۵

”شریعت شیعہ کی اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت بلکہ یوں کہا جائے
کہ مختلف فرقوں کے اس عہد کی سب سے بڑی شخصیت امام جعفر
صادقؑ کی ہے اور کلی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اپنے عہد اور مابعد
کی عظیم ترین شخصیت تھے آپ کا انتقال منصور کی حکومت کے دسویں
سال ہوا۔“

○ السید محمد صادق نشاۃ جو قاہرہ یونیورسٹی کے کلیہ ادب کے پروفیسر ہیں لکھتے ہیں کہ :

”کان بیت جعفر الصادقؑ کالجامعہ یزدان علی الدوام بالعلماء الکبار فی الحدیث و التفسیر والحکمہ والکلام فکان یحضر مجلس درسہ فی اغلب الاوقات الفان و بعض الاحیان اربعہ آلاف من العلماء المشہورین - و قد الف تلامیذہ من جمیع الاحادیث والدروس التی کانوا یتلقونها فی مجلسہ مجموعہ من الکتب تعد بمشابہ دائرۃ المعارف للمذہب الشیعہ والجعفری“ ۸۶۷

”امام جعفر صادقؑ کا گھریو یونیورسٹی کی طرح تھا جس میں حدیث، تفسیر، حکمت، کلام کے علمائے کبار کا مجمع بڑھتا ہی جاتا تھا اکثر اوقات آپ کی مجلس درس میں دو ہزار اور کبھی کبھی چار ہزار تک مشہور علماء حاضر ہوتے تھے ان کے شاگردوں نے ان تمام احادیث اور دروس سے جن کو انہوں نے امام صادقؑ کی مجلس سے حاصل کیا تھا بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جو مذہب شیعہ یا مذہب جعفری کے انسائیکلو پیڈیا کی مثل ہیں۔“

○ استاذ کبیر اور محقق خیر العلامہ فرید وجدی نے لکھا ہے :

”کان من سادات اہل البیت النوی لقب بالصادق لصلق فی کلامہ“ ۸۷۷

”آپ سادات اہل بیت نبوت میں سے ہیں اور اپنے کلام کی سچائی کی

وجہ سے ”صادق“ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے فضل و علم، زہد و تقویٰ کا اظہار تقریباً ہر بڑے عالم نے اپنی کتاب میں کیا ہے جس کا احصاء کرنے سے ہم عاجز ہیں ہمارے سامنے جو کتابیں سر دست بکھری پڑی ہیں ان میں سے ایک سو سے زائد اقوال ہم پیش کر سکتے ہیں لیکن گنجائش اس کی اجازت نہیں دیتی تاہم اکابرین علماء جدید و قدیم کے اقوال ہم نے یہاں درج کر دیئے ہیں۔ مشے نمونے از خروارے۔ طالب ہدایت کو اسی سے ہدایت مل سکتی ہے۔



عہد امام کے اسلامی فرقے

امام جعفر صادق علیہ السلام کا عہد فکر اسلامی میں جمود کی بجائے تغیر و تبدل اور ارتقاء کا عہد ہے۔ امام کا عہد وہ ہے جب اسلام میں کئی فرقے پیدا ہو چکے تھے اور بہت سے فرقوں کے لئے میدان ہموار ہو رہا تھا فکری راہیں جدا جدا ہو رہی تھیں۔ بنو امیہ کے ظلم و ستم کی ستائی ہوئی رعایا فکری بحثوں میں اپنے ذہنی سکون کا سامان تلاش کر رہی تھی درس و تدریس میں مصروف بیشتر لوگ سیاست سے کنارہ کش ہو رہے تھے لیکن ظلم و ستم کی وجہ سے سیاسی بے چینی بڑھ رہی تھی جس سے قائدہ اٹھا کر بنو عباس، بنو فاطمہ کی آڑ لے کر بنو امیہ کے خلاف تحریک کی جڑیں مضبوط کرتے رہے اس صورت حال کا جائزہ ہم علیحدہ باب میں لیں گے۔ ذیل میں ہم امام علیہ السلام کے عہد میں موجود اسلامی فرقوں کا مختصر سا جائزہ لیں گے۔ ان فرقوں کے سیاسی پس منظر کے لئے دیکھیں مذاہب ابتداعتھا السیاسہ فی الاسلام از علامہ واحدی جو اس موضوع پر بہت ہی تحقیقی کتاب ہے۔

خوارج

یہ فرقہ جنگ صفین کے زمانے میں پیدا ہوا جب امیر شام معاویہ نے حضرت علیؑ سے تحکیم کا مطالبہ کیا تو اربع اسلام شاہد ہیں کہ امیر شام کو یہ حیلہ ابن العاص نے اس وقت سکھایا تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ اب ہمارا لشکر حضرت علیؑ کے لشکر کے سامنے شکست کھانے والا ہے۔ یہ دراصل ایک ترکیب تھی حضرت علیؑ کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے کی جس میں وہ لوگ کامیاب ہو گئے اور حضرت علیؑ کے لشکر میں سے ایک گروہ جس کے دلوں میں ایمان نے ابھی تک جڑیں نہیں پکڑی تھیں

لشکر سے علیحدہ ہو گیا اور انہوں نے کتاب اللہ سے کسی ایک شخص کو حکم بنانے کو قبول نہیں کیا اور دعویٰ کیا کہ ”تحکیم“ خطاء پر مبنی تھی جس کے دونوں حضرات یعنی امیر شام اور حضرت علیؓ مرتکب ہوئے حالانکہ حضرت علیؓ خود تحکیم کے خلاف تھے اور انہیں لوگوں نے انہیں تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ان کے ذہنوں میں یہی اختلاج تھا کہ ان میں سے ایک نے نعرہ لگایا ”لا حکم الا للہ“ یعنی حکم کا حق صرف اللہ کو ہے یہ جملہ جنگل کی آگ کی طرح ان کے درمیان پھیل گیا اور خوارج کا شعار سمجھا جانے لگا۔

بہر حال اس فرقہ کے عناصر ترکیبی مختلف تھے لیکن ان میں مخالفت حضرت علیؓ مشترک تھی انہوں نے حضرت علیؓ پر جرات سے کام لیا ان کے مقام کو نیچا ثابت کرنے لگے اور ان کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جو ان کے شایان شان نہیں تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ علیہ السلام نے ان سے جنگ نہروان لڑی اور انہیں شکست دی لیکن یہ فرقہ بڑھتا اور منظم ہو گیا۔ انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ ان کی دعوت عدل و انصاف اور مساوات کی طرف ہے لیکن انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی تمام مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دے دیا اور بلاد اسلامیہ میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ وہ اپنے عقیدے پر جھگڑ پڑتے اور جو مسلمان ان کے عقیدے کے برخلاف عقیدہ رکھتا اس کا خون بہانا جائز سمجھتے۔

خوارج کی مضحکہ خیز باتوں میں سے یہ ہے کہ وہ مسلمان اور نصرانی کو پاتے تو مسلمان کو قتل کر دیتے اور نصرانی کو چھوڑ دیتے اور کہتے کہ ہمیں نبی اکرمؐ کے ذمہ کا خیال کرنا چاہئے۔ انہوں نے عبد اللہ بن خطاب جیسے مقدس شخص کو جب کہ ان کے گلے میں قرآن لٹکا ہوا تھا قتل کر دیا اور کہا کہ تمہارے گلے میں جو کتاب لٹکی

ہوئی ہے وہ ہمیں تمہارے قتل کا حکم دیتی ہے پس وہ انہیں نہر کے کنارے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور انہیں ذبح کر دیا پھر ان کی زوجہ کا بھی پیٹ چاک کر ڈالا۔ آگے چلے تو ایک نصرانی کا باغ نظر آیا اس سے باغ خریدنے کی کوشش کی تو اس نے کہا میں نے یہ باغ تمہیں بخشا۔ خوارج نے جواب دیا کہ بغیر قیمت دیئے ہم یہ باغ نہیں لے سکتے یہ جائز نہیں ہے۔ نصرانی نے ان سے کہا تم بھی کتنے عجیب لوگ ہو عبد اللہ بن خباب کو تم نے قتل کر دیا وہ اتنے مقدس آدمی تھے اور مجھ سے باغ بلا قیمت قبول نہیں کرتے۔ بعض روایات میں باغ کی بجائے محض کھجور کے درخت کا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ آگے بڑھے تو ایک عالم سے پوچھا کہ حالت احرام میں چھرمارنے کا کفارہ کیا ہے تو انہوں نے حیرت سے کہا عبد اللہ بن خباب کی دیت نہیں پوچھتے چھرمارنے کا کفارہ پوچھتے ہو؟ ۸۸۔

خوارج کے عقائد اور فرقے

یوں تو خوارج کے متعدد فرقے ہیں جو اپنے عقائد کی وجہ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ سارے فرقے دو باتوں پر متفق ہیں۔

(۱) - نظریہ خلافت : خوارج کا نظریہ خلافت یہ ہے کہ خلیفہ صرف صحیح آزادانہ انتخابات کے ذریعے بن سکتا ہے اور جب تک وہ عادل رہے اور کج پن و خطا سے دور رہے وہ خلیفہ رہے گا اور اگر وہ کجی دکھائے تو اسے فوراً معزول کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔

(۲) - یہ کہ ”عمل“ جزو ایمان ہے اور ایمان صرف اعتقاد کو نہیں کہتے پس جو فرائض دین پر عمل نہیں کرتا اور کبائر کا ارتکاب کرتا ہے وہ ان کے نزدیک کافر

ہے۔ وہ عدا اور سہوا یا سوائے نیت سے ارتکاب گناہ میں فرق نہیں کرتے اور ان کے خیال میں اجتہاد اور رائے میں غلطی ضد اسلام ہے لہذا انہوں نے تمام مسلمانوں کے خون کو مباح قرار دے دیا۔ خوارج کا یہ بھی خیال ہے کہ خلیفہ کا قریش سے ہونا ضروری نہیں نہ ہی عرب ہونا ضروری ہے بلکہ غیر قریش کا خلیفہ ہونا افضل ہے تاکہ اسے آسانی سے برطرف کیا جاسکے۔ اس وجہ سے اس فرقے میں غیر عرب اور بیخ لوگوں کی کثرت ہو گئی اور عجیب اعتقادات پیدا ہوئے مثلاً ایک فرقہ ان میں ”میمونیہ“ ہے جو میمون الجردی کے ماننے والے ہیں ان کے نزدیک پوتی، نواسی، بھتیجی اور بھانجی تک سے نکاح جائز ہے۔ ایک فرقہ یزید یہ پیدا ہوا جو یزید بن ایسہ الخارجمی کے ماننے والے ہیں اس کا کہنا ہے کہ اللہ عجم سے ایک شخص کو رسول بنائے گا جس پر کتاب نازل کرے گا اور وہ شریعت محمدی کو منسوخ قرار دے دے گا۔ (نحوذ باللہ من هذه الحفوات)

(۱) ازرق

یہ لوگ نافع بن ازرق کے ماننے والے ہیں جو خوارج کا سب سے بدافقیہ تھا اس نے تمام مسلمانوں کے کفر کا فتویٰ دیا اور کہا کہ سوائے خارجیوں کے اگر کوئی کسی خارجی کو نماز کے لئے بلائے تو نہیں جانا چاہئے نہ ان کا زیچہ کھانا جائز ہے اور نہ نکاح۔ وہ خارجی اور غیر خارجی کے درمیان وراثت کے بھی قائل نہیں ہے۔ غیر خارجیوں کی مثال عرب کے کفار اور بت پرستوں کی ہے ان سے یا اسلام کا مطالبہ کیا جائے گا یا پھر تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ غیر خارجیوں کی زمین دار الحرب ہے اور ان کے بچوں اور عورتوں کا قتل جائز ہے زانی پر رحم کی حد نہیں نافذ کی جاسکتی

کیونکہ اس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ ان کے خیال میں اللہ ایسے شخص کو نبی بنا سکتا ہے جو اپنی نبوت کے بعد کافر ہو جائے یا نبوت سے قبل کافر ہو۔ ۸۹۔

(۲) النجدات العاذریہ

یہ لوگ نجدۃ بن عامر الخنفی کے ماننے والے ہیں انہوں نے بعض امور میں ازاردق سے اختلاف کیا ہے ان کے خیال میں اجتہاد میں خطا کرنے والا معذور ہے اور دین کی حقیقت صرف اللہ اور رسول کی معرفت ہے باقی معاملات میں بندے اس وقت تک معذور ہیں جب تک ان پر حجت نہ قائم ہو جائے ان کے خیال میں جو اجتہاد سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دے وہ بھی معذور ہے۔ مسلمانوں میں سے جو ان کا مخالف ہو اس کا قتل واجب ہے۔ ۹۰۔

(۳) اباضیہ

یہ لوگ عبد اللہ بن اباض التمیمی کے ماننے والے ہیں جس نے مروان الممار کے زمانے میں خروج کیا تھا۔ یہ فرقہ اب تک مراکش اور اردن وغیرہ میں موجود ہے اور غالباً خوارج کا یہ واحد فرقہ ہے جو اب تک موجود ہے وہ اب بھی اپنے پرانے عقیدے پر قائم ہیں کہ تمام مسلمان کافر ہیں انہیں مشرک کی بجائے کافر سمجھتے ہیں لیکن ”کافران نعمت“ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے مخالفین کا خون علانیہ نہیں سری طور پر حرام ہے۔ ان کا علاقہ دار توحید ہے نہ وہ مشرکین ہیں نہ مسوئین بلکہ کافر ہیں ان سے جنگ کی صورت میں صرف گھوڑے اور ہتھیار مال غنیمت ہیں۔ ان حضرات نے شمالی افریقہ میں گردہ بنائے ہیں اور ایک فریق شرقی افریقہ میں زنجبا کے مقام پر بھی رہتا ہے لیکن ان کا اصلی وطن العمان العربیہ (مسقط) کا

علاقہ ہے جہاں سے یہ لوگ مشرقی افریقہ ہجرت کرتے ہیں۔ ان کے تین مزید فرقے ہیں الحفصیہ، الحارثیہ اور یزیدیہ ہیں۔ ۹۱۔

الصفریہ

اس فرقے کے لوگ زیادہ بن الاصفہ کے پیرو تھے اور اپنے افکار و نظریات کے لحاظ سے ازارقہ سے کم درجے پر تھے لیکن دوسروں سے متشدد تھے یہ کہاؤ کا ارتکاب کرنیوالوں کو ازارقہ کی طرح مشرک نہیں سمجھتے تھے بلکہ انکا خیال تھا کہ جن گناہوں کی حد کا ذکر قرآن میں موجود ہے وہ اس نام سے موسوم ہوگا مثلاً زانی اور سارق و سارقہ وغیرہ۔ جن گناہوں کی حد نہیں مقرر کی گئی وہ بیشک کافر ہیں بعض صفریہ کا یہ بھی خیال تھا کہ مرتکب گناہ پر جب تک حد نہ جاری کردی جائے اسوقت تک اسے کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھتے تھے نہ مخالفین کے ملک کو دارالحرب قرار دیتے تھے اور نہ مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کرتے تھے بلکہ صرف سلطانی لشکر سے جنگ کرتے تھے۔ ۹۲۔

العجادرۃ

یہ فرقہ عبدالکریم بن عجد کا پیروکار ہے جو عطیہ بن اسود خفی کے پیروکاروں میں سے تھا یہ فرقہ اپنے معتقدات میں فرقہ نجدات سے بہت قریب ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک جنگ سے جی چرانے والا غارتی اگر دیانت دار ہو تو اسے مناصب تفویض کئے جاسکتے ہیں ہجرت ان کے نزدیک فرض نہ تھی بلکہ سبب فضیلت تھی مخالف کا مال ان کے نزدیک اس وقت تک غنیمت نہیں ہے جب تک وہ مخالف زندہ ہے اور قتل نہیں کر دیا جاتا۔ عجارہ بہت جلد چھوٹے چھوٹے فرقوں میں بٹ

خوارج اور امام بخاری

امام بخاریؒ کا شمار علمائے اسلام کے جلیل ترین افراد میں ہوتا ہے ان کی ”الجامع الصحیح“ کو ایک فرقے کے نزدیک ”اصح الکتاب بعد کتاب الباری“ یعنی قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ امام بخاری کے شارحین نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے خوارج سے احادیث لی ہیں لیکن امام جعفر صادقؒ جیسی شخصیت سے روایت نہیں لی۔ چنانچہ عمران بن حطان سے روایت اس میں موجود ہے جو مسلمہ طور پر خارجی تھا جو مسلمانوں کے خون کو مباح سمجھتے تھے۔ ہم یہاں کسی طویل بحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ مشہور محدث علامہ وحید الزمان کی ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں، جعفر : چھوٹی نہریا بڑا واسع کشادہ۔ امام جعفر صادقؒ مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں ”فی نفسی منہ شئی و مجالد احب الی منہ“ (یعنی میرے دل میں ان کی طرف سے کچھ ہے اور میں ان کی نسبت مجالد کو زیادہ پسند کرتا ہوں) حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہل بیتؑ سے کچھ محبت و اعتقاد نہیں ہے اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی

اور امام جعفر صادقؑ سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔
۹۵۔ امام بخاری نے عمران بن حطان السدوسی کی روایت کتاب اللباس میں عن
یحییٰ بن کثیر نقل کی ہے۔

فرقہ معتزلہ اور اس کی شاخیں

فرقہ معتزلہ وہ فرقہ ہے جو اپنی عقل پسندی یا یوں کہئے کہ محض عقل کو حجت
تسلیم کرنے کی وجہ سے مشہور ہے اس کی ابتداء اور ارتقاء میں اتنی شاخیں اور ان
کے معتقدات موجود ہیں کہ ان کا احصاء یہاں ممکن نہیں اس امر کا اندازہ اس بات
سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ جار اللہ نے تاریخ المعتزلہ قریباً ۶۰۰ صفحات میں
تحریر کی ہے اور یہ بات کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ اس فرقے کے جتنے گہرے
اثرات علم کلام پر پڑے ہیں کسی اور فرقے کے اتنے گہرے اثرات نہیں پڑے۔
ہم یہاں محض چند باتوں کے تذکرے پر اکتفاء کریں گے۔

اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ مسلک بصرے میں وجود میں آیا جب کہ واصل
بن عطاء (المتوفی ۱۳۱ھ) امام حسن البصری کے حلقہ درس سے مرتکب گناہ کبیرہ
کے مسئلے پر اختلاف کرتے ہوئے علیحدہ ہو گیا۔ واصل کا خیال تھا کہ گناہ کبیرہ کا
مرتکب علی الاطلاق مومن کے زمرے میں نہیں بلکہ وہ دونوں منزلوں کے بیچ میں
ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے اور نہ کافر لیکن وہ فاسق ہے اور اس لئے
مستحق جہنم بھی ہے۔

”قال الخياط في كتاب الانتصار : ليس
يستحق احد اسم الاعتزال حتى يجمع القول

بالاصول الخمسه : التوحيد ' والعدل ' والوعد والوعيد ' والمنزله بين المنزلتين ' والامر بالمعروف والنهي عن المنكر ' فانما كملت في الانسان هذه الاصول الخمس فهو معتزلي " ۹۷۔

"خياط نے اپنی کتاب الانتصار میں لکھا ہے کہ جب تک کوئی شخص معتزلہ کے پانچ اصولوں کا قائل نہ ہو اس پر معتزلی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ (۱) توحید (۲) عدل (۳) وعد وعید (۴) ایمان و کفر کی درمیانی منزل (۵) امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ پس جب انسان میں یہ پانچ اصول جمع ہو جائیں تو وہ معتزلی ہے۔"

معتزلہ کے بت سے فرقے ہیں جن کے تفصیلی حالات ہم یہاں لکھنے سے

قاصر ہیں البتہ چند فرقوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ۹۸۔

- (۱) واملیہ - یہ واصل بن عطاء کے ماننے والے ہیں۔
- (۲) الحذیلیہ - یہ اصحاب ابی الحذیل العلاف ہیں۔
- (۳) نظامیہ - نظام ابراہیم بن سیار کے ماننے والے ہیں۔
- (۴) الحائلیہ - یہ احمد بن حائظ کے ماننے والے ہیں۔
- (۵) البشریہ - ان کا لیڈر بشر بن المعتمر ہے۔
- (۶) المعمریہ - معمر بن عباد السلمی کے پیرو ہیں۔
- (۷) الزرداریہ - یہ عیسیٰ کے متبعین ہیں جس کی کنیت ابی موسیٰ اور لقب الزوار تھا۔
- (۸) الشامیہ - ان کا تعلق ثمامہ بن اشرف النمری سے ہے۔

(۹) الحشامیہ - یہ ہشام بن عمرو الفوطی کے ماننے والے ہیں۔

(۱۰) الجاحلیہ - عمر بن بحر الجاحظ ان کا لیڈر تھا۔

(۱۱) الخیاطیہ - یہ ابی الحسن الخیاط کی طرف منسوب ہیں۔

(۱۲) الجبائیہ - ابی علی محمد بن عبد الوہاب کے پیرو ہیں۔

ابن حزم نے معتزلہ کے جو اصول خمسہ بتائے ہیں وہ یہ ہیں (۱) نفی قدر

(۲) عقیدہ خلق قرآن (۳) نفی رویت باری تعالیٰ (۴) المنزلہ بین

المنزلتین (۵) نفی صفات ۹۸۔ یہ بھی اہم نکات تھے جنہیں الخیاط

ابو الحسن اشعری اور مسعودی وغیرہ نے چھوڑ دیا تھا۔ خاص طور پر عقیدہ خلق

قرآن تو ان کا طرہ امتیاز تھا جس کی بنیاد بھی نفی صفات کا نظریہ تھا جس کے معانی یہ

ہیں کہ وہ صفات کو عین ذات نہیں مانتے تھے بلکہ زائد بر ذات مانتے تھے اسی لئے

قرآن کو مخلوق اور حادث تسلیم کرتے تھے۔

اسلامی فرقوں پر لکھی جانے والی کتابوں میں معتزلہ پر تفصیل بحثیں کی گئی ہیں

ان میں سے اہم نکات کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) معتزلہ کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اور قدیم ہونا اس کی سب سے

مخصوص صفت ہے اللہ کی باقی صفات قدیم نہیں حادث ہیں کیونکہ اگر انہیں قدیم

مان لیا جائے تو شرک لازم آئے گا۔

(۲) اس عقیدے پر بھی ان میں اتفاق تھا کہ اللہ کا کلام اس کی مخلوق حادث

ہے اور وہ حروف و آواز سے مرکب ہے۔

(۳) وہ اس بات پر بھی متفق تھے کہ ارادہ، سمع، بصر وغیرہ کے قائم بذاتہ ہونے کے

کوئی معانی نہیں یہ زائد بر ذات ہیں۔

(۴) نیز یہ کہ انسان خود ہی اپنے اچھے اور برے افعال کا خالق ہے اور اسی وجہ سے وہ آخرت میں ثواب و عذاب کا حقدار بھی ہے اور رب اس بات سے منزه ہے کہ اس کی طرف شر اور ظلم کو نسبت دی جائے۔

(۵) یہ کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم سے سوائے خیر و صلاح کے کسی چیز کا صدور محال ہے اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ حکیم مصالح العباد کا خیال رکھے۔

(۶) معتزلہ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ اگر کوئی مؤمن اطاعت الہی اور توبہ پر مرتا ہے تو وہ مستحق ثواب ہے اس سے بڑھ کر اسے عوض اور فضل عطا کیا جائے گا اور اگر وہ گناہان کبیرہ پر توبہ کے بغیر مرتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا لیکن اسے جو عذاب ہو گا وہ کفار سے کم درجے کا ہو گا اس کو عدل اور وعید کہتے ہیں۔

(۷) ان کے نزدیک حسن و قبح عقلی ہیں اچھائی کو اختیار کرنا اور قبح سے رکنا واجب ہے۔

(۸) امامت و خلافت نص سے بھی ثابت ہو سکتی ہے اور اختیاراً بھی۔

اس فرقے نے جہاں اسلام میں عقلی مباحث کی راہ کھولی وہاں اس کی وجہ سے اور اس کے ہاتھں عالم اسلام پر ظلم و ستم بھی بہت ہوئے۔ بنو عباس کے بعض حکام نے ان کا ساتھ دیا جس کی وجہ سے ان کے مخالف بعض اکابر علماء و محدثین پر ظلم و ستم ہوا جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس فرقے نے مخالفین اسلام سے مناظرے کئے اور اسلام پر ان کے حملوں کا رد بھی کیا اس لحاظ سے انہیں تاریخ اسلام میں ایک گونہ تفوق حاصل ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے انہیں اسی بناء پر کافر قرار دینے سے اجتناب کیا ہے بلکہ انہیں کافر قرار

دینے کی تحریک کی مخالفت کی ہے البتہ اس کا اعتراف کیا ہے کہ ان کے بعض عقائد درست نہیں تھے۔

کیونکہ معتزلہ کو علم الکلام میں خصوصی اہمیت حاصل تھی اور دوسری طرف شیعہ حضرات بھی اس میں ماہر تھے لہذا ان دونوں کے درمیان شدید خصومت پائی جاتی تھی۔ اس طرح سے اشاعرہ اور مجسمہ سے بھی ان کی مخالفت بحث کی منزل سے آگے بڑھ کر جدال کی منزل میں پہنچ گئی تھی۔

المرجئہ اور ان کے فرقے

جس طرح سے معتزلہ نے اثبات و عید میں مبالغہ سے کام لیا اسی طرح مرجئہ نے اثبات و وعد میں مبالغہ سے کام لیا اس لحاظ سے یہ لوگ معتزلہ کے بالکل برعکس ہیں ان کے عقائد مختصراً ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) اہل معاصی کے لئے مغفرت اور ثواب ممکن ہے۔
(۲) گناہان کبیرہ کے مرتکب کا فیصلہ قیامت میں ہوگا ہم اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے نہ وہ کافر ہیں اور نہ فاسق۔

(۳) ایمان محض زبان سے اقرار اور تصدیق قلب کا نام ہے۔ عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۴) ایمان کے ساتھ معصیت خداوندی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

(۵) ان میں سے ایک طبقے کا کہنا یہ ہے کہ ایمان محض قلب سے اعتقاد کا نام ہے خواہ وہ زبان سے کفر کا اعلان کرے خواہ بتوں کو پوجے یا یہودیوں اور نصرائیوں کے ساتھ انہیں کی طرح رہے صلیب کی پوجا کرے اور دارالسلام میں تثلیث کا

اعلان کرے اور اس پر مرجائے۔ وہ مؤمن ہے اور اللہ کے نزدیک کامل الایمان ہے وہ اللہ کا ولی ہے اور اہل جنت میں سے ہے۔ ۹۹۔

یہ فرقہ دراصل سیاسی فرقہ تھا علمی فرقہ نہیں تھا ایک تو یہ کہ یہ خوارج کی ضد میں وجود میں آیا جو جمع مسلمین کا خون حلال سمجھتے تھے اور مرتکب کبیرہ کو فاسق اور اس کا خون حلال سمجھتے تھے جب کہ مرجہ نے ہر قسم کے ظلم و تعدی، ارتکاب معصیت کبیرہ و صغیرہ پر ثواب اور مغفرت قرار دے ڈالی تھی تاکہ خوارج کے مقابلے میں ان کا زور بڑھ جائے۔ دوسرے یہ کہ حکام وقت کے لئے یہ فرقہ بڑا سود مند تھا کیونکہ ان کے عقائد کی رو سے حاکم وقت یا عام آدمی کچھ بھی کرتا رہے وہ مؤمن و مسلم رہتا ہے لہذا مسلمان بادشاہ کے خلاف کوئی تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ اس طرح یہ فرقہ ”اعوان امراء“ پر مشتمل تھا اور ان ہی کے لئے فائدہ مند بھی تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ملوکیت کو جس قدر فائدہ اس فرقے نے پہنچایا کسی دوسرے فرقے نے نہیں پہنچایا۔ مرجہ کے پانچ فرقے قابل ذکر ہیں۔

(۱) الیونیه - اصحاب یونس النمیوی۔

(۲) العبیلیدہ - اصحاب عبید بن مران الکوفی۔

(۳) الغسانیہ - اصحاب غسان الکوفی یہ اور شخص ہے غسان بن آبان محدث

دوسری شخصیت ہیں یہ یمنی تھے مرجہ کا سردار غسان کوفی تھا بعض نے مغالطے سے غسان محدث کو غسان کوفی سمجھ لیا ہے۔

(۴) الثوبانیہ - اصحاب ابی ثوبان المرجبی۔

(۵) التومنیہ - اصحاب ابی معاذ التومنی۔

بعض علماء نے امام ابو حنیفہ کو مرجہ میں شمار کیا ہے یہاں ہم مختصراً اس امر کا

جائزہ لیتے ہیں۔

کیا امام ابو حنیفہ مرجئی تھے؟

امام ابو حنیفہ واقعی مرجئ سے تعلق رکھتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی جن کو امام صاحب سے اس قدر عقیدت تھی کہ انہوں نے اپنا نام ہی ان کے نام پر رکھ لیا تھا اور اپنے کو نعمانی لکھنے لگے تھے امام ابو حنیفہ کی سیرت میں لکھتے ہیں : محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں معمر بن کدام کے تذکرے میں لکھا ہے مرجئ ہونا بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر متواخذہ نہیں کرنا چاہئے یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا۔ ۱۰۰

امام ابو حنیفہ کے بہت سے سیرت نگاروں نے آپ کو مرجئ میں سے لکھا ہے۔ غسان کوئی جس کی طرف مرجئ کا فرقہ غسانیہ منسوب ہے کہتا ہے امام ابو حنیفہ ہم میں سے تھے کیونکہ ابو حنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ ایمان محض زبان سے اقرار کا نام ہے اور یہ کہ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔

وکیع کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو کہتے سنا : ہم مؤمن ہیں اور اہل قبلہ ہمارے نزدیک نکاح، موارث، نماز اور اقرار کے اعتبار سے مؤمن ہیں۔ ہم گناہ بھی کرتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ اللہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔ وکیع کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کا کہنا یہ ہے کہ : جو سفیان کے عقائد کا قائل ہو وہ ہمارے نزدیک حالت شک میں ہے ہم مؤمن ہیں اور اللہ کے نزدیک بھی ہمارا مؤمن ہونا حق ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ ہم سفیان ثوری کے قول پر ہیں اور ابو حنیفہ کا قول ہمارے نزدیک جرات ہے۔

ابو حنیفہ یہ بھی کہتے تھے کہ عمل جزو ایمان نہیں ہے اس بات میں علماء و

محدثین کی کثیر تعداد نے ان کی مخالفت کی جن کا نظریہ یہ تھا کہ عمل جزو ایمان ہے اور ایمان میں کمی و زیادتی اسی کا اثر ہے جب کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا اور اہل السماء و اہل الارض کا ایمان ایک درجہ پر ہے جیسا کہ ان سے منقول ایک روایت میں ہے۔

”ایمان اہل الارض و اہل السموات واحد و ایمان الاولین و الاخرین و الانبیاء واحد لاناکلنا آمنة باللہ واحدہ و صدقناہ و الفرائض کثیرة مختلفہ و کذا الکفر واحد و صفات الکفار کثیرة و کلنا امنابما آمن بہ الرسل“ ۱۰۷

”اہل سموات و اہل ارض کا ایمان ایک ہے ایمان اولین و آخرین اور ایمان انبیاء بھی ایک ہے کیونکہ ہم سب اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تصدیق کی ہے جب کہ فرائض مختلف اور کثیر تعداد میں ہیں جس طرح کفر ایک ہے اور کفار کی صفات بہت ہیں ہم سب بھی اسی پر ایمان لائے ہیں جن پر رسول ایمان لائے تھے۔“

خطیب بغدادی نے اس سلسلے میں ایک اور روایت تاریخ بغداد میں نقل کی

ہے وہ یہ ہے :

”ویروی عنہ غیر ہذا“ کما حدث ابو اسحاق الفزاری انہ سمع ابا حنیفہ یقول : ایمان ابی بکر الصدیق و ایمان ابلیس واحد قال ابلیس : یارب وقال ابو بکر : یارب۔۔۔ وقال ابو اسحاق : وکان

من المرجئ ثم لم يقل هذا انكسر عليه قول
وكذلك يحكى عنه فى مساواة ايمان آدم و ايمان
ابليس "۱۰۲"

"اس کے علاوہ بھی ان سی بعض باتیں روایت کی گئی ہیں جیسا کہ
ابو اسحاق الفراءى کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو بکرؓ
اور ابلیس کا ایمان ایک ہے ابلیس نے کہا اے رب، ابو بکر نے کہا اے
رب۔۔۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ وہ مرجئ میں سے تھے پھر یہ قول اپنا کسی
سے بیان نہیں کرتے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے ان پر سخت گرفت ہوئی
اسی طرح ان سے ایمان آدم و ایمان ابلیس کی مساوات کا قول بھی بیان
کیا گیا ہے۔"

بعض علماء نے فقہ اکبر کے حوالے دے کر امام صاحب کی مرجئ کی طرف
نسبت کو غلط ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ کتاب امام ابو حنیفہ کی نہیں ہے۔ ۱۰۳

الجبرية والمفوضة

جبر کے معانی حقیقتاً بندے سے اس کے افعال کی نفی کرنا ہے اور ان کی
نسبت اللہ کی طرف دینا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بندے اپنے اچھے اور برے
افعال میں مجبور ہیں نہ وہ کوئی اچھائی اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور نہ کوئی برائی یا
گناہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں بلکہ یہ سارے کام بندوں سے اللہ تعالیٰ مجبور
کرواتا ہے۔ اس مذہب کی رو سے انسان کو کسب، ارادہ، اختیار اور تصرف اور
اللہ نے عقل جیسی نعمت جو دی ہے اس کے استعمال سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اس فرقے کی مخالفت میں ایک اور فرقہ وجود میں آیا ہے جسے ”مفوضہ“ کے نام سے جانا جاتا ہے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بندے ہی سب سیاہ و سفید کے مالک ہیں وہی اپنے افعال حسنہ و قبیحہ کے خالق ہیں اللہ کو کوئی اختیار و قدرت حاصل نہیں۔ جبریت کا کہنا تھا کہ اللہ انسان کو معاصی پر مجبور کرتا ہے مفوضہ نے اس کی نفی کی اور کہا کہ اللہ کسی کو اچھے کام کرنے یا برے کام کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ بندوں کو اس سلسلے میں اختیار ہے۔ تفصیل کے لئے وہی کتابیں دیکھئے جن کا ذکر پیچھے گزرا۔

شیعہ فرقے اور ان کی حقیقت

اگر ہم اسلامی فرقوں پر لکھی جانے والی کتابوں پر نظر کریں تو ان میں ہمیں بہت سے شیعہ فرقے نظر آئیں گے یہ فرقے وہ ہیں جن کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں سوائے بعض کے مثلاً زیدیہ، اسماعیلیہ، افطہ اور واقفہ وغیرہ جنہیں انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے جب کہ ان کتابوں میں ہم تعصب اور عناد کی وجہ سے اکثر فرقوں کو شیعوں کی طرف منسوب پاتے ہیں۔ مثلاً شیعہ فرقوں میں ہشامیہ کا ذکر آتا ہے پھر لکھتے ہیں کہ یہ دو فرقے تھے ایک ہشام بن سالم کی طرف اور دوسرا ہشام بن الحکم کی طرف منسوب ہے۔ ایک فرقہ زرارہ ہے جس کو زرارہ بن امین کی طرف منسوب بتاتے ہیں، ایک شیطانیہ فرقہ ہے جو محمد بن النعمان کی طرف منسوب ہے جسے شیعہ فرقہ مؤمن طاق اور یہ متعصبین شیطان الطاق کہتے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار خیالی اور فرضی فرقے انہوں نے گڑھ کر شیعہ فرقوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں حالانکہ ان اصحاب وائمہ نے ہمیشہ شیعیت کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کیا اور غیروں سے مناظرے کئے ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ

ڈاکٹر احمد امین مصری نے اپنی کتاب نظر الاسلام میں قرامطہ اور زنج کو بھی شیعہ فرقوں میں شامل کر لیا ہے حالانکہ ان جیسے فاضل آدمی کو چاہئے تھا کہ تحقیق کرتے لیکن ایسا یا تو انہوں نے تعصب سے کیا یا جہالت سے۔
ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

ان یسمعو الخیر اخفوه وان علموا
شرا اذا عوا و ان لم یعلموا کنبوا
”اگر یہ لوگ اچھائی سنتے ہیں تو چھپا جاتے ہیں اور اگر برائی کے متعلق معلوم ہوتا ہے تو اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر علم ہی نہ ہو تو جھوٹ کہتے ہیں۔“

بہر حال جو بڑے بڑے فرقے امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات تک پیدا ہو چکے تھے شیعہ مسلک کے حوالے سے ان کا تذکرہ ہم یہاں مختصراً کریں گے۔ ان افتراء پردازوں کی حقیقت کے لئے ملاحظہ فرمائیں (اعیان الشیعہ ج ۱ علامہ محسن الامین)

فرقہ زیدیہ

یہ فرقہ جناب زید بن علی بن الحسین ابن ابی طالب (علیہم السلام) کی طرف منسوب ہے۔ جناب زید رشتے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے چچا تھے اور روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام اپنے چچا کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ فرقہ زیدیہ کے حوالے سے دو پہلو سب سے اہم ہیں ایک تو یہ کہ جناب زید نے جو بنی امیہ کے خلاف خروج کیا تھا اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور امام

جعفر صادقؑ کا اس کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟ دوسرے یہ کہ زید یہ کے معتقدات خواہ وہ امام زید سے براہ راست ثابت ہوں یا نہ ہوں کیا تھے؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے ہم اس کے حوالے سے سیاسی حالات کے باب میں گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم دوسرے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) زید یہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا حق ہے پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا پھر امامت دونوں بھائیوں کی اولادوں میں چل سکتی ہے۔ ۱۰۴۔ وہ امامیہ فرقے کی طرح اسے اولاد امام حسینؑ میں منحصر نہیں قرار دیتے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام کی بیٹیوں کی اولاد میں امامت درست نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کی اولاد کو علم، ورع، تقویٰ، بصیرت اور تدبیر میں امتیاز حاصل ہے۔ ۱۰۵۔

(۲) جناب زید بن علی بن الحسین علیہم السلام امام ہیں کیونکہ انہوں نے تلوار کے ساتھ خروج کیا۔ ناجی حسن نے لکھا ہے :

”وعلیٰ ہذا فان الزیدیہ اعتقدت بامامہ زید بن علی
لانه خرج بالسيف وهو مستكمل لصفات
الامام“ ۱۰۶۔

”اسی لئے زید یہ کا عقیدہ ہے کہ زید بن علی امام ہیں کیونکہ انہوں نے تلوار کے ساتھ خروج کیا جو امام کی صفات پوری ہونے کے لئے ایک شرط ہے۔“

(۳) ابن ندیم کے بقول زید یہ کے نزدیک امام کے شرائط یہ ہیں :

”وہو ان یکون بالغاً عاقلاً ذکراً حياً مسلماً“

عدلاً، مجتہداً، تقیاً، سخیاً، یضع الحقوق فی مواضعها، سائساً، مستقلاً، بتدبیر الرعیۃ، اکثر رایہ الاصابہ، شجاعاً، مقدماً، سلیم السمع والبصر"۔ ۱۰۷

"کہ وہ بالغ ہو، عاقل ہو، مرد ہو، زندہ ہو، مسلمان ہو، عادل ہو، مجتہد ہو، متقی ہو، سخی ہو، ہر ایک کے حقوق ادا کرے، سیاست دان ہو، مستقل مزاج ہو، رعیت کی تدبیر کے بارے میں اس کی اکثر رائے درست ہو، وہ شجاع ہو، اقدام کرنے والا اور صحیح سن اور دیکھ سکتا ہو۔"

(۴) شجاعت اور تلوار اٹھانے کی شرط سب سے اہم ہے اور دیگر شروط پر فوقیت بھی رکھتی ہے :

"لکن شرط الشجاعۃ و حمل السیف، یفوق جمیع الشروط والمتقلّمہ و ہذا ما یُمیز الزیدیہ عن الامامیہ"۔ ۱۰۸

"لیکن شرط شجاعت اور تلوار اٹھانے کی شرط تمام گزشتہ شرائط پر فوقیت رکھتی ہے یہی چیز ہے جو زیدیہ کو امامیہ فرقے سے ممتاز کرتی ہے۔"

(۵) امام زید کے نزدیک آنحضرتؐ کی حدیث "الائمہ من قریش" یعنی امام قریش سے ہوں گے میں "من" کی لفظ تبعیض کے لئے ہے عموم کے لئے نہیں یعنی قریش میں سے چند امام ہونگے اور اس سے مراد اولاد امام حسن و امام حسین علیہما السلام ہے۔ ۱۰۹

(۶) زیدیہ کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت جائز ہے چنانچہ

جاہل نے لکھا ہے کہ فضل کی چار قسمیں ہیں (۱) اسلام میں پہل کرنا۔ (۲) زہد دنیا۔ (۳) دین کی فہم کیونکہ لوگ اپنے دنیاوی مصالح کو خوب سمجھتے ہیں اور (۴) تلوار لے کر ٹکنا یعنی جنگ کرنا پس جس میں یہ چار صفات پائی جائیں اسے دوسروں پر فضیلت دینا واجب ہے۔ ۱۱۰

(۷) زید یہ کے نزدیک حضرت ابو بکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت درست تھی۔ ۱۱۱

(۸) وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس امت کے وہ افراد جو کبار کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں فاسق کہا جانا چاہئے وہ نہ مؤمن ہیں نہ کافر بلکہ بیچ کی منزل میں ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو حالت فسق میں مرجائے اور اپنے کئے پر اصرار بھی کرتا ہو تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ۱۱۲

(۹) زید یہ کے نزدیک سب سے اہم چیز جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں تلوار کا استعمال اور جہاد ہے جس کی تائید زیدی نصوص سے ہوتی ہے :

”فالامام یجب ان یکون شجاعا مقداما شاعرا
سیفہ“۔ ۱۱۳

”امام کے لئے واجب ہے کہ وہ شجاع ہو اقدام کرنے والا اور تلوار کو ظاہر کرنے والا ہو۔“

”وقالوا ان قتال اهل البغی واجب ان کان عددا صحابہ
ثلاث مائة وبضعه عشر کعدة اهل البدر“۔ ۱۱۴

”وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بغی (یعنی اسلام پر عمل نہ کرنے والوں اور بغاوت کرنے والوں) سے قتال واجب ہے خواہ اس کے حامی تین سو کچھ

ہوں جو اہل بدر کی تعداد تھی۔“

”ولذلك كل من ادعى الامامه وهو قاعد في بيته
مرحى عليه ستره لا يجوز اتباعه ولا يجوز القول
بامامته“ ۱۱۵

”اسی لئے زید کے نزدیک جو امامت کا دعویٰ کرے لیکن پردہ ڈالے گھر
میں بیٹھا رہے نہ اس کی اتباع جائز ہے اور نہ ہی اس کو امام ماننا جائز
ہے۔“

”فاستعمال السيف في رأي الزيديه امر واجب اذا
ما لم يكن به از الماهل البغي واقامه الحق“ ۱۱۶
”پس زید کے رائے میں تلوار کا استعمال امر واجب ہے اگر اس کے بغیر
بغاوت کا خاتمہ اور حق کا قیام ممکن نہ ہو۔“

امام جعفر صادقؑ کی کوششیں

ہم نے اوپر جن فرقوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے عقائد بیان کئے ہیں
اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ امام جعفر صادقؑ کی وفات تک محض یہی چند فرقے
وجود میں آئے تھے اور بس یہی تھوڑے سے عقائد پر بحثیں چل نکلی تھیں بلکہ
حقیقت یہ ہے کہ ہم نے چھوٹے چھوٹے فرقوں کے عقائد کو طوالت کے خوف
سے نظر انداز کر دیا ہے اسی طرح جن بڑے فرقوں کا ذکر کیا ہے ان کے بھی تمام
عقائد بیان نہیں کئے ہیں بلکہ اس ”فکری دنگل“ کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش
کی ہے جو خون کے میدان میں لڑی جا رہی تھی۔ اس باہمی آویزش سے مسلمانوں

کو نکالنے اور عقائد صحیحہ کی تبلیغ کی خاطر امام جعفر صادقؑ نے جو کوششیں کیں وہ لائق التفات ہیں۔ ان کوششوں کو ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

مدرسہ جعفریہ کا قیام

ائمہ علیہم السلام کی یوں تو پوری تاریخ تبلیغ دین سے بھری پڑی ہے لیکن ہم تاریخی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ علوم اہل بیت علیہم السلام کو پھیلانے اور پروان چڑھانے کا جتنا موقع امام محمد باقرؑ اور ان کے فرزند امام جعفر صادقؑ کو ملا کسی کو نہیں ملا یہاں تک کہ امام جعفر صادقؑ سے مروی احادیث کی تعداد تو اس قدر ہے کہ اسے بجائے فقہ شیعہ کے فقہ جعفریہ ہی کہا جاتا ہے۔

اسلامی فرقوں کی باہمی آویزش اور حکومت وقت کا بعض فرقوں کا ساتھ دینا اور بعض کی مخالفت کرنا عالم اسلامی میں خاصی بے چینی پیدا کر چکا تھا لوگ ذرا ذرا سی بات پر فرقے بنا بیٹھتے تھے۔ تلاش حق کی بجائے فرقہ سازی کا جنون ہر طرف زور پکڑ گیا تھا جو بالا خرا اسلام کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوا اور اگر امام جعفر صادق علیہ السلام علوم اہل بیت کو نشر نہ کرتے تو حالت اور بھی دگرگوں ہوتی۔ آپ نے فوراً مسند ارشاد سنبھالی اور طالبان حق کو درس دینے میں مشغول ہو گئے اس کے بعد آپ کے یہ شاگرد مختلف بلاد اسلامیہ میں پھیلے اور انہوں نے تبلیغ حق کا فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مدرسہ جعفریہ کا قیام اس دور ابتلاء میں روشنی کا جگمگاتا ہوا چراغ تھا۔ علمائے کرام نے اس مدرسہ کے متعلق لکھا ہے کہ :

”لقد تواتر النقل علی ان الرواة عن ابی عبد اللہ الصادق علیہ السلام بلغوا الربعہ آلاف“۔ ۷۱

”یہ روایت تو اتر تک پہنچی ہوئی ہے کہ امام صادقؑ سے روایت کرنے والے علماء کی تعداد چار ہزار تھی۔“

علامہ طبری کہتے ہیں :

”ان اصحاب الحديث قد جمعوا السامی الرواة عنه من الثقات علی اختلافهم فی المقالات كانوا اربعة الاف رجل“ ۱۸

”علماء حدیث نے آپ کے روایت کرنے والے ان ثقہ راویوں کے نام جمع کئے جن کے عقائد مختلف تھے تو وہ چار ہزار افراد تھے۔“

السید محسن الامین کہتے ہیں :

”فقد جمع الحافظ ابن عقدة الزیدی اسماء الرواة عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فكانوا اربعة آلاف و جاء ابن الغضائری فاستدرک علی ابن عقدة فزاد علیهم“ ۱۹

”حافظ ابن عقدہ الزیدی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرنے والوں کے نام جمع کئے تو وہ چار ہزار علماء تھے بعد میں ابن الغضائری نے ابن عقدہ کے چھوڑے ہوئے ناموں کو بھی جمع کر کے اس میں اضافہ کیا۔“

شیخ مفیدؒ نے لکھا ہے کہ۔

”ان اصحاب الحديث قد جمعوا الرواة عن الصادق من الثقات علی اختلافهم فی الاراء و المقالات

فكانوا اربعة آلاف“ ۱۲۰۔

”علمائے حدیث نے امام صادقؑ کے ان راویوں کے نام جمع کئے جو ثقہ ہیں باوجودیکہ ان کے آراء و عقائد میں اختلاف تھا تو ان کی تعداد چار ہزار تھی۔“

یہی بات الشیخ محمد بن علی الفثال نے کہی ہے اور السید علی بن عبد الحمید النیلی نے کتاب الانوار میں کہی ہے۔ ۱۲۱۔

”وقال المحقق فی المعتبر فی جملہ کلامہ عن الصادق : فانه انتشر عنه من العلوم الجملہ ما بهر به العقول و روى عنه جماعه من الرجال ما يقارب اربعة آلاف رجل“ ۱۲۲۔

”علامہ محقق نے معتبر میں امام صادقؑ کے کلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا : آپ سے اس قدر علوم پھیلے کہ عقلیں روشن ہو گئیں اور جن لوگوں نے آپ سے روایت کی انکی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔“

”وقال الشهيد فی الذکری : ان ابا عبد الله جعفر بن محمد الصادق کتب من اجوبه مسائله اربعمائہ مصنف لاربعمائہ مصنف و دون من رجاله المعروفین اربعة آلاف رجل من اهل العراق و الشام والجهاد“ ۱۲۳۔

”شہید نے ذکر کی میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے چار ہزار مصنفین کے لئے چار ہزار رسالے تحریر فرمائے اور ان کے

شاگردوں میں سے چار ہزار افراد نے جن کا تعلق عراق، شام اور حجاز سے تھا انہیں مدون کیا۔“

”وقال الشيخ حسين والد العلامة البهبهاني في ذكر الصادق : ودون العمامه والخاصه ممن تبرز

بعلمه من العلماء والفقهاء اربعة آلاف“ ۱۳۲

”علامہ بھبھانی کے والد شیخ حسین امام صادقؑ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں

کہ شیعہ و سنی علماء و فقہاء میں سے جو لوگ آپ کے شاگردوں میں سے

ممتاز ہوئے اور کتابیں تصنیف کیں ان کی تعداد چار ہزار ہے۔“

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے شاگردوں نے اور خود آپ نے بھی

دوسرے مقامات پر بھی مدارس قائم کئے تھے الحسن بن علی الوشاء کا بیان ہے کہ :

”ادركت في هذا المسجد‘ يعني مسجد الكوفة‘

تسعمائه شيخ‘ كل يقول : حدثني جعفر بن

محمد ۱۳۵ علما بانہ کان يسير اليها قسرا و يقيم

فيها تحت مراقبه شديدة من قبل الدولة“

”میں نے اس مسجد کوفہ میں نو سو شیوخ کو دیکھا جو سب کے سب کہہ

رہے تھے کہ ہم سے حدیث بیان کی جعفر بن محمد نے۔ لگتا ایسا ہے کہ

آپ مدینہ سے زبردستی یہاں لائے جاتے تھے اور حکومت کی طرف سے

شدید پیرے میں رہتے تھے۔“

ان بیانات سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ علمائے اسلام کے نزدیک امام جعفر

صادق علیہ السلام کا حلقہ درس بہت بڑا تھا اور آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جن میں سے ۴ ہزار تو صرف وہ ہیں جنہیں شیعہ اور غیر شیعہ دونوں علماء نے ثقہ قرار دیا ہے یہاں مختلف فیہ حضرات کا ذکر نہیں جنہیں بعض متعصبین نے ترک کر دیا ہے۔ آپ کے ان چار ہزار ثقہ اصحاب میں بڑے بڑے نام آتے ہیں جن میں ائمہ مذاہب بھی شامل ہیں مثلاً ابو حنیفہ، مالک بن انس، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وغیرہ اور ایسے حضرات بھی جن سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کی ہے ان میں سے چند کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہ

آپ کا نام نعمان تھا کنیت ابو حنیفہ تھی اہل سنت میں امام اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ خطیب بغدادی اور مؤرخ ابن خلکان نے امام ابو حنیفہ کے پوتے اسماعیل کی زبانی بیان کیا ہے کہ ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا۔ ہم لوگ فارسی نسل کے ہیں ہمارے دادا امام ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ نے ان کے اور خاندان کے لئے دعا کی تھی ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں ہوئی ۱۷۷ھ سن پیداؤں کو ۷۷ھ میں بتایا گیا ہے ۱۷۸ھ لیکن پہلا ہی صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے اس بات کو سوائے ابن تیمیہ کے سب نے تسلیم کیا ہے۔ مفتی عزیز الرحمن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ : فقہ میں اگرچہ آپ امام حماد ہی کے تربیت یافتہ تھے لیکن آپ نے دوسروں نے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً امام جعفر صادقؑ۔ ان کے بارے میں ارشاد

فرماتے ہیں ”وما رایت افقہ من جعفر بن محمد الصادق“ (یعنی میں نے امام جعفر صادقؑ سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔ امام جعفر صادقؑ اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں اپنے زمانے میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے۔ صحاح ستہ میں متعدد روایات ان سے منقول ہیں۔ ۱۲۹۔ علامہ شبلی نعمانی امام محمد باقر علیہ السلام سے امام ابو حنیفہ کے تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چٹائی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے۔ ”وصاحب البیت ادری بما فیہا“۔ ۱۳۰ (یعنی گھر والا زیادہ جانتا ہے کہ گھر میں کیا ہے؟)

ہم اس بحث کو دل نہیں دینا چاہتے کیونکہ یہ ایک امر مسلم ہے کہ آپ کے تلامذہ میں ابو حنیفہ کا شمار ہوتا ہے۔ اس پر مزید گفتگو ہم بعد میں نفی باب میں کریں گے۔

۲) مالک بن انس

الموتی ۷۹ھ آپ مالکی مذہب کے امام ہیں آپ کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے خاص تعلق تھا۔ آپ نے امام صادقؑ سے روایت حدیث بھی کی ہے اور آپ کا یہ قول مشہور ہے ”مارات عین افضل من جعفر بن

محمدؐ یعنی آنکھ نے امام جعفر بن محمد الصادق سے افضل نہیں دیکھا۔

(۳) سفیان الثوری

المتوفی سن ۲۵۱ھ ان کا شمار مذاہب کے رئیسوں میں ہوتا ہے حافظ حدیث تھے ائمہ میں شمار ہے۔ آپ کا مذہب چوتھی صدی ہجری کے بعد تک قائم رہا۔ سفیان ثوری کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے خصوصی تعلق تھا ان سے احادیث کے علاوہ امام صادقؑ کی سیرت کے واقعات اور اخلاق و مواعظ بھی منقول ہیں۔

(۴) سفیان بن عیینہ

المتوفی سن ۱۹۸ھ یہ حجون میں مدفون ہیں ابتدائی مذاہب کے رئیسوں میں ہیں۔

(۵) شعبہ بن الحجاج بن الورد العتکی

المتوفی سن ۲۶۰ھ ان کی احادیث اصحاب صحاح ستہ اور سنن نے روایت کی ہیں آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد کثیر ہے۔ امام شافعی کا آپ کے بارے میں قول ہے کہ ”لو لا شعبہ لما عرف الحدیث بالعراق“ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق والوں کو حدیث کی معرفت ہی نہ ہوتی اور امام احمد کہتے ہیں : ”شعبہ امہ واحدة“ شعبہ خود ایک امت ہیں۔

(۶) فضیل بن عیاض بن سعد بن بشیر التمیمی الیربوعی

المتوفی سن ۱۸۷ھ یہ بھی امام صادقؑ کے شاگرد ہیں جزری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ائمہ حدیث و سنت میں سے ہیں ان سے اعمش، سلیمان التمیمی،

ابن المبارک، ابن القفان اور احمد بن المقدام اور خلق کثیر نے روایت کی ہے۔
امام نسائی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بخاری، ترمذی، مسلم اور نسائی نے ان کی
حدیث روایت کی ہے۔

(۷) حاتم بن اسماعیل

المتوفی سن ۱۸۰ھ یہ کوئی ہیں بخاری، مسلم اور ترمذی کے علاوہ بھی ایک
جماعت نے ان سے روایت کی ہے اور انہیں حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے۔ انہوں
نے امام جعفر صادقؑ سے اخذ علوم کیا اور ان سے خلق کثیر نے فائدہ اٹھایا ان میں
اسحاق اور یحییٰ ابن معین وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۳۱

(۸) حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک ابو عمرو الکوفی

المتوفی سن ۱۹۳ھ انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے اور ان سے امام
احمد، اسحاق، ابو نعیم، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، عفان بن مسلم اور کوفہ کے عام
علماء نے روایت کی ہے۔ بغداد کے قاضی مقرر ہوئے پھر معزول کر دیئے گئے بعد
ازاں کوفہ کے قاضی بنائے گئے آپ کو کثرت سے احادیث مکمل طور پر پوری طرح
یاد تھیں۔ مشائخ نے آپ سے ۳ یا ۴ ہزار حدیثیں روایت کی ہیں ایک جماعت
آپ سے راوی ہے۔ ۱۴۲

(۹) زہیر بن محمد التمیمی ابو المنذر الخراسانی

المتوفی سن ۲۲۲ھ انہوں نے امام صادقؑ سے اخذ کیا اور ان سے امام ابو داؤد
اللیلیٰ نے نیز روح بن عبادہ، ابو عامر العقدی، عبد الرحمن بن ممدی، الولید بن

مسلم، یحییٰ بن بکیر اور ابو عاصم وغیرہ نے اخذ کیا۔ امام احمد، یحییٰ اور عثمان الدارمی نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے آپ صحاح کے راویوں میں سے ہیں۔

(۱۰) اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری

المتوفی بغداد سن ۱۸۰ھ ان سے محمد بن جعفر و یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری، ابو ربیع الزہرانی، ابو معمر الہذلی وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ اسماعیل بن جعفر انصاری ثقہ ہیں۔ اہل مدینہ سے ہیں لیکن بعد میں بغداد چلے گئے تھے اور مرتے وقت تک وہیں رہے۔ ان سے بخاری، مسلم، اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ ۱۳۳

(۱۱) ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ابو اسحاق المدنی

المتوفی سن ۱۹۱ھ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں ان کی ایک مہربان کتاب حلال و حرام پر ہے اس کا ذکر شیخ طوسی نے الفہرست میں کیا ہے۔ ان سے روایت نے والوں میں ابراہیم بن عثمان اور اشوری ہیں اور ابن جریر، الشافعی، سعید بن ابی مریم، ابو نعیم اور بہت سے دوسروں نے ان سے روایت کی ہے انہیں امام شافعی کے اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہے ان کی کتابیں شافعی سے زیادہ ہیں۔ ۱۳۴

(۱۲) نحاق بن مخلد ابو عاصم النبیل البصری

المتوفی سن ۱۲۲ھ والمتوفی سن ۲۱۴۔ امام صادقؑ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بخاری، احمد بن حنبل، ابن المدینی، اسحاق بن راہویہ روایت کرتے ہیں ابن شیبہ کہتے ہیں قسم بخدا میں نے ان کا مثل نہ دیکھا۔

(۱۳) محمد بن فلج بن سلیمان المدنی

المتوفی سن ۷۷ھ۔ ان سے بخاری، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

(۱۴) عبد الوہاب بن عبد المجید بن الصلت

المتوفی سن ۱۹۳ھ۔ ان سے محمد بن ادریس شافعی نے روایت کی ہے نیز امام احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین و ابن المدینی وغیرہ نے بھی۔ منصور دوانیقی کے عہد میں بغداد گئے اور وہاں اسے حدیث سنائیں ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ عبد الوہاب کی آمدنی سالانہ ۲ لاکھ چالیس ہزار تھی جسے وہ اصحاب حدیث پر صرف کرتے۔ مسلم اور بخاری نے ان سے روایات لی ہیں۔

(۱۵) عثمان بن فرقہ العطار ابو معاویہ البصری

بخاری نے اپنی صحیح اور ترمذی نے جامع الصحیح میں ان سے روایت لی ہے۔ ان سے ابن عساکر، ابن المثنیٰ، زید بن احزم نے بھی روایت کی ہے اور ابن حاتم کہتے ہیں کہ وہ مستقیم الحدیث تھے۔

(۱۶) عبد العزیز بن عمران بن عبد العزیز الزہری بن ابی ثابت الاعرج المدنی

المتوفی سن ۱۹۷ھ۔ ان سے ترمذی نے روایت کی ہے۔

(۱۷) عبد اللہ بن دکین الکوفی

کتاب الادب المفرد میں امام بخاری نے ان سے روایت لی ہے۔ امام احمد نے

انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے یحییٰ الوصاحی و موسیٰ بن اسماعیل نے روایت کی ہے۔

(۱۸) زید بن عطاء بن سائب

ان سے اسرائیل و جریر بن عبد الحمید نے روایت کی ہے۔ ابو حاتم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ترمذی و نسائی نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

(۱۹) مصعب بن سلام التمیمی الکوفی

ان سے امام احمد و ابو سعید الاشج نے روایت کی ہے۔ ان سے ترمذی نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں ان سے روایت لینے میں حرج نہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں وہ شیخ ہیں اور سچے ہیں۔

(۲۰) بشیر بن میمون الخراسانی

المتوفی سن ۱۸۳ھ۔ ان سے احمد بن عاصم الخراسانی نے روایت کی ہے۔ یہ بغداد گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے روایات لیں۔ ابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے۔

(۲۱) ابراہیم بن سعد الزہری

المتوفی سن ۱۸۳ھ۔ یہ اکابرین میں سے ہیں صحاح میں ان سے روایات موجود ہیں۔ امام احمد بن حنبل کے اساتذہ میں سے ہیں۔

(۲۲) سعید بن مسلمہ الاموی

الموتوفی سن ۲۰۱ھ۔ وہ امام شافعی کے استاد اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔

(۲۳) الحارث بن عمیر البصری

یہ مکہ آئے اور امام صادقؑ سے روایت کیا ان سے ابن عیینہ، ابن مہدی اور ابو اسامہ روایت کرتے ہیں۔

(۲۴) مقفل بن صالح الاسدی

ابو جیلہ الکوفی ترمذی نے ان سے روایت کیا ہے۔ محمد بن عبید اللہ الحارثی ان سے روایت کرتے ہیں۔

(۲۵) ایوب بن ابی تمیمہ السخینی

ابو بکر البصری مولیٰ عنزہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جھینہ کے مولا تھے ان سے اعش اور قتادہ نے روایت کی ہے۔ یہ قتادہ کے شیخ بھی ہیں۔ دونوں حمادوں، دونوں سفیانوں، شعبہ اور خلق کثیر نے ان سے روایت کی ہے۔ ابن سعد اور ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱ھ میں انتقال فرمایا۔

(۲۶) عبد الملک بن جریح القرطبی

یہ مشہور عالم ہیں اور کہا جاتا ہے کہ عالم اسلام میں سب سے پہلی کتاب انہوں نے لکھی۔ سن ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور سن ۱۳۹ھ میں انتقال فرمایا۔

اور ان حضرات کے علاوہ ہزاروں اصحاب ہیں جو مدرسہ امام صادقؑ کی طرف منسوب ہیں ان کے نام ابن حجر نے تہذیب التہذیب، لسان المیزان اور تقریب التہذیب میں، ذہبی نے میزان الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ میں، البحرری نے خلاصۃ الکمال میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، ابن ابی حاتم نے المخرج والتعديل میں جا بجا ذکر کئے ہیں۔ جہاں تک امام جعفر صادق علیہ السلام کے خاص اصحاب کا تعلق ہے تو ان میں سے بعض کا ذکر ہم علیحدہ باب میں کریں گے۔

کیفیت مدرسہ و تدریس

امام جعفر صادق علیہ السلام کا مدرسہ اصلاً تو مدینہ میں مسجد نبوی میں ہی تھا لیکن جیسا کہ ہم اوپر الحسن بن علی الوشاء کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ کوفہ کی مسجد میں بھی ایک مدرسہ قائم تھا۔ نیز جن تلامذہ امام کے نام اوپر آئے ہیں ان میں بشیر بن میمون، اخیانی نے بغداد میں امامؑ سے درس لیا ہے اور الحارث بن عمیر البصری نے مکہ آکر۔ ابو زہرہ نے ایک نص کے سلسلے میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابو حنیفہ نے یا عراق میں امام علیہ السلام سے یہ روایت لی ہے یا مدینہ میں۔ اس پر ہم آگے فقہی باب میں گفتگو کریں گے۔ اس طرح امام علیہ السلام کے مدارس کا کلمہ، مدینہ، کوفہ اور بغداد میں قائم ہونا ثابت ہوتا ہے جسے بعد میں آپ کے شاگردوں نے قائم رکھا۔ مشہور مؤرخ حسین عماد زادہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :

”مدرسہ امام جعفر صادق علیہ السلام منزل اودر مدینہ و مسجد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین قبر و منبر بودہ کہ امام ششم پس از نماز صبح روی بحاضر کردہ و محصلین و طلاب علوم جمع میشدند و درس علم و فضیلت را می

خواندند۔ قبل از امام ششم در همین مسجد و ہمیں مدرسہ کہ از ہم تفکیک نمیشد و غیر قابل تجزیہ در اسلام بودہ پنج شخصیت علمی نیز این مدرسہ را تشکیل دادہ و تدریس میکردند۔ اول موسس این مدرسہ و مسجد شخصیت پیغمبر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بود کہ عقل کل و اشراف رسل بود و پس از ہجرت از مکہ در ہمیں مسجد می نشست و اصحاب را علم و فضیلت می آموخت۔" ۱۳۵

"یعنی مدینہ میں امام صادق علیہ السلام کا مدرسہ آنجناب "کا گھر اور مسجد نبوی میں قبر و منبر کے درمیان تھا جہاں نماز صبح کے بعد امام علیہ السلام حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے، محصلین اور طالبان علم جمع ہو جاتے اور درس علم و فضیلت پڑھتے۔ امام ششم سے پہلے اس مسجد میں اور اسی مدرسہ میں جو کبھی نہ بند ہوا اور جس کا عالم اسلام میں مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ پانچ علمی شخصیات نے اس مدرسہ میں درس دیا اور اس مدرسہ کے پہلے مؤسس پیغمبر اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جو عقل کل اور اشراف رسل تھے اور ہجرت مکہ کے بعد اسی مسجد میں بیٹھتے اور اصحاب کرام کو علم و فضیلت کا درس دیتے۔"

اس کے دوسرے مدرس علی بن ابی طالب "تیسرے امام سجاد" جو تھے مدرسہ امام محمد باقر علیہ السلام تھے اور پانچواں مدرسہ جو پہلے پانچ مدرسوں سے زیادہ بڑا اس کے مدرس امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ اس طرح یہ مدرسہ پانچویں بزرگوں کی روایات کا امین تھا۔ یہ ایسا مدرسہ تھا جس میں ۴ ہزار سے زیادہ علماء فضلاء درس لیتے تھے۔

طریقہ تدریس

روایات اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نماز صبح کے بعد امام علیہ السلام اپنا رخ حاضرین کی طرف کرتے یہ باقاعدہ کلاس نہ ہوتی بلکہ ایک مجمع علمی ہوتا تھا لوگ سوالات پوچھتے جاتے اور امام علیہ السلام جوابات دیتے جاتے اور فرماتے کہ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو۔ ان سوالات میں حدیث، فقہ، عقائد، فلسفہ، کلام، طب، ادیان مختلفہ، نجوم، فلکیات، ہیئت، ہندسہ غرض مختلف علوم سے متعلق سوالات ہوتے اور آپ ایک ایک کر کے جواب دیتے جاتے۔ کبھی غیر مسلموں اور دیگر فرقوں کے افراد سے مناظرے بھی ہوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی شخص اس مجلس علمی میں ایک سوال کرتا۔ امام کہتے کہ پہلے تم لوگ آپس میں بحث کرو بعد ازاں خود اس پر فیصلہ فرماتے اس طرح انتہائی آزادانہ ماحول میں علمی و فکری بحثیں ہوتیں۔

عمرو بن المقدام کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ہر درس سے پہلے مجھے صداقت، راستی اور فضیلت کا درس دیتے اور درس سے قبل ہر روز تھوڑی بہت نصیحت کرتے اور ایمان و اخلاق کی وصیت کرتے اور جب تدریس شروع کرتے تو پہلے سے زیر بحث مسائل پر روشنی ڈالتے۔ بعض دوسرے شاگردوں نے بیان کیا ہے کہ امام درس سے پہلے تحصیل علم و سعادت اور حصول فضیلت و ایمان و امانت کی تاکید فرماتے اور مکارم اخلاق اور احتساب نفس پر بہت زور دیتے۔ ۱۳۶

عقائد اسلامیہ پر ان بحثوں اور اسلام کے تحفظ کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی کوششوں کے مختصر تعارف کے بعد ہم مسائل اعتقادیہ پر حضرت امام

جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات و تعلیمات مختصر ا بیان کرتے ہیں۔

اعتقادات کے بارے میں آپ کی تعلیمات

یہاں ہمارا مقصد تمام معتقات اسلامیہ کے بارے میں امام کے مفصل ارشادات و خطبات کو پیش کرنا نہیں ہے بلکہ صرف ان امور کے بارے میں امام کے مختصر ارشادات نقل کرنا مقصود ہیں جن کو اوپر کسی نہ کسی فرقے کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں حیرت مصر کے مشہور عالم محمد ابو زہرہ پر ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ”الامام الصادق“ ص ۱۳۷ میں جہاں معتقات پر امام کی آراء پر بحث کی ہے وہاں مستند کتابوں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات نقل کرنے کی بجائے علمائے امامیہ کے حوالے سے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ بہر حال یہاں استاذ ابو زہرہ پر مفصل تنقید تو مطلوب نہیں لیکن امام کے ارشادات ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

نفی رؤیت باری تعالیٰ

اللہ تبارک و تعالیٰ کو ان آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو عرصہ دراز سے علمائے اسلام کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا ہے اور علماء نے اس مسئلہ پر خوب عقلی بحثیں کی ہیں۔ بعض علماء مثلاً اشاعرہ اور اصحاب نظوہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ سے نہ صرف یہ کہ دیکھا جاسکتا ہے بلکہ قیامت میں تو سب ہی اللہ کو دیکھ سکیں گے کیونکہ قرآن مجید کی آیہ مبارکہ ہے۔

”وَجْهَهِ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ أَلَىٰ رَبِّهَا نَاضِرَةٌ“ (سورہ القمہ ۷۵۔)

(آیت ۲۳)

”اس روز چرے چمک رہے ہوں گے اور وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔“

پھر یہ کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا اور حضرت موسیٰؑ نے طور پر دیکھا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس عقیدے کی نفی فرمائی ہے۔ امالی شیخ صدوقؒ میں اسماعیل بن الفضل سے روایت ہے۔

”قال : سألت ابا عبد الله جعفر بن محمد الصادق عليهما السلام عن الله تبارك وتعالى هل يرى في المعاد؟ فقال : سبحانه الله وتعالى عن ذلك علوا كبيرا يا ابن الفضل ان الابصار لا تدرك الا ماله لون وكيفيه، والله خالق الالوان والكيفيه“ ۱۳۸۴

”میں نے امام جعفر صادقؒ سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ قیامت میں نظر آئے گا؟ آپؑ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے۔ اے ابن الفضل آنکھیں صرف ان چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں جن کا رنگ یا کیفیت ہو جبکہ اللہ رنگ اور کیفیت کا بھی خالق ہے۔“

مشہور صوفی ابراہیم الکرفی سے امالی شیخ الصدوقؒ میں ہی روایت ہے۔

”قلت للصادق جعفر بن محمد عليهما السلام : ان رجلا رأى ربه عز وجل في منامه فما يكون ذلك؟ فقال : ذلك رجلا لا دين له ان الله تبارك و

تعالیٰ لا یرى فی الیقظہ ولا فی المنام ولا فی
الدنیا ولا فی الآخرۃ“ ۱۳۹

”میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ
اس نے اللہ کو خواب میں دیکھا اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپؑ نے
فرمایا : یہ ایسا شخص ہے جس کا کوئی دین نہیں بے شک اللہ تعالیٰ کو نہ
جاگتے میں دیکھا جاسکتا ہے نہ سوتے میں نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت
میں۔“

شیخ صدوقؒ ہی نے کتاب التوحید میں اور الاحتجاج میں طبریؒ نے یہ روایت
دی ہے۔

”عن عبداللہ بن سنان عن ابی عبداللہ علیہ السلام
فی قولہ عزوجل : لا تدركہ الابصار وهو یدرک
الابصار“ قال : احاطہ الوہم الا تری الی قولہ : قد
جاءکم بصائر من ربکم لیس یعنی بصر العیون
(فمن ابصر فلنفسہ) لیس یعنی من البصر بعینہ
(ومن عمی فعلیہا) لم یعن عمی العیون“ انما عنی
احاطہ الوہم کما یقال : فلان بصیر بالشعر“ و
فلان بصیر بالفقہ و فلان بصیر بالدراہم و فلان
بصیر بالشیاب“ اللہ اعظم من ان یرى بالعین“ ۱۴۰
”عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے
فرمان : اے نظریں نہیں اور اک کر سکتیں وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے

کے متعلق نقل کیا ہے کہ اس سے مراد عقول کا احاطہ اور --- تپ
 کیا تم اللہ کا یہ قول نہیں دیکھتے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف
 سے بصر آئے، یہاں آنکھوں کی پینائی مراد نہیں۔ اور فرمایا جو بصیرت
 سے کام لیتا ہے وہ خود اس کے لئے فائدہ مند ہے یہاں بھی بصارت مثنیٰ
 مراد نہیں اور یہ فرمایا کہ جس نے اندھا پن دکھایا وہ اس کے لئے نقصان
 وہ ہے اس سے آنکھوں کا اندھا پن مراد نہیں بلکہ احاطہ عقول مراد ہے
 جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں کو شعر میں بصیرت حاصل ہے، فلاں کو فقہ میں
 اور فلاں کو دراہم میں اور فلاں کو کپڑوں میں بصیرت حاصل ہے۔ اللہ
 تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ آنکھوں سے اسے دیکھا جاسکے۔"

معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بھی
 مسلمانوں کے نزدیک بہت متنازع رہا ہے اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ
 السلام کا ایک قول ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔ روضہ الکافی میں شیخ محمد بن یعقوب
 الکلینی نے یہ روایت لکھی ہے۔

"سال محمد الحلبي الصادق عليه السلام
 فقال : رای رسول الله صلى الله عليه وآله ربه؟
 قال : نعم آه بقلبه، فامار بنا جل جلاله فلا تدرکه
 ابصار حلق الناظرین ولا یحیط به اسماع
 السامعین" ۱۳۱

"محمد الحلبي نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا رسول
 اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا : ہاں

قلب سے ہمارا رب جلیل وہ ہے کہ آنکھیں اسے کوشش کے باوجود دیا نہیں سکتیں اور نہ ہی سننے والوں کی قوت سماعت اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔“

قدرت الہیہ قضاء و قدر اور جبر و تفویض

قدرت الہیہ کے مفہوم اور اطلاق پر علمائے اسلام کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ سورہ بقرہ سے لے کر سورہ جن تک بہت سی آیات موجود ہیں جن میں اللہ کا ہر شے پر قادر ہونا بتایا گیا ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے ”ان اللہ علی کل شئی قدیدر“ (آیت ۲۵۹) ”بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ یہی بات سورہ ہود کی چوتھی آیت میں کہی گئی ہے۔ سورہ کہف ۱۸ میں فرمایا گیا ہے کہ ”وکان اللہ علی کل شئی مقتدرا“ (۳۵) ”اللہ تعالیٰ کو ہر شے پر تسلط حاصل ہے۔“ سورہ نور ۲۴ میں فرمایا ”یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شئی قدیدر“ (۳۵) ”اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور ہر شے پر اللہ قادر ہے۔“ اور اسی طرح کی بہت سی آیات ہیں جن کے پیش نظر بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھائی اور برائی دونوں پر قادر ہے۔ لیکن بعض علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ اگر انسان سے اچھائی اور برائی دونوں اللہ تعالیٰ ہی کرواتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کے کیا معانی جب کہ وہ عادل ہے۔ اس بارے میں ہم امام جعفر صادق علیہ السلام اور علمائے اہل تشیع کے چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

”عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال : ان من شبه اللہ

بخلقه فهو مشرك، ومن انكر قدرته فهو كافر“ ۱۳۲۔
 ”حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ کو مخلوق سے تشبیہ
 دے وہ مشرک ہے اور جو اس کی قدرت سے انکار کرے وہ کافر ہے۔“

اب کیا قدرت کے یہ معانی لئے جائیں گے کہ انسان مجبور محض ہے جو اس
 کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے وہ اس کے سوا کچھ کر ہی نہیں سکتا یا یوں کہئے کہ انسان
 مجبور ہے مختار نہیں۔ اس مسئلے کو قضاء قدر اور جبر و تفویض کے نام سے جانا جاتا
 ہے، ”قضاء و قدر ائمہ علیہم السلام کے نزدیک حق ہے لیکن جبر و تفویض غلط ہے بلکہ
 ”المنزله بین المنزلتین“ حقیقت ان دونوں کی درمیانی منزل ہے۔
 یہاں اس جملے کو معتزلہ کے جملے سے مشابہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کیونکہ وہاں اس
 جملے کا مطلب مرکب گناہ کبیرہ کا کفر اور ایمان کی درمیانی منزل میں ہونا ہے۔ اب
 ہم یہاں امام جعفر صادق علیہ السلام کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں۔

”عن عبد اللہ بن سلیمان عن ابی عبد اللہ علیہ
 السلام قال : سمعته يقول : ان القضاء والقدر
 خلقان من خلق اللہ واللہ یزید فی الخلق ما یشاء“
 ”عبداللہ بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو
 کہتے سنا کہ قضاء و قدر اللہ کی صفتوں میں سے دو صفتیں ہیں اور اللہ اپنی
 مخلوقات میں جس قدر چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے۔“ ۱۳۳۔

اس حدیث میں ”خلقان من خلق اللہ“ میں ”خلق“ کے اعراب
 میں اختلاف ہے اگر ”خ“ پر پیش پڑھیں جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے اختیار کیا ہے اور
 ہم نے ان کی پیروی لی ہے تو مراد اللہ کی دو صفتیں ہوں گی اور اگر ”خ“ پر زیر

پڑھیں تو مخلوق مراد ہوگی جیسا کہ علامہ السید ہاشم الحسینی الطهرانی نے ”کتاب التوحید“ کے اعراب میں اختیار کیا ہے۔ اس حدیث کے حاشیے میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

”ولا یبعد ان یکون المراد بهما موجودین من الملائکہ او غیرہم یجری علی یدیہما قضاء تعالیٰ وقدرہ کالنار لیں لیلہ القدر“ ۱۳۴

”اور یہ بعید نہیں ہے کہ قضاء و قدر سے مراد دو ملائکہ یا دو مخلوق ہوں جن کے ذریعے سے اللہ کی قضاء و قدر جاری ہوتی ہو جیسے لیلہ القدر میں نازل ہونے والے فرشتے۔“ (واللہ یزید فی الخلق سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں امام علیہ السلام نے ان کے فرق کو یوں ظاہر کیا ہے۔

”عن ابن اذینہ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال : قلت له : جعلت فداک ما تقول فی القضاء والقدر؟ قال : اقول : ان اللہ تبارک و تعالیٰ اذا جمع العباد یوم القیامہ سالہم عما عہد الیہم ولم یسالہم عما قضا علیہم“ ۱۳۵

”ابن اذینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ قضاء و قدر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یوم قیامت جب سب کو جمع کرے گا تو جو عہد ان سے لیا تھا اس کے بارے میں تو پوچھے گا اور جو ان پر مسلط کیا گیا تھا ان کے بارے

میں نہیں پوچھے گا۔“

علامہ مجلسیؒ نے اس موقع پر وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔
 ”هذا الخبر يدل على ان القضاء والقدر انما يكون
 في غير الامور التكليفية كالمصائب والامراض
 وامثالها فلعل المراد بهما القضاء والقدر حتميان“
 ”یہ خبر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قضاء و قدر کا تعلق امور
 تکلیفیه (یعنی شرعی) کے علاوہ دوسری چیزوں جیسے مصائب
 امراض وغیرہ سے ہے اور غالباً یہاں حتیٰ قضاء و قدر مراد ہے۔“ ۱۳۶

ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک ”قدری“ سے کہا۔
 ”اقرء الفاتحہ“ فقرء فلما بلغ قوله : ”ایاک نعبد
 وایاک نستعین“ قال له جعفر : علی ماذا
 تستعین باللہ و عندک ان الفعل منك و جمیع ما
 يتعلق بالاقدار و التمکین و اللطف قد حصلت و
 تمت؟ فانقطع القدری و الحمد لله رب العالمین“
 ”سورۃ فاتحہ پڑھو“ اس نے پڑھنا شروع کیا جب وہ ”ایاک
 نعبد۔۔۔۔۔“ یعنی ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے اور صرف تجھ ہی
 سے مدد چاہتے ہیں پر پہنچا تو آپ نے فرمایا : تم کس چیز میں اللہ کی مدد
 چاہتے ہو حالانکہ تم کہتے ہو کہ تمام افعال تم سے ہی صادر ہوتے ہیں اور
 جو کچھ قدروں، تمکین اور الطاف الہی سے متعلق ہے وہ حاصل ہو چکا اور
 مکمل ہو گیا پس قدری چپ ہو گیا۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو

تمام جہانوں کا رب ہے۔“ ۱۳۷

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام علیہ السلام ”قدریوں“ کی اس گروہ کی نفی فرما رہے ہیں جو اللہ کو بالکل معطل سمجھتا ہے یعنی اس کے خیال میں بندوں کے افعال میں مطلقاً اللہ کا دخل نہیں۔ اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بحار الانوار کے حاشیہ نویس کی رائے ہم یہاں نقل کریں۔ یہ تشریح مشہور عالم، مفسر اور فلسفی علامہ محمد حسین الطباطبائیؒ نے اس حدیث کے ذیل میں لکھی ہے جو اوپر ابن ازیہ کے حوالے سے گزری۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تکالیف شرعیہ اور احکام امور اعتباری ہیں ان کا تکوین (یعنی خلقت) سے تعلق نہیں اور جہاں تک قضاء و قدر کا تعلق ہے وہ اپنے معانی کے لحاظ سے تکوینیات سے متعلق ہیں۔ پس اعمال اپنے وجود خارجی کے اعتبار سے دیگر تمام موجودات کی طرح ہیں اور قضاء و قدر ان سے متعلق ہے لیکن امر و نہی، اطاعت و معصیت کے اشتمال کے لحاظ سے یہ امور اعتباری ہیں اور دائرہ قضاء و قدر سے باہر ہیں اور اس کے وہی معانی ہیں جو امیر المومنینؑ نے صفین سے واپسی کے وقت مروشانی کو بتائے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے اور اس کا حاصل ہے کہ تکلیف شرعی کی بنیاد مصالح عوام پر ہے پس اعمال میں ”قدر“ نہ مصلح سے وجود میں آتی ہے جس کی وجہ سے تکلیف لازم ہے اور ”قضاء“ مصلح و وجوب، حرمت، امر و نہی کا نام ہے۔ ۱۳۸

اصول کافی، کتاب التوحید باب الجبر و القدر کی دوسری حدیث میں امام صادقؑ نے فرمایا۔

”من زعم ان الله يامر بالفحشاء فقد كذب على الله“

ومن زعم ان الخير والشر اليه فقد كذب على الله
 ”جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ فحشاء کا حکم دیتا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ
 بولا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ خیر و شر دونوں بندے کی طرف سے ہیں
 اس نے بھی اللہ پر جھوٹ بولا۔“ ۱۳۹

اس کی وضاحت خود امام علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمائی ہے جو اس
 باب کی چھٹی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں۔

”قال : قال رسول الله صلى الله عليه وآله : من
 زعم ان الله يامر بالسوء والفحشاء فقد كذب على
 الله ومن زعم ان الخير والشر بغير مشيئه الله فقد
 اخرج الله من سلطانه ومن زعم ان المعاصي بغير
 قوة الله فقد كذب على الله ومن كذب على الله
 ادخله الله النار“ ۱۴۰

”آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ برائی اور فحشاء کا حکم
 دیتا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جس نے کہا کہ خیر اور شر بغیر اللہ
 کی مشیت ہوتے ہیں اس نے اللہ کو اس کی حکومت سے خارج کر دیا اور
 جس نے یہ دعویٰ کیا کہ گناہ بغیر اللہ کی دی ہوئی قوت کے ہوتے ہیں اس
 نے اللہ پر جھوٹ بولا اور جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اللہ اسے جہنم میں
 ڈال دیتا ہے۔“

اس موقع پر ہم دو تشریحات نقل کرنا چاہتے ہیں ایک علامہ مجلسیؒ کے حوالے
 سے اور دوسری علامہ محمد حسین الباطنیؒ کے حوالے سے وہ یہ ہیں۔

”الفاحشه : الفعله المتناهیة فی القبح کعبادة الصنم و کشف العورة فی الطواف حیث کان المشرکون یطوفون عراة ویقولون لا نطوف فی الثیاب الّتی قارفنا فیها الذنوب، فکانوا اذا نهوا عنها اعتذروا واحتجوا بامرین : تقلید الاءاء والافتراء علی الله، فاعرض عن الاول لظهور فسادہ“ ۱۵۱

”فاحشہ کے معنی ایسے قبیح فعل کے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے جیسے بتوں کی عبادت اور طواف میں برہنہ ہو جانا، جیسے مشرک برہنہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ان کپڑوں میں کیسے طواف کریں جس میں ہم نے گناہ کئے ہوئے ہیں، پس جب انہیں اس فعل سے منع کیا جاتا تو وہ عذر کرتے اور دو باتوں سے استدلال کرتے۔ آباء و اجداد کی تقلید اور اللہ پر افتراء، پس ظہور فساد کی وجہ سے پہلی بات سے تعرض کیا گیا ہے۔“

اور علامہ طباطبائی فرماتے ہیں یعنی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ خلاف شریعت یا بے ہودہ کاموں کا حکم دیتا ہے اور وہ عقیدہ جبر کا قائل ہے تو اس کا عقیدہ یہ ہوگا کہ معاصی کے بارے میں اللہ کا ارادہ حتمی ہے تو یہ کہنے والے نے اللہ پر جھوٹ باندھا ایسے شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے قرآن مجید میں فرمایا ”ان الله لا یامر بالفحشاء“ (الاعراف - آیت ۲۸) ”اللہ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔“ اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ اچھے اور برے افعال بغیر حیثیت الہی کے ہو جاتے ہیں

تو وہ لوگ مغضہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ افعال انسانی مشیت کی مخلوق ہیں نہ کہ اللہ کی مشیت کے۔ اور جس نے ایسا دعویٰ کیا اس نے اللہ سے اس کی حکومت چھین لی حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وله المملک“ اور حکومت تو اسی کی ہے اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ معاصی اللہ کی قوت کی بجائے انسان کی قوت سے وجود میں آتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ“ جو کچھ کہ اللہ چاہتا ہے اللہ کی عطا کردہ قوت کے سوا کوئی قوت نہیں۔ ۱۵۲۔

حدیث صحیح میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ۔
 ”ان اللہ خلق الخلق فعلم ما هم صائرون الیہ و امرهم ونہاہم فما امرهم بہ من شئی فقد جعل لہم السبیل الی ترکہ ولا یكونون آخذین ولا تارکین الا باذن اللہ“۔ ۱۵۳۔

”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو خلق کیا اور وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ کس راہ پر جائیں گے پس اس نے بعض باتوں کا حکم دیا بعض سے روکا۔ اور اس نے جس کام کو بھی کرنے کا حکم دیا اس کے ترک کرنے کی سبیل بھی اس کے لئے بنا دی ہے اب وہ کام کرنے والے اور کام نہ کرنے والے صرف اللہ ہی کے حکم سے قرار دیئے جائیں گے۔“

علامہ محمد باقر الہمدوی المحدث نے صحیح الکافی میں اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے۔ ۱۵۴۔ اور علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

”قال بعض المحققین : ای کل ما يتعلق بہ الامر

جعل للامور سبیل الی ترکہ باعطاء القدرۃ لہ و
امکان المامور بہ“ ۱۵۵

”بعض محققین کہتے ہیں ہر وہ کام جس سے کہ امر الہی وابستہ ہے اللہ نے
انسان کو اس کے ترک کی قدرت عطا فرما کر اس کے ترک کا راستہ
انسان کے لئے پیدا کر دیا اور جسے حکم دیا اس کے لئے اطاعت کا امکان
بھی باقی رکھا۔“

اب ہم امام صادقؑ کی ایک حدیث نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔
”عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال : سئل عن الجبر
و القدر فقال : لا جبر و لا قدر و لکن منزله
بینہما فیہا الحق النبی بینہما لا یعلمہا الا العالم
او من علمہا ایامہ العالم“ ۱۵۶۔۔۔ فی الروایہ الاخری
قال : نعم اوسع ما بین السماء و الارض“ ۱۵۷
”امام جعفر صادق علیہ السلام سے جبر و قدر کے بارے میں پوچھا گیا تو
آپ نے فرمایا نہ مکمل جبر ہے اور نہ ہی مکمل قدر لیکن ان دونوں کے
درمیان ایک منزل ہے اور اس منزل کی حقیقت کو صرف عالم جانتا ہے یا
وہ جان سکتا ہے جسے عالم نے بتایا ہو۔۔۔۔ اور دوسری روایت میں ہے
کہ زمین اور آسمان کی درمیانی وسعت سے بڑھ کر اس میں وسعت
ہے۔“ (عالم سے مراد امام وقت ہے)

اس موضوع پر تفصیلی بحث کے خواہش مند سید العلماء علی نقی التتویٰؒ کی
کتاب جبر و اختیار، استاذ مطہری کی کتاب انسان اور تقدیر، علامہ مجلسیؒ کی

بحار الانوار کی ج ۳، ص ۵ اور علامہ مجلسیؒ ہی کی شرح کافی یعنی مراۃ العقول ج ۲، ص ۱۹۵ تا ۲۱۳ اور عقائد کی دوسری کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب استاد مطہریؒ شہید کی ہے۔

کیا قرآن مجید مخلوق ہے؟

معزلہ کے وہ مخصوص عقائد جن کی وجہ سے عالم اسلام میں انہیں ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے انہیں میں سے ایک عقیدہ قرآن مجید کا مخلوق ہونا تھا جس کی بعض دوسرے فرقوں نے سختی سے تردید کی یہاں تک کہ اس مسئلے میں امام احمد بن حنبل کو سختیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ معزلہ کا کرنا تھا کہ قرآن حادث اور مخلوق ہے ازل سے نہیں ہے جب کہ امام احمد بن حنبل اور دوسرے حضرات یہ کہتے تھے کہ قرآن قدیم ازل سے ہے۔ چنانچہ اس فتنے نے سر اٹھایا اور لوگوں کے کفر و ایمان کا دار و مدار اسی کے متعلق عقیدہ قرار دے لیا گیا۔ بعض فرقوں کے نزدیک قرآن کو حادث اور مخلوق قرار دینے والے خارج از اسلام ہیں اور معزلہ کے نزدیک قرآن کو حادث نہ ماننے والے خارج از اسلام ہیں۔ بہر حال یہ عقیدہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس موضوع پر ہم امام علیہ السلام کے چند اقوال نقل کرتے ہیں۔

”عن سالم قال : سالت الصادق جعفر بن محمد علیہما السلام فقلت له : یا ابن رسول اللہ ما تقول فی القرآن؟ فقال : هو کلام اللہ وقول اللہ و کتاب اللہ و وحی اللہ و تنزیلہ و هو الکتاب العزیز

الذی لا یاتیہ الباطل من بین یدیه ولا من خلفه
تنزیل من حکیم حمید“ ۱۵۸

”علی بن سالم نے اپنے والد سالم سے روایت کی ہے کہ میں نے امام
صادقؑ سے عرض کی اے فرزند رسولؐ آپ قرآن کے بارے میں کیا
فرماتے ہیں؟ فرمایا : وہ اللہ کا کلام، اس کا قول، اس کی کتاب، اس کی
وحی اور اس کا نازل کردہ ہے۔ وہ ایسی مضبوط کتاب ہے کہ نہ آگے سے
اور نہ ہی پیچھے سے باطل اس میں داخل ہو سکتا ہے اور وہ ایک صاحب
حکمت اور لائق مدح ذات کا نازل کردہ ہے۔“

عبدالرحیم القصیر کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک بن اعین کے ہاتھ سے امام
جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں چند سوالات روانہ کئے اور ان سے ان
عقائد کے بارے میں مذہب صحیح دریافت کیا جو عوام میں رائج اور موضوع بحث
بنے ہوئے ہیں تو امام علیہ السلام نے اسی خط پر یہ جواب لکھ کر بھیجا۔ یہ خط بعض
دوسرے موضوعات پر بھی مشتمل ہے، قرآن سے متعلق حصہ نقل کرتے ہیں۔
عبدالرحیم نے لکھا۔

”واختلفوا فی القرآن، فزعم قوم : ان القرآن
کلام اللہ غیر مخلوق، وقال آخرون : کلام اللہ
مخلوق۔۔۔ فاجابہ ۱۵۹ الامام علیہ السلام
: وسالت ۱۶۰ رحمک اللہ عن القرآن واختلاف
الناس من قبلکم فان القرآن کلام اللہ محدث، غیر
مخلوق، وغیر ازلی مع اللہ تعالیٰ ذکرہ، وتعالیٰ

عن ذلك علواً كبيراً، كان الله عز وجل ولا شئى غير
الله معروف ولا مجهول، كان عز وجل ولا متكلم
ولا مرید ولا متحرك ولا فاعل، جل و عز ربنا
فجميع هذه الصفات محدثه عند حلول الفعل
منه، جل و عز ربنا۔ والقرآن كلام الله غير
مخلوق، فيه خبر من كان قبلكم وخبر ما يكون
بعدكم، انزل من عند الله على محمد رسول الله صلى
الله عليه وآله وسلم ۱۶۱

”قرآن کے بارے میں ان کے عقائد مختلف ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ
قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن مخلوق نہیں (حادث نہیں) اور دوسرے کہتے
ہیں کہ اللہ کا کلام ہے اور مخلوق ہے (یعنی حادث ہے) امام نے جواب
دیا۔ تم نے اللہ تم پر رحمت کرے، قرآن کے بارے میں پوچھا ہے اور
تمہارے سامنے عوام کی جو مختلف آراء ہیں ان کا ذکر کیا ہے تو قرآن مجید
اللہ کا کلام ہے اور حادث ہے، کذب و افتراء نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ
کے ساتھ ازلی بھی نہیں اور اللہ اس سے بہت بلند و برتر ہے، اللہ
عز وجل موجود تھا اور اس کے سوا کوئی شے معروف و مجہول موجود نہ
تھی۔ اللہ تعالیٰ موجود تھا حالانکہ نہ متکلم تھا نہ مرید نہ متحرک تھا اور نہ
فاعل، ہمارا رب ان سب سے بزرگ و برتر ہے، یہ تمام صفات و کیفیات
اس وقت وقوع پذیر ہوتی ہیں جب اس ذات احدیت سے صادر ہوتی
ہیں، ہمارا رب بزرگ و برتر ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے جسے جھٹلایا نہیں

جاسکتا اس میں تم سے پہلے گزرنے والوں اور تمہارے بعد آنے والوں کی خبریں ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔“

امامؑ کا یہ کلام ذرا سا تشریح طلب ہے، عام قارئین کے لئے اس کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ بعض انسانوں میں ایک کام کرنے کی صلاحیت بالقوۃ موجود ہوتی ہے لیکن مناسب مواقع پر ان کا اظہار ہوتا ہے، بعض انسانوں میں کوئی کام کرنے کی صلاحیت بالقوۃ موجود ہی نہیں ہوتی لہذا ان سے اس فعل کا اظہار ہوتا ہی نہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جن میں کسی کام کی بالقوۃ صلاحیت موجود ہوتی ہے لیکن جا بجا اس کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً بولنے کو ہی لیجئے ارشد بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بوقت ضرورت بولتا ہے۔ تو ایسے وقت جب کہ وہ نہ بول رہا ہو وہ بولنے پر قادر تو ہوگا لیکن اسے بولتا ہوا کہا نہیں جائے گا بولتا ہوا یا مشکلم اس وقت کہا جائے گا جب وہ کسی دوسرے سے بول رہا ہو، بات کر رہا ہو۔ راشد گوڑا ہے اس میں بولنے کی صلاحیت ہی نہیں لہذا وہ کبھی مشکلم نہیں کہلائے گا۔ مرشد میں بولنے کی صلاحیت تو ہے لیکن وہ خواہ مخواہ بولتا رہتا ہے اس کو پاگل کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلی ذات ہے وہی ذات دوسری تمام چیزوں کی خالق ہے۔ اس کی صفات خود اس کی ذات کا جزء ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ صفتیں اس میں بعد میں پیدا ہوئی ہوں۔ اب ہمیں ایک ایسا وقت ضرور فرض کرنا پڑے گا جب اللہ تو اپنی تمام صفات کے ساتھ موجود تھا لیکن کوئی دوسری شے موجود نہ تھی۔ وہ کلام تو کر سکتا تھا لیکن کوئی مخلوق ہی اس نے نہیں بنائی تھی تو کس سے کلام کرتا۔ وہ چیزوں کی ہیئت تبدیل کرنے کی قدرت تو

رکھتا تھا لیکن اس نے کسی مخلوق کو خلق ہی نہیں کیا تھا تو کس مخلوق کی شکل تبدیل کرتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اگر وہ بغیر کسی لائق کلام کے بولتا رہتا، کلام کرتا رہتا تو ہم عام آدمی کو بے جا بولتے دیکھتے ہیں تو بے عقل کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا کہتے؟ (محاذ اللہ) لہذا وہ اس وقت تک بولا نہیں جب تک اس نے لائق کلام پیدا نہ کر لیا۔ حالانکہ اس میں بولنے کی صفت موجود تھی۔ پس صفت کلام قدیم ہوئی کیونکہ وہ باری تعالیٰ کی عین ذات ہے لیکن اس کا کلام مخلوق یا حادث ہوا تو جوں جوں اللہ سے ان صفات کا صدور ہوتا جاتا ہے وہ حادث یعنی مخلوق ہوتی جاتی ہیں۔ یہ ایک واضح اور بدیہی بات ہے۔

اس حدیث میں دو مرتبہ امامؑ نے ”غیر مخلوق“ فرمایا ہے اس کے معانی غیر مکذوب کے ہیں یعنی جو جھٹلایا نہ جاسکے کیونکہ امامؑ نے قرآن کو محدث یعنی عدم سے وجود میں آنے والا اور ”غیر ازلی“ یعنی مخلوق قرار دیا ہے تو ”غیر مخلوق“ کے معانی عربی کی رو سے یہ ہوں گے کہ وہ جعلی نہیں ہے۔ ۱۲۲ کہ جسے جھٹلایا جاسکے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اس کی جو تشریح فرمائی ہے اسے ہم ان کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

”قد جاء في الكتاب ان القرآن كلام الله ووحى الله
وقول الله وكتاب الله ولم يجنى فيه انه مخلوق وانما
امتنعنا من اطلاق المخلوق عليه لان المخلوق
في اللغة قد يكون مكنوبا ويقال : كلام مخلوق
اي مكنوب قال الله تبارك وتعالى : انما تعبدون
من دون الله او ثانا و تخلقون افكا اي كذبا“ وقال

تعالیٰ حکایہ عن منکری التوحید : ما سمعنا
 بهذا فی المملۃ الآخرۃ ان هذا الاختلاق ای افتعال و
 کذب فمّن زعم ان القرآن مخلوق بمعنی انه
 مکنوب فقد کفر، ومن قال : انه غیر مخلوق
 بمعنی انه غیر مکنوب فقد صدق و قال الحق
 والصواب، ومن زعم انه غیر مخلوق بمعنی انه غیر
 محدث و غیر منزل و غیر محفوظ فقد اخطا و قال
 غیر الحق والصواب و قد اجمع اهل الاسلام علی
 ان القرآن کلام اللہ عز و جل علی الحقیقہ دون
 المجاز و ان من قال غیر ذلك فقد قال منکرا من
 القول وزورا، و وجدنا القرآن مفصلا و موصلا و
 بعضہ غیر بعض و بعضہ قبل بعض کالناسخ الذی
 یتاخر عن المنسوخ، فلولم یکن ما هذه صفته
 حادثا بطلت الدلالہ علی حدوث المحدثات۔ ۲۵
 'قرآن میں آیا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے وحی الہی ہے اس کا قول ہے
 اور اس کی کتاب ہے لیکن اس میں یہ نہیں آیا ہے کہ قرآن "مخلوق"
 ہے اسی لئے ہم قرآن پر لفظ مخلوق کا اطلاق کرنے سے منع کرتے ہیں
 کیونکہ لغت عربی کے لحاظ سے "کلام مخلوق" کے معنی جھٹلائے ہوئے
 کلام کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم صرف بتوں کی پرستش کرتے
 ہو اللہ کے سوا اور بہتان باندھتے رہے ہو یعنی جھوٹ اور منکرین توحید

کی زبانی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں ”ہم نے پہلی نلتوں میں تو ایسی باتیں نہیں سنیں یہ تو صرف گڑھی ہوئی باتیں ہیں۔ یہاں خلق کے معنی بہتان اور گڑھی ہوئی باتوں کے ہیں۔ پس جو یہ دعویٰ کرے کہ قرآن مخلوق ہے یعنی جھٹلانے کے لائق ہے اس نے کفر کیا اور جس نے قرآن کو غیر مخلوق اس معنی میں قرار دیا کہ وہ جھٹلایا نہیں جاسکتا اس نے سچ بولا اور صحیح بات کہی اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اس معنی میں کہ وہ حادث نہیں، نازل نہیں کیا گیا اور غیر محفوظ ہے اس نے خطا کی اور حق و صواب کی بات نہیں کہی اور اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کا کلام ہے نہ کہ مجازاً۔ اور جو اس کے سوا کسی بات کا قائل ہے تو اس نے جھوٹ اور منکربات کہی۔ ہم قرآن میں مفصل و موصول۔ ۱۶۶ دونوں طرح کی آیات پاتے ہیں، آیات ایک دوسرے سے مختلف اور آگے پیچھے ہیں جیسے ناسخ آیات جو بہر حال منسوخ شدہ آیات کے بعد آئی ہیں۔ اگر ان صفات کو حادث نہ مانیں تو مخلوقات کے حادث ہونے پر کوئی دلیل باقی نہیں رہتی اور یہ عقیدہ باطل قرار پاتا ہے۔“

شیخ صدوقؒ آگے چل کر اور وضاحت کرتے ہیں کہ جھوٹ کہتے ہیں ایسی بات کو کسی کی طرف منسوب کرنا جو اس نے اب تک نہ کہی ہو اور جھوٹ کی اس تعریف پر سب کا اتفاق ہے۔ قرآن مجید میں اللہ نے آنحضرتؐ سے پہلے کے بادشاہوں، فرعون وغیرہ اور انبیاء علیہم السلام کے اقوال بیان کئے ہیں اگر قرآن قدیم ہے تو وہ بیانات اللہ نے ان لوگوں کے صادر ہونے سے پہلے بیان کر دیئے جو

جھوٹ ہے۔ لہذا قرآن ان لوگوں کے مقولوں کے بعد ہوا اس لئے حادث ہوا۔۔۔ آگے بڑھ کر ایک اور دلیل دیتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ۔

”ما ننسخ من آیه او ننسھانات بخیر منها و امثلھا“
(البقرہ ۱۰۶)

”ہم کسی آیت کو نہ منسوخ کرتے ہیں نہ محو کر دیتے ہیں کہ اس سے اچھی یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔“

ظاہر ہے کہ جو آیت منسوخ ہوئی وہ پہلے ہوگی اور ناسخ آیت بعد میں اور مثال پہلے ہوتی ہے مثل بعد میں۔

وعدہ و وعید کے بارے میں

وعدہ و وعید کے بارے میں جس طرح اسلامی فرقے افراط و تفریط کا شکار ہوئے اسے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں مگر اللہ کے وعدہ پر زور دیتے اور وعید کو رحمت سے بدل کر گناہوں پر جزی کرتے تھے معتزلہ و وعید کے بارے میں زیادہ بحث کرتے اور زور دیتے وعدے اور رحمت کو نظر انداز کرتے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

”ان الله لا يكلف نفسا الا وسعها ولا يكلفها فوق طاقتها“ و افعال العباد مخلوقه خلق تقدير ولا خلق تكوين۔ والله خالق كل شئ ولا نقول بالجبر ولا بالتفويض، ولا ياخذ الله عز وجل البرى بالسقيم، ولا يعذب الله عز وجل الاطفال

بننوب الالباء فانه قال فی محکم کتابہ : ولا تزر
 وزارة وزرا اخرى ۲۱۷ و قال عزوجل وان ليس
 للانسان الا ما سعى ۲۱۸ ولله عزوجل ان يعفو و
 يتفضل وليس له ان يظلم ولا يفرض الله عزوجل
 على عباده طاعته من يعلم انه يغويهم ويضلهم ولا
 يختار رسالته ولا يصطفى من عباده من يعلم ان
 يكفر به ويعبد الشيطان من دونه ولا يتخذ على
 خلقه حجة الا معصوما ۲۱۹

”اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا
 اور نہ ان امور کا مکلف کرتا ہے جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہیں
 اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں یہ خلق تقدیری ہے نگوئی نہیں۔ اور
 اللہ ہر شے کا خالق ہے۔ نہ ہم جبر کے قائل ہیں اور نہ تفویض کے۔ نہ
 ہی اللہ تعالیٰ بے گناہ کو گناہگار کے بدلے پکڑے گا اور نہ ہی بچوں کو ماں
 باپ کے گناہ کے بدلے پکڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی محکم آیات میں
 فرماتا ہے کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا
 ہے انسان کو صرف اس کا بدلہ ملے گا جو اس نے کیا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ
 معاف فرما سکتا اور فضل کر سکتا ہے لیکن کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ نہ ہی
 اللہ نے بندوں پر ایسے شخص کی اطاعت فرض کی ہے جس کے بارے
 میں وہ جانتا ہے کہ بندوں کو گمراہ کریں اور بہکا دیں گے اور نہ ہی رسالت
 کے لئے ایسے لوگوں کو اختیار کرتا اور ایسے بندوں کو چنتا ہے جن کے

بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ لوگ کفر اختیار کریں گے اور اللہ کے سوا شیطان کی پیروی کریں گے اور وہ اپنی مخلوق پر صرف اور صرف معصوم کو حجت قرار دیتا تھا۔“

ایک دوسری روایت میں منصور بن حازم کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

”الناس مامورون منہیون ومن كان له عذر عذره الله عز وجل“۔ ۱۷۰

”لوگوں کو بعض کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے بعض سے منع کیا گیا ہے اور جو معذور ہیں اللہ نے انہیں معاف فرمادیا ہے۔“

ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جو بھی احکام دیئے ہیں انسان میں ان کے بجالانے کی طاقت بھی موجود ہے اور انہیں ترک کرنے کی قدرت بھی۔ پس جو اللہ کے احکام پر عمل کرتے ہیں انہیں اس کا ثواب ملے گا اور جو معاصی کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں عذاب بھی دیا جائے گا۔ نہ ہی اللہ کی رحمت سے خوش فہمی میں مبتلا گناہوں پر جری ہونا چاہئے اور نہ ہی کسی گناہ کے بعد اس کی وعید کے سبب اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اپنے کو ابدی جہنمی سمجھنا چاہئے بلکہ توبہ کا باب کھلا ہوا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا نہ بیٹا باپ کے جرم میں پکڑا جائے گا اور نہ دوست دوسرے دوست کے جرم میں۔ اللہ کی اطاعت صاحب استطاعت پر فرض اور معذور پر معاف ہے۔

فرقہ زیدیہ کے دو عقائد کی نفی

فرقہ زیدیہ کے عقائد پر تھوڑی بہت روشنی ہم پچھلے صفحات میں ڈال چکے ہیں

یہاں امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے ان کے دو عقیدوں کی نفی کرنی مقصود ہے۔
 پہلا عقیدہ تو یہ ہے کہ امامت کا اولاد امام حسینؑ میں ہونا ضروری نہیں۔ امامؑ
 فرماتے ہیں۔

”فہو عالم بما یرد علیہ من ملتبسات الدجی و
 معمیات السنن و متشابہات الفتن، فلم یزل اللہ
 تعالیٰ مختارہم لخلقہ من ولد الحسین علیہ
 السلام من عقب کل امام اماماً یصطفیہم لذلك
 و یجتبیہم و یرضی بہم لخلقہ و یرضیہم کما
 امضی منہم امام نصب لخلقہ من عقبہ اماماً“ ۱۷۲

”جہالت کے اندھیرے میں مشتبہ ہونے والے مسائل جو اس کے پاس
 آتے ہیں اور سنن یعنی خدا و رسول کے اعمال و افعال کے معنی اور
 فتنوں کے پروردہ متشابہ مسائل کو امام خوب جانتا ہے۔ امام حسین علیہ
 السلام کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ ایک امام کے بعد دوسرا امام مخلوق کے
 لئے مسلسل اختیار کرتا رہا ان کا انتخاب اور چناؤ مذکورہ مقاصد کے لئے
 ہوا انہیں مقاصد کے لئے خدا ان سے بھی راضی ہوا اور انہیں کی
 بدولت مخلوق سے بھی راضی ہے ان میں سے جب کوئی امام گزر جاتا ہے
 تو اللہ اس کی اولاد میں سے اپنی مخلوق کے لئے دوسرا امام مقرر کر دیتا
 ہے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ امامؑ کا اولاد امام حسین علیہ السلام سے ہونا ضروری
 ہے۔ اور اللہ انہیں میں سے امام مقرر کرتا ہے اور دوسرا عقیدہ جس کی ہم یہاں

نفی کرنا چاہتے ہیں وہ فرقہ زیدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اہل بیت میں سے ہر شخص کا علم برابر ہوتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، بچہ ہو، جوان ہو کہ بوڑھا۔ ۱۷۳۔ ایک تو یہ عقیدہ عقلاً باطل ہے اور دوسرے تاریخ میں بھی بہت سے مواقع وہ ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے بھائیوں کی طرف بعض حضرات نے رجوع کیا ہے اور وہ اپنے علم سے اپنی امامت ثابت نہ کر سکے۔ روضہ کافی میں شیخ کلینیؒ نے حضرت علی بن جعفر (امام موسیٰ کاظم کے بھائی اور امام صادق کے فرزند) سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن حسن نے امام صادق علیہ السلام کو پیام بھجوایا کہ ”انا الشجع منک وانا السخی منک وانا اعلم منک“ میں تم سے زیادہ شجاع، زیادہ سخی اور زیادہ عالم ہوں۔ تو امامؑ نے پیامبر سے کہا کہ ان سے جا کر کہو کہ جنگ کا کوئی موقع نہیں آیا کہ پتا چل سکے کہ تم زیادہ بہادر ہو یا میں اور جہاں تک سخاوت کا تعلق ہے تو سخاوت یہ ہے کہ مال صحیح طریقے سے ہاتھ آئے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مصارف میں خرچ ہو اور جہاں تک اعلم نہ ہونے کا تعلق ہے تو آپ کے دادا حضرت علیؑ نے ایک ہزار غلام آزاد کئے تھے تم ان میں سے ۵ کے نام گنوا دو۔ عبد اللہ نے جب یہ جواب سنا تو کہا ”انت رجل صحفی“ تمہارا علم کتابی ہے تم نے کسی استاد کی شکل نہیں دیکھی جو کچھ کتابوں میں پڑھ لیا بیان کرتے ہو۔ حضرتؑ نے فرمایا ہاں قسم بخدا میرا علم از روئی کتاب ہے لیکن کون سی کتابیں! صحف ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کی رو سے۔ ۱۷۴۔

ایمان کے متعلق حضرت کا فرمان

ایمان کیا ہے؟ اس کے اجزاء کیا ہیں؟ کیا یہ صرف زبان سے اقرار کا نام ہے؟

کیا اس میں دلی تصدیق بھی شامل ہے؟ کیا اعمال سے اسکا کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ کیا ایمان کم و زیادہ بھی ہوتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو امام صادق علیہ السلام کے زمانے میں مختلف فرقوں کے درمیان زیر بحث تھے ایمان کے بارے میں تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس موقع پر تقابل مسالک چاہتے ہیں لیکن اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ایمان کے بارے میں مرجعہ کے مذہب پر تھے جیسا کہ ہم پہلے ثابت بھی کر چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کو انکے ایک ہم عصر شیخ عثمان بستی نے جو ایک مشہور محدث تھے ایک خط لکھ کر بعض مسائل دریافت کئے تھے انکے جواب میں امام ابو حنیفہ نے جو خط تحریر کیا تھا وہ تاریخ میں محفوظ ہے اس خط کے بیشتر مندرجات کو علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں بھی نقل کیا ہے جس کی رو سے ایمان کا اعمال سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یہ کم و زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۷۵۔ اس موضوع پر یوں تو بہت سی احادیث امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہیں لیکن ایک طویل ارشاد ہم یہاں نقل کر نیکی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو ایمان اور اسکے متعلقات کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے اصل عربی متن کے لئے ملاحظہ فرمائیں درج ذیل کتب۔ ۱۷۶

ابو عمرو الزہیری کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی : اے عالم (امام) اللہ کے نزدیک سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ فرمایا جس عمل کے بغیر اللہ کوئی دوسرا عمل قبول نہیں فرماتا۔ میں نے عرض کی وہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا کہ اس اللہ پر ایمان جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں یہی ایمان اعمال انسانی میں اعلیٰ درجہ منزلت میں سب سے اشرف اور فائدہ میں بلند ترین ہے۔ میں نے عرض کی کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ ایمان کیا ہے؟ کیا وہ قول

اور عمل کا نام ہے یا قول بغیر عمل ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان کل کا کل عمل کا نام ہے اور قول تو اس عمل کا ایک حصہ ہے جو خدا نے واجب کیا ہے اور کتاب میں بیان کیا ہے اس وجوب کے ساتھ کہ اس کا نور روشن ہے اور اس کی حجت ثابت اور قرآن اس کی گواہی اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ الثیریری کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں ایمان کی ایسی شرح بیان فرمائیے کہ میں سمجھ جاؤں۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا ایمان کی مختلف حالتیں، درجے، طبقات اور منازل ہیں کوئی درجہ کامل ترین ہے کوئی ناقص ہے اور اس کا یہ نقص بھی ظاہر ہے اور کوئی درجہ راجح ہے اور اس کا راجح ہونا بھی زیادہ ہے۔۔۔۔۔ میں نے عرض کی کیا ایمان بھی مکمل، ناقص اور کم و زیادہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں! عرض کی کیونکر! فرمایا : اللہ تعالیٰ نے فرزند آدم کے اعضاء و جوارح پر بھی ایمان کو فرض کیا ہے اور اسے مختلف اعضاء پر تقسیم کیا ہے ہر عضو انسانی پر ایک ایسا فرض عائد ہے جو دوسرے پر نہیں مثلاً :

دل - (دماغ) جس سے عقل و فہم اور سمجھ کا کام لیا جاتا ہے جو جسم کا امیر ہے کہ دوسرے اعضاء اس کے حکم، فرمان اور رائے کے بغیر نہ کوئی کام کرتے ہیں اور نہ کسی کام کو ترک کرتے ہیں۔ (اصول کافی کی ایک حدیث کی تصریح کے مطابق قلب سے مراد عقل ہے) اور یہاں قلب سے مراد دماغ ہی ہے۔ اور (آنکھیں) ہیں جن سے آدمی دیکھتا ہے اور (کان) ہیں جن سے آدمی سنتا ہے۔ (دونوں ہاتھ) ہیں جن سے اپنی قوت کا اظہار کرتا ہے اور دونوں (پاؤں) ہیں جن سے چلتا ہے اور (مرکز تولید) ہے کہ جنسی خواہش ادھر سے ظاہر ہوتی ہے اور (زبان) جس سے وہ بات کرتا ہے اور (سر) کہ جس میں اسکے رخسار بھی شامل

ہیں۔ پس ان میں ہر ایک کا ایمانی فریضہ دوسرے اعضاء کے ایمانی فریضہ سے جدا ہے اسی دستور پر جو خدا سے ہم تک پہنچا ہے اور قرآن اس پر ناطق و گواہ ہے۔ دل پر جو کچھ واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو کان پر واجب ہے۔ اور جو کان پر واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو آنکھ پر واجب ہے، اور جو آنکھ پر واجب کیا گیا ہے وہ زبان پر واجب نہیں ہے اور جو زبان پر واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو ہاتھوں پر واجب ہے اور جو ہاتھوں پر واجب ہے وہ پاؤں کے فرائض سے مختلف ہے اور جو مرکز تولید پر واجب ہے وہ پاؤں پر واجب نہیں اور جو مرکز تولید پر واجب ہے وہ اس سے مختلف ہے جو رخساروں پر واجب ہے۔ دل (عقل) پر ایمان کا فریضہ ہے اقرار توحید، معرفت الہی، تصمیم اور رضا و تسلیم۔ وہ بھی یوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ ایک ہے نہ اس نے اپنی بیوی بنائی، اور نہ کوئی بیٹا اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ان پر اور ان کی آل پر درود ہو اور اقرار کرنا ہر اس چیز کا جو نئی یا کتاب کی صورت میں اللہ کی طرف سے ہمارے پاس آئی ہے۔ یہی وہ ایمان کا جزء ہے جو اللہ نے قلب پر اقدار و معرفت کی صورت میں عائد کیا ہے اور یہی قلب کا فعل ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے : وہ شخص مستغنی ہے جو مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو لیکن جو کفر کے واسطے سینہ کھول دے (اور خوشی خوشی ایمان کو چھوڑ دے اس پر خدا کا غضب بھی ہے اور عذاب بھی جو درد انگیز ہے۔ ۷۷ (سورہ نحل ۱۶- آیت ۱۰۶) نیز فرمایا آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ (سورہ رعد ۱۳- آیت ۲۸) نیز فرمایا وہ لوگ جو زبان سے تو ایمان لے آئے مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ (اشارہ ہے سورہ

مانندہ کی آیت ۳۱ کی طرف) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا اگر تم لوگ جو کچھ کہ دلوں میں ہے ظاہر کر دیا چھپائے رکھو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا پس جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ (بقرہ۔ آیت ۲۸۴) دل پر اللہ کی طرف سے اقرار اور معرفت کے حوالے سے یہ فریضہ تھا اور یہی دل کا عمل اور اس ایمان ہے۔

اور خدا نے زبان پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ دل کے عقیدہ و اقرار کی بات کہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اور لوگوں سے اچھی طرح کی بات کیا کرو (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۸۳) نیز فرمایا : اور کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا و تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں (یعنی مسلمان ہیں)۔ (عنکبوت ۲۹۔ آیت ۳۶) پس یہ ہے جو اللہ نے زبان پر فرض کیا ہے اور یہی زبان کا عمل ہے۔

اور کان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں کو سننے سے رکے رہیں جن کا سننا خدا نے حرام قرار دیا ہے اور جن کو سننے کی اللہ نے نہی فرمائی ہے اور ایسی باتوں کو سننے کی طرف توجہ نہ دیں جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ : اور تمہارے لئے قرآن میں یہ بات نازل کی ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں سے مذاق اور انکار کیا جانا سنو تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں۔ (سورہ النساء ۴۔ آیت ۱۳۰) بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے بھول اور نسیان کو اس سے مستثنیٰ کیا اور فرمایا : اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم گروہ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو۔ (الانعام ۶۸۔ آیت ۶۸) اور پھر فرمایا : میرے ان بندوں کو بشارت دے دو جو بات سننے اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں وہ لوگ

ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ صاحبان عقل ہیں۔ (الزمرہ ۳- آیت ۱۸) نیز فرمایا : یقیناً فلاح پائی مومنوں نے جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں اور جو مہمل باتوں سے منہ پھیرتے رہتے ہیں اور جو زکات دیتے ہیں۔ (مومنون ۲۳- آیت ۴۱) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا : جب بھی وہ کوئی مہمل بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال (القصص ۲۸- آیت ۵۵) ایک اور موقع پر فرمایا : جب کسی ایسی جگہ سے گزرتے ہیں جہاں لغو باتیں ہو رہی ہوں تو وہ بزرگانہ رکھ رکھاؤ سے گزر جاتے ہیں (الفرقان ۲۵- آیت ۷۲) یہ ہے وہ بات جو ایمان کے حوالے سے سماعت پر فرض کی گئی ہے کہ جو بات حلال نہیں ہے اس کی طرف کان نہ لگائے۔

اور آنکھ پر واجب یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے دیکھنا حرام قرار دیا ہے ان کی طرف نہ دیکھے اور جس کو دیکھنے کی اللہ نے ممانعت کی ہے اور جو حلال نہیں اس سے روگرداں رہے۔ یہی آنکھ کا عمل ایمانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : کہ مومنوں سے کہہ دو کہ جب موقع ہو تو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں (یعنی صرف حرام کے وقت، ہر وقت نہیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (سورہ النور ۲۳- ۳۰) پس انہیں اپنے پوشیدہ مقامات دیکھنے سے منع کیا اور اس سے بھی کہ ایک شخص اپنے کسی بھائی کی شرمگاہ پر نظر کرے اور وہ خود بھی اپنی شرمگاہ کو دوسروں کی نظروں سے بچائے۔ پھر ارشاد خداوندی ہے کہ مومن عورتوں سے کہہ دو کہ جب کوئی ایسا موقع ہو تو اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ (سورہ نور ۲۳- آیت ۳۱) اس سے کہ کوئی عورت اپنی بدن کی

شرمگاہ پر نظر نہ کرے اور خود اپنی شرمگاہ کی بھی حفاظت کرے تاکہ کوئی دوسرا نہ دیکھ پائے۔ نیز امامؑ نے فرمایا کہ ہر وہ موقع جہاں قرآن میں حفظ شرمگاہ کا ذکر ہے وہاں زنا مراد ہے سوائے اس آیت کہ کہ یہاں دیکھنا ہی مراد ہے۔

اس کے بعد دل، زبان اور آنکھ کے اوپر جو امور واجب کئے ہیں ان کو دوسری آیت میں ایک ترتیب سے یوں ارشاد فرمایا اور جو کچھ کہ تم چھپاتے تھے اعمال میں سے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، آنکھیں اور جلدیں گواہی نہ دیں۔ (حم سجدہ ۳۱- آیت ۲۲) جلود یعنی جلدیں اور کھالیں استعارہ ہے شرمگاہ اور رانوں کے لئے۔ نیز فرمایا کہ اس چیز کی پیروی نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں کیونکہ کان، آنکھ اور دل سب ہی سے پوچھ گچھ ہوگی۔ (بنی اسرائیل ۱- آیت ۳۶) یہ ہے وہ فریضہ جو خدا نے آنکھ پر واجب کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدائے عزوجل کے قرار دیئے ہوئے محرمات کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے اور یہی آنکھ کا ایمان عمل ہے۔

خدا نے ہاتھ پر واجب قرار دیا ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی طرف نہ بڑھیں اور جس کی طرف بڑھنے کا حکم دیا ہے صرف اس طرف دراز ہوں اور ان پر صدقہ دینا، صلہ رحم، جہاد در راہ خدا اور نماز کی خاطر طہارت واجب قرار دی ہے اور فرمایا کہ ایمان والو جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھوؤ اور ہاتھ کھنیوں تک اور اپنے سروں کے کچھ حصے اور پیروں کا مسح کرو گئوں تک۔ (المائدہ ۵- آیت ۶) یہ بھی ارشاد فرمایا جب کافروں سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں مارو اور جب انہیں مار مار کے زخموں سے چور کر کے گرفتار کر لو تو ان کی مشکلیں کس دو اور اس کے بعد یا تو احسان کرو یا فدیہ لے لو یہاں تک کہ دشمن جنگی ہتھیار پھینک دے۔ (سورہ محمد ۴- آیت ۴) اللہ کی طرف سے یہ ہاتھوں کا

عمل ہے۔ ضرب لگانا ہاتھ کا کام ہے۔

اور پیر پر واجب کیا کہ وہ اللہ کی نافرمانیوں کے واسطے نہ چلیں اور جب بھی انہیں بڑھایا جائے ایسے کام کے لئے بڑھایا جائے جو اللہ کی خوشنودی کا سبب ہو۔ اسی لئے فرمایا : زمین پر متکبرانہ چال نہ چلو تم زمین کو پھاڑ تو نہ ڈالو گے اور نہ اکڑ کی وجہ سے بلندی میں پہاڑ کے برابر ہو جاؤ گے۔ (الاسراء ۱- آیت ۳۷) نیز فرمان الہی ہے کہ چلنے میں میانہ روی قائم رکھو اور اپنی آواز کو بھی دھیمہ کرو کیونکہ سب سے کرخت آواز گدھے کی آواز ہے۔ (سورہ لقمان ۳۱- آیت ۱۹) یہ بھی ذکر کیا کہ ہاتھ اور پاؤں خود اپنے خلاف گواہی دیں گے اور انسان پر فرد جرم عائد کریں گے کہ اس نے انہیں اللہ کے حکم اور اپنی ذمہ داری کے برخلاف استعمال کیا۔ قرآن میں فرمایا : کہ آج کے روز ہم یوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پیر گواہی دیں گے جو کچھ کہ یہ کام کرتے تھے۔ (یسین ۳۶- آیت ۶۵) ہاتھ اور پیروں کا یہ فرض تھا جو خدا نے ان پر عائد کیا یہی ان دونوں کا عمل ایمانی ہے۔

اور چہرے پر یہ فرض کیا کہ صبح شام نماز کے اوقات اسے سجدے کریں ارشاد فرمایا : اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ (الحج ۲۲- آیت ۷۷) پس یہ ایک جامع فریضہ ہے جو چہرے، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں پر عائد ہے اور ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا : عبادت گاہیں اللہ کے لئے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (الحج ۷۲- آیت ۱۸) اعضاء و جوارح پر جو فرائض طہارت اور نماز کے لئے عائد کئے ان کا ذکر قرآن کی ان آیات میں آیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جب اللہ تعالیٰ

نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ البیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف موڑا تو یہ آیت نازل فرمائی : خدا ایسا نہیں کہ تمہارا ایمان ضائع کر دے بے شک اللہ لوگوں پر شفیق و رحیم ہے۔ (البقرہ ۲- آیت ۱۲۳) اس آیہ مبارکہ میں نماز کو ایمان کا نام دیا گیا ہے اب جو شخص بھی اللہ کی بارگاہ میں اپنے اعضاء جسمانی کی حفاظت اور ان اعضاء پر عائد اعمال ایمانی کے فرائض کی بجا آوری کے ساتھ حاضر ہو گا وہ اللہ سے کامل الایمان کی حیثیت میں ملے گا اور وہ اہل جنت میں سے ہو گا اور جو ان امور میں سے کسی میں خیانت کرے گا یا اللہ کے احکام سے تجاوز کرے گا ان امور میں تو وہ اللہ سے ناقص الایمان کی حیثیت سے ملاقات کرے گا۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کہ میں ایمان کے نقصان اور کمال کو تو سمجھ گیا یہ فرمائیے کہ ایمان میں زیادتی کس راہ سے ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے (منافقین) ایک کہتا ہے کہ اس آیت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا۔ پس جو لوگ ایماندار ہیں آیت ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہے اور وہ اس سے شادمان ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کے دل مریض ہیں تو پلیدی ان کی پلیدی میں اضافہ کر دیتی ہے۔ (سورہ التوبہ ۹ - آیت ۱۲۳، ۱۲۵) دوسرے موقع پر ارشاد باری ہے : ہم ان کی داستان نہیں سچ سچ سناتے ہیں وہ جو ان لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تو ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کر دی۔ (الکہف ۱۸ - آیت ۱۳) اگر ہر شخص کا ایمان ایک سا ہوتا تو نہ اس میں کمی ہوتی اور نہ زیادتی اور ہی ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوتی اور اللہ کی ایمانی نعمتیں (اس کی مخصوص ہدایتیں) سب پر

برابر ہوتیں (اور لوگ بہشت میں برابر ہوتے) تمام افراد اس لحاظ سے برابر ہو جاتے اور فضیلت کا تصور ختم ہو جاتا۔ لیکن ایمان کے کامل ہونے کی وجہ سے (یعنی تصدیق قلبی، واجبات پر عمل اور کبار سے اجتناب) مؤمن داخل بہشت ہو گئے اور ایمان میں زیادتی کے سبب (جو عبارت ہے مستجابات پر عمل کرنے، مکروہات کو چھوڑنے اور تحصیل اخلاق حمیدہ سے) مؤمنین کے درجات اللہ کے نزدیک بڑھتے ہیں اور ایمان میں نقصان کے سبب (جو عبارت ہے فرائض و واجبات میں کوتاہی سے) کوتاہی کنندگان دوزخ میں جائیں گے۔ (انتہی الترجمہ)

ایمان پر ایسی پر اثر اور مدلل تقریر ہماری نظر سے کیس اور نہیں گزری اس لئے ہم نے اسے یہاں مکمل نقل کر دیا ہے تاکہ اردو دان حضرات بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

امام جعفر صادقؑ اور تربیت علماء

امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے مدرسے کا حال آپ اوپر پڑھ چکے ہم نے مختصر یہ بھی بیان کر دیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا مدرسہ کتنا عظیم الشان تھا اور آپ کس طرح درس دیتے تھے، ہم نے مختصر اس عمد کی کلامی کیفیت اور امام علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں ان کا مختصر جائزہ بھی لے لیا۔ ہم نے چند ان افراد کے نام بھی گنوا دیئے جو امام علیہ السلام کے مدرسے کے تعلیم یافتہ تھے اور علمائے اہل سنت نے جن سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ گو کہ یہ موضوع نہایت تفصیل طلب ہے جس کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم امام علیہ السلام کے ثقہ شاگردوں میں (۴۰۰۰) چار ہزار افراد کا نام پاتے ہیں۔ اب اختصار کے پیش

نظر یہاں ہم امام علیہ السلام کے چند فقیہ شاگردوں کا ذکر کریں گے جنہیں خاص طور پر ہمارے مذہب میں اہمیت حاصل ہے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

- (۱) ابان بن تغلب (۲) ابان بن عثمان بن احمر البجلی ابو عبد اللہ اصلہ الکوفی
- (۳) کبیر بن اعین (۴) جمیل بن دراج (۵) حماد بن عثمان بن زیاد الرواسی
- الکوفی (۶) الحارث بن مغیرہ النصری (۷) ہشام بن الحکم البغدادی الکندی
- (۸) المصلی بن خنيس (۹) برید البجلی (۱۰) جمیل بن صالح الاسدی الکوفی
- (۱۱) حماد بن عیسیٰ (۱۲) حبیب بن ثابت (۱۳) حمزہ بن الثیرار (۱۴) محمد بن علی بن النعمان البجلی الکوفی المعروف مومن الطاق۔

اب ہم ان میں سے ہر فرد کا ذرا تفصیلی ذکر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ مدرسہ امام سے کیسے کیسے نابغہ ہائے روزگار تربیت پا کر نکلے جنہوں نے بعد میں ایک عالم کو اپنے فیوض و برکات سے معمور کیا۔

(۱) ابان بن تغلب

ابوسعبد الکوفی انہوں نے ۳۱۰ھ کا زمانہ پایا یعنی امام زین العابدینؑ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور انہیں کے دور امامت میں ۱۲۱ھ میں انتقال فرمایا۔ شیخ طوسیؒ نے ”الفہرست“ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ابان بن تغلب بن ربیع ابوسعبد البکری الحریری یہ جریر بن عباد کے غلام تھے، ثقہ ہیں اور ہمارے اصحاب میں جلیل القدر اور عظیم المنزلہ ہیں انہوں نے امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہما السلام کی خدمت میں حاضری دی اور امام محمد باقرؑ نے ان سے

فرمایا : ”اجلس فی مسجد المدینہ وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعۃ مثلیک“ مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو فتویٰ دو کیونکہ مجھے یہ پسند ہے کہ میرے شیعوں میں تمہارے مثل لوگ ہوں۔ ۱۷۸ھ۔ وہ قاری تھے، فقیہ تھے، لغوی تھے۔ یہ بات نجاشی اور طوسی اور علامہ حلی نے کہی ہے۔ نجاشی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ تمام علوم میں دوسروں پر سبقت رکھتے تھے۔ قرآن، فقہ، حدیث، ادب اور لغت والنحو وغیرہ میں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام صادقؑ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان کے بارے میں احادیث میں کثرت سے مدح آئی ہے اور علماء اہل تسنن نے بھی ان کی مدح کی ہے۔ ۱۷۹ھ۔

(۱) یاقوت الحموی نے لکھا ہے کہ یہ قاری تھے، لغوی تھے، امامی فقیہ تھے۔ ثقہ اور عظیم المنزلت، جلیل القدر تھے۔ امام علی بن الحسینؑ اور امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اہل عرب سے بھی سماع کیا اور غریب القرآن وغیرہ پر کتاب لکھی۔ ۱۸۰ھ۔

(۲) ذہبی کہتے ہیں کہ : ابان بن تغلب شیعہ ہیں سچے سمجھے جاتے ہیں لیکن بدعتی تھے۔ ہمیں ان کی سچائی سے واسطہ ہے ان کی بدعتیں ان کے ساتھ۔ احمد بن حنبل و ابن معین نے ان سے روایت کی ہے ان سے موسیٰ بن عقبہ و شعبہ و حماد بن زید، ابن عیینہ اور ایک جماعت نے روایت کرتی ہے۔ ۱۸۱ھ۔

(۳) ابن عدی کہتے ہیں کہ وہ روایت میں سچے ہیں گو کہ ان کا مذہب شیعہ ہے لیکن وہ روایت میں درست ہیں ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) حاکم کہتے ہیں۔ وہ شیعہ ہیں ثقہ ہیں۔ ابن عیینہ نے ان کی مدح فصاحت کے

ساتھ کی ہے۔

(۵) عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو ان کی عقل، ادب اور صحت حدیث کی تعریف کرتے سنا لیکن یہ کہ وہ غالی شیعہ ہے۔

(۶) ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۱۸۲

امام مسلم نے اپنی صحیح میں، ترمذی نے جامع میں، ابو داؤد نے مسند میں، نسائی نے سنن میں، ابن ماجہ نے سنن میں ان سے روایت لی ہے اور یہ اہل تشنن اور اہل تشوہ... نوں کے نزدیک قابل اعتماد سمجھے جاتے ہیں۔

ایمان کا علم اور اساتذہ

ایمان بن تغلب کے علمی مقام کے اظہار کے لئے یہی کافی ہے کہ امام محمد باقرؑ نے انہیں مسجد نبوی میں بیٹھ کر فتویٰ دینے کا حکم دیا تھا۔ جہاں انہوں نے امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے علم حاصل کیا تھا اس کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا تھا جن میں سے ایک حکم بن حبیہ الکندی المتوفی ۱۵۵ھ تھے یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں، عالم حدیث تھے۔ دوسرے فضیل بن عمر الفقیہی ابو النظر الکونی المتوفی ۱۱۰ھ ہیں ان سے سوائے بخاری کے صحاح خمسہ کے مصنفین نے روایت کی ہے۔ اور تیسرے ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ الحمدانی السبعی المتوفی ۱۲۷ھ ہیں۔ تابعین میں بڑے درجے پر ہیں اور صحاح ستہ کے راوی بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان بن تغلب کو ہم اقوال علماء اور اختلاف علماء کا ماہر بھی پاتے ہیں جو فتویٰ دینے

کے لئے ضروری ہے۔

آپ کی جلالت قدر کا یہ عالم تھا کہ علامہ محمد بن علی الارونجلی الحائری لکھتے ہیں کہ۔

”و روی انه دخل علی ابی عبداللہ علیہ السلام فلما
بصر بہ امر بہ سادۃ فالقیٰ لہ وصافحہ واعتنقہ
وسائلہ ورحب بہ وانه کان اذا قدم المدینہ تقوضت
الیہ الخلق واخلیت لہ ساریہ النبی صلی اللہ و آلہ
”اور یہ روایت ہے کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملنے آئے تو
جیسے ہی آپ نے انہیں دیکھا گاؤں تکبہ لگانے کا حکم دیا جو ان کے لئے رکھ
دیا گیا آپ نے ان سے ہاتھ ملایا، گلے ملے اور ان کا حال احوال پوچھا
انہیں خوش آمدید کہا اور جب مدینہ تشریف لے جاتے تو طالبان درس
ٹوٹ کر ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم کی مخصوص نشست گاہ خالی کر دی جاتی۔“ ۱۸۳

ابان کے شاگردوں میں موسیٰ بن عقبہ الاسدی المتوفی ۱۴۱ھ صاحب مغازی
اور شعبہ بن الحجاج، حماد بن زید الازدی، سفیان بن عیینہ، محمد بن خازم التمیمی،
عبداللہ بن مبارک بن واضح الحنظلی وغیرہ شامل ہیں اور علمائے رجال نے
لکھا ہے کہ ایک خلق کثیر نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ انہیں امام صادق علیہ السلام کی ۳۰ ہزار حدیثیں
یاد تھیں۔ ۱۸۴۔ سلیم بن ابی جبہ کہتے ہیں کہ میں امام صادق کی خدمت میں حاضر
ہوا جب میں نے چاہا کہ اب میں امام سے اجازت لوں اور واپس آؤں تو میں نے

امام سے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کچھ زاد راہ دیں۔ آپ نے فرمایا : تمہارے پاس ابان بن تغلب موجود ہیں انہوں نے مجھ سے بہت زیادہ روایتیں سنی ہیں۔ پس جو حدیث وہ تم سے روایت کریں تم میری حدیث کی حیثیت سے اسے روایت کر سکتے ہو۔

مصنفات ابان

ابان بن تغلب کے بہت سے مصنفات کا ذکر ہمیں کتابوں میں ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تقریباً تمام علوم اسلامیہ میں کتابیں تالیف کیں۔ ان میں چند مشہور مصنفات کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔

(۱) غریب القرآن : یہ اس موضوع پر پہلی کتاب ہے اس لئے یہ علم اللغہ کی اساس شمار ہوتی ہے اور اس میں الفاظ قرآنی کے مفہوم پر اشعار عرب سے استدلال کیا ہے۔ ان کے بعد ہی عبد الرحمن بن محمد بن الازدی الکوفی نے کتاب لکھی جس میں ابان کی تالیف کردہ کتاب کے مفہیم کو دوبارہ جمع کیا اور محمد بن سائب الکلبی اور ابی ورقہ عطیہ بن الحرث کی کتابوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اس کتاب میں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ان علماء میں کہاں کہاں اتفاق ہے اور کہاں کہاں اختلاف اس طرح کبھی ابان کی رائے منفرد سامنے آئی ہے کبھی مشترکہ طور پر۔

(۲) کتاب الفضائل : اس میں مختلف امور کے فضائل جمع کئے ہیں۔

(۳) کتاب معانی القرآن :

(۴) کتاب القراءات : علم القراءات میں آپ کا درجہ وہ ہے کہ ایک مستقل قراءت آپ کی موجود ہے۔

(۵) کتاب الاصول فی الروایۃ علی مذہب الشیعہ : اس کا ذکر ابن ندیم نے بھی الفہرست میں کیا ہے۔ ۱۸۵۔

(۲) ابان بن عثمان بن احمر البجلی

ابو عبد اللہ الکوفی کبھی کوفہ میں رہتے اور کبھی بصرہ میں۔ ان دونوں مقامات کے رہنے والوں نے ان سے استفادہ کیا ہے ان میں ابو عبیدہ معمر بن شعثی، ابو عبد اللہ محمد بن سلام وغیرہ شامل ہیں۔ ان سے اکثر شعراء کے حالات نسب اور لڑائیوں کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ آپ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں ان کی کئی کتابیں ہیں ان میں کتاب 'المبتدی'، 'البعث'، 'المغازی'، 'الوفاة'، 'القیفہ'، 'الردۃ' وغیرہ شامل ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ محمد بن ابی عمر کہتے ہیں کہ ابان لوگوں میں سب سے زیادہ قوی الحافظ تھے اگر کوئی کتاب پڑھ لیتے تو حرف بہ حرف یاد رکھتے۔ ان کا انتقال دوسری صدی کی ابتداء میں ہوا۔ ۱۸۶۔ علامہ اسد حیدر سے یہ تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں ابان بن عثمان بن احمر البجلی کا جو ترجمہ لکھا ہے۔ ۱۸۷۔ وہی ترجمہ دوسری جلد ۷۸۷ میں ابان بن عثمان بن یحییٰ بن ذکریا اللؤلؤی المتوفی ۲۰۰ھ کا لکھ دیا ہے حالانکہ اس نام کا کوئی راوی شیعہ کتب رجال میں موجود نہیں۔ صاحب تنقیح المقال نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی ایک بڑی کتاب لکھی تھی جس میں 'المبتداء'، 'البعث'، 'المغازی'، 'الوفاة' اور 'القیفہ' نامی کتابیں شامل تھیں۔ ۱۸۹۔ صاحب جامع الرواۃ علامہ محمد بن علی الاربدیلی نے اپنی کتاب جامع الرواۃ میں انہیں غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ علامہ مامقانی نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کر کے

انہیں ”ثقة علی الاقویٰ“ قرار دیا ہے۔ ۱۹۰۔ ابان بن عثمان سے کثیر تعداد میں لوگوں نے روایت کی ہے جن میں الحسن بن علی الوشاء، علی بن الحکم الکوفی، فضالہ بن ایوب، الحسن بن سعید، صفوان بن یحییٰ، عیسیٰ القراء، جعفر بن ساعد وغیرہ شامل ہیں۔ وہ خود بھی امام صادقؑ کے علاوہ آپ کے اصحاب سے بھی روایت کرتے ہیں مثلاً زرارہ بن اعین، فضیل بن یسار، عبدالرحمن بن ابی عبداللہ وغیرہ۔ ۱۹۱۔

(۳) بکیر بن اعین الشیبانی

یہ زرارہ بن اعین کے بھائی ہیں امام محمد باقر اور امام جعفر الصادق علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں امام صادقؑ کے زمانے میں انتقال کیا جب امام کو آپ کی وفات کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا : قسم بخدا اللہ نے بکیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے درمیان اتارا ہے۔ ۱۹۲۔ اسی طرح ایک دن آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ بکیر پر اپنی رحمت نازل کرے۔ آپ ثقہ ہیں اور ایک جماعت آپ سے روایت کرتی ہے۔

(۴) جمیل بن دراج بن عبد اللہ النخعی

یہ مشہور عالم اور صحابی ہیں امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے بھائی نوح بن دراج دولت عباسیہ میں قاضی تھے اور وہ اپنا محب اہل بیت ہونا چھپاتے تھے جمیل سن میں نوح سے بڑھے تھے اور آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے ان کا انتقال امام رضا علیہ السلام کے عہد میں ہوا (خلاصہ الرجال۔ رجال نجاشی) ان کی ایک کتاب بھی ہے جو ان سے ابن ابی عمیر نے روایت کی ہے۔ ایک کتاب انہوں نے محمد بن حمران کے اشتراک سے لکھی

اور دوسری کتاب مرازم بن حکیم کے اشتراک سے (رجال نجاشی)۔ ان کا شمار ان اصحاب میں ہوتا ہے جن کی روایت کی صحت مسلم ہے اور جن کا قول معتبر جن کی تصدیق ثابت اور جن کی فہم و بصیرت کا اقرار علمائے کبار نے کیا ہے یعنی جمیل بن دراج۔ عبد اللہ بن مکان، عبد اللہ بن بکیر، حماد بن عیسیٰ، حماد بن عثمان اور ابان بن عثمان۔ ”قالوا وزعم ابو اسحاق الفقیہ یعنی ثعلبہ بن میمون ان افقہ ہولاء جمیل بن دراج وہم احدث اصحاب ابی عبد اللہ علیہ السلام“ (الکشی)۔ ۱۹۳۔ علماء کہتے ہیں کہ ثعلبہ بن میمون ابو اسحاق الفقیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان حضرات میں بھی فقیہ تر جمیل بن دراج تھے اور یہ حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہترین اصحاب میں سے ہیں۔ ان سے حسن بن محبوب، صالح بن عقبہ، عبد اللہ بن جبہ، ابوالکالحضرمی، محمد بن عمرو وغیرہ نے روایت کی ہے۔ علماء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ جب تک نوح بن دراج نے اپنے بھائی جمیل کے ذریعے امام سے اجازت حاصل نہ کر لی قاضی کا عمدہ قبول نہ کیا۔ ۱۹۳۔

(۵) حماد بن عثمان

بن زیاد الرواسی الکوفی المتوفی سن ۱۹۰ء ان کا شمار ان چھ اصحاب میں ہے جن کی فقہیت اور صحت پر علماء کا اتفاق ہے حماد بن عثمان نے امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہم السلام سے روایت کی ہے نیز ائمہ کے بہت سے اصحاب سے بھی روایت کرتے ہیں ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان میں محمد بن الولید، علی بن مہریار، صفوان بن یحییٰ وغیرہ شامل ہیں۔

ان کو عثمان الناب بھی کہا جاتا ہے انکے دوسرے دو بھائی جعفر اور حسین بھی امام کے صحابی ہیں۔ ۱۹۵۔

(۶) الحارث بن المغیرہ النصری

امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تینوں سے روایت کرتے ہیں۔ جلیل القدر اور مقبول الروایہ تھے ان کی منزلت بہت عظیم ہے۔ ایک کتاب بھی ان کی ہے جو ان سے صفوان روایت کرتے ہیں (نجاشی، خلاصہ الرجال، فرست طوسی) یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس پناہ گاہ نہیں ہے؟ کیا تمہارے پاس آرام گاہ نہیں ہے جہاں تم لوگ آرام کر سکو۔ تمہیں کس چیز نے حارث بن المغیرہ النصری سے باز رکھا ہے تم ان کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے۔ (خلاصہ الرجال۔ الکشی)۔ ۱۹۶۔

(۷) ہشام بن الحکم البغدادی الکندی

المتوفی ۱۹۷ھ۔ یہ ایسی بزرگ ہستی ہیں کہ تاریخ اسلام اور کتب رجال میں ان کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے اور مخالف و موافق سب ہی نے آپ کی تعریف کی ہے گو کہ چند تنگ نظریے بھی ہیں جنہوں نے ہشام بن الحکم پر بے بنیاد الزامات لگائے ہیں لیکن ان کا قابل وثوق مصادر سے کوئی تعلق نہیں۔ جی تو چاہتا ہے کہ ہشام بن الحکم جیسی شخصیت پر بہت تفصیل سے لکھوں اور اگر کبھی اللہ نے توفیق دی تو اس پاسدار ولایت پر مستقل کتاب لکھوں گا لیکن یہاں طوالت کے خوف سے مختصر ان کی زندگی کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ہشام بن الحکم کوفہ میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کوفہ مختلف مذاہب اسلامیہ کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ علم کلام کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ہر فرقے کے لوگ یہاں آباد تھے اور ایک دوسرے سے بحث مباحثے میں مصروف رہتے تھے۔ ہشام نے اسی ماحول میں پرورش پائی اور مختلف مذاہب اور ان کے مباحث کو ان کے متکلمین سے حاصل کیا۔ بعد ازاں وہ بغداد تجارت کی غرض سے گئے اور ایک عرصے کے بعد وہیں سکونت اختیار کر لی اور مدینہ السلام میں کرخ کے محلے میں ”قصر وضاح“ کو مسکن قرار دیا ان کا ایک گھر واسطہ میں بھی تھا۔ آپ تجارت کی غرض سے ایک شہر سے دوسرے شہر آتے جاتے رہتے اور اس دوران ان شہروں میں مناظرے کرتے چنانچہ ہشام کا شمار ان کے استدلال اور مناظروں کی وجہ سے اس عہد کی ممتاز ترین شخصیات میں ہونے لگا۔

امام تک رسائی

ہشام جب مختلف مذاہب کا مطالعہ کر چکے اور فلسفہ پر بھی خاص عبور حاصل کر چکے تو انہوں نے ایک کتاب ”الرد علی ارسطاطالیس“ تالیف کی جس میں ارسطو کے فلسفے پر تنقید کی۔ بعد ازاں وہ فرقہ جمیہ کے سرغنہ جہم بن صفوان سے متاثر ہوئے۔ امام کی خدمت میں پہنچنے کا واقعہ ہشام کے چچا عمر بن یزید بن ذبیان نے یوں بیان کیا ہے کہ میرا بھتیجا بہت تیز طرار اور گستاخ تھا اس نے امام سے ملاقات کی خواہش کی تو میں نے کہا کہ امام سے اجازت لینے کے بعد لے چلوں گا۔ میں نے امام سے اجازت طلب کی بعد ازاں میں ہشام کو آپ کے پاس لے گیا۔ ہشام نے اس مجلس میں امام سے مختلف سوالات پوچھے امام نے ان کا

مکمل جواب دیا پھر خود چند سوال کئے جس کے لئے امامؑ سے ہشام نے مہلت طلب کی چند دن بعد ہشام دوبارہ آئے تو امامؑ نے خود ہی ان سوالات کے جوابات دے دیئے اور چند اور سوالات کئے جو فرقہ جہمیہ سے متعلق تھے ہشام نے پھر مہلت مانگی اور لا جواب ہو کر چند دن بعد پھر امامؑ کی خدمت میں آئے امامؑ نے انہیں حقیقت سے آگاہ کیا۔ پھر امامؑ نے کہا کہ کل میں تمہیں حیرہ کے مقام پر فلاں وقت ملوں گا تم وہاں میرا انتظار کرنا۔ وہ وہاں پہلے سے پہنچ کر امامؑ کا انتظار کرنے لگا وہ کتنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ ایک اونٹ پر سوار چلے آ رہے ہیں آپ انتہائی شان و شوکت سے تشریف لا رہے تھے جوں جوں آپ قریب آتے جاتے آپ کی عظمت و ہیبت میں اضافہ ہوتا جاتا امامؑ نے انتظار کیا کہ میں کچھ کموں لیکن مجھ پر ہیبت اتنی تھی کہ میں کچھ نہ بول سکتا تھا میں نے یقین کر لیا کہ یہ ہیبت اللہ کی طرف سے ہے پس میں نے اپنا سابقہ مذہب چھوڑا اور دل و جان سے امامؑ کے ساتھ ہو گیا۔ ۱۹۷۔

علامہ مامقانی نے تحریر فرمایا ہے کہ اپنی پہلی نشست میں ہشام نے امامؑ سے پانچ سو مسائل دریافت کئے اور امامؑ نے ان سب کا جواب دیا بس وہیں سے ایسی ہیبت امامؑ ان کے دل پر بیٹھی کہ جب تک زندہ رہے پاسداران ولایت میں رہے۔ ۱۹۸۔

یہ تمام مسائل کلامی نوعیت کے تھے۔ ۱۹۹۔

اساتذہ کرام و شاگرد

ہشام نے علم الفقہ، الحدیث، تفسیر وغیرہ امام صادقؑ سے حاصل کی تھی ویسے کوفہ میں رہنے کی وجہ سے انہوں نے بہت سے لوگوں سے استفادہ کیا تھا لیکن بعد میں مکمل طور پر اپنے آپ کو حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت کے لئے وقف

کر دیا تھا۔ انہوں نے آپؐ سے بے شمار احادیث روایت کی ہیں علماء نے لکھا ہے کہ :

”وكان الامام الصادق يكرمہ ويرفع من مقامه“۔ ۲۰۰۔
 امام صادقؑ ان کی بہت عزت و تکریم کرتے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے۔ ان کی ایک کتاب اصول اربع ماہ میں شامل ہے جسے شیخ طوسیؒ نے بہت سے اصحاب سے روایت کیا ہے۔ جب امام صادقؑ کا انتقال ہو گیا تو یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے وابستہ ہو گئے اور ان سے بڑا فیض حاصل کیا۔ ان کے شاگردوں میں نصر بن سويد الصيرفي، نشیط بن صالح العجلي، یونس بن عبد الرحمن مولیٰ آل یقطین وغیرہ شامل ہیں۔

تالیفات

جناب ہشام بن الحکم کی بہت سی تالیفات کا ذکر علمائے کرام نے کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

- (۱) کتاب الامامہ (۲) کتاب الدلالات علی حدوث الاشياء (۳) کتاب الرد علی الزنادقة (۴) کتاب الرد علی اصحاب الاشئین (۵) کتاب الرد علی ہشام الجوالیقی (۶) کتاب الرد علی اصحاب الباطع (۷) کتاب الشیخ والغلام (۸) کتاب التدبیر (۹) کتاب المیزان (۱۰) کتاب الرد علی من قال بامامہ المفضول (۱۱) کتاب اختلاف الناس فی الامامہ (۱۲) کتاب الوصیہ والرد علی من انکرھا (۱۳) کتاب فی الجبر والقدر (۱۴) کتاب المحکمین (۱۵) کتاب الرد علی المعتزلہ فی علو والذلیل (۱۶) کتاب القدر (۱۷) کتاب الالفاظ (۱۸) کتاب

الرد علی ارسطی طالیس۔

ہشام کے مناظرے

یوں تو جناب ہشام بن الحکم کی پوری زندگی مناظروں میں گزری وہ جب امام جعفر صادقؑ کے دامن سے وابستہ نہیں ہوئے تھے جب بھی مناظروں میں مشہور تھے اور بعد میں تو ان کے مناظرے زیادہ ترامت کے اثبات میں ہوئے۔ چند مشہور مناظروں کی فہرست یہ ہے۔ (۱) فرقہ اباضیہ سے مناظرہ (۲) براہمہ سے مناظرہ (۳) حجت خدا کی طرف لوگوں کی احتیاج پر مناظرہ (۴) اہل شام کی ایک جماعت سے مختلف موضوعات پر مختلف مقامات پر مناظرے (۵) حضرت علیؑ کا دوسروں سے زیادہ مستحق خلافت ہونا (۶) جمیع امت پر حضرت علیؑ کی فضیلت اور آئیہ مبارکہ ثنی الثنین سے غلط استدلال پر مناظرہ (۷) حضرت علیؑ سے موالات کے وجوب پر مناظرہ (۸) امامت حق کی اطاعت کے لازم ہونے پر مناظرہ (۹) ابی شاکر الدیلمانی سے متعدد مناظرے (۱۰) جاثلیق نصرانی سے مناظرہ (۱۱) نفی حجت اور عدم ثنویت پر مناظرہ (۱۲) ابن ابی العوجاء سے مناظرہ (۱۳) ابو حنیفہ سے متعدد مناظرے (۱۴) ابراہیم بن یسار المعتزلی سے مناظرے (۱۵) ابی الحدیث العلاف معتزلی سے مناظرے۔

ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں ہشام کے مناظرے کتب تاریخ و رجال میں

موجود ہیں۔۔۔ ۲۰۱

ان کے بارے میں ائمہؑ کے اقوال

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ”یا ہشام لا زالت مؤیداً بروح

القدس“ یعنی اے ہشام تمہیں ہمیشہ روح القدس کی تائید حاصل رہے۔
دوسرے موقع پر امام صادقؑ نے فرمایا۔

”هنا ناصرنا بقلبه ولسانه“

”یہ قلب و زبان دونوں سے ہماری نصرت کرنے والا ہے۔“

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

”هشام رائد حقنا المئود لصدقنا والدافع لباطل
اعدائنا۔ من تبع و تبع امره تبعنا ومن خالفه فقد
عادانا“

”یعنی ہشام ہمارے حق کا سراغ رساں، ہماری صداقت کا مئید، ہمارے
اعداء کی باطل باتوں کا دفع کرنے والا ہے۔ جس نے اس کی اتباع کی اور
اس کے احکام کی اتباع کی اس نے گویا ہماری اتباع کی اور جس نے اس
کی مخالفت کی اس نے ہم سے عداوت کی۔“

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا :

”رحمه الله كان عبدنا صاحبنا واذى من قبل اصحابه
حسدا منهم له“

”اللہ ان پر رحمت کرے وہ عبدنا صحیح تھے ان کے حسد میں ان کے
اصحاب نے انہیں اذیتیں دیں۔“

امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا۔

”هشام بن الحكم رحمه الله ما كان اذبه عن هذه
الناحية“

”ہشام بن الحکم اللہ ان پر رحمت کرے وہ کسی طرف سے ہم پر حرف
نہیں آنے دیتے تھے۔“ ۲۰۲

(۸) مغل بن خنیس المدنی

مولا ابی عبد اللہ جعفر الصادق علیہ السلام۔ ان کے بارے میں علماء نے کثرت
سے مدحیہ اقوال نقل کئے ہیں اور کیوں کہ غالیوں نے بہت سی باتیں آپ سے
منسوب کر دی ہیں لہذا بعض علماء نے آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (نجاشی) ابن
الغضائری کہتے ہیں کہ پہلے ان کا امر متغیر تھا پھر یہ جناب محمد بن عبد اللہ النفس
الزکیہ سے جا ملے جس کی وجہ سے داؤد بن علی نے انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا۔
ابن الغضائری کہتے ہیں کہ میں ان کی روایت کردہ احادیث پر اعتماد نہیں کرتا۔ اس
کی وجہ بقول ان کے غالیوں کا ان کی طرف بہت سی باتیں منسوب کرنا ہے۔ شیخ ابو
جعفر الطوسی نے کتاب الغیب میں لکھا ہے کہ آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے
امور کے نگران تھے اور انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اور یہ بات ان کے عادل ہونے
کے لئے کافی ہے (خلاصہ الرجال للہمی) اور الکشی نے لکھا ہے کہ جب امام صادق
علیہ السلام کو آپ کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے کہا ”اما واللہ لقد دخل
الجنة“ قسم بخدا وہ جنت میں داخل ہوئے۔ ۲۰۳

المسمعی کہتے ہیں کہ جب داؤد بن علی نے مغل بن خنیس کو گرفتار کیا اور ان کو
قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے مغل بن خنیس نے کہا کہ میرے پاس مال کثیر ہے
مجھے لوگوں کے پاس لے چلو تاکہ میں انہیں ان کا مال دے دوں۔ اس کے سپاہی
انہیں بازار میں لے گئے جب سب لوگ جمع ہو گئے تو مغل نے لوگوں سے مخاطب

ہو کر کہا کہ جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ جان لے کہ میں معلیٰ بن خنیس ہوں ہم گواہ رہو کہ میں جو کچھ بھی مال، قرضہ، لونڈی غلام یا گھر ترکے میں چھوڑوں خواہ کم ہو خواہ زیادہ وہ سب کاسب امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے۔ یہ سنتا تھا کہ سپاہیوں کے افسر نے ان پر سختی کی اور انہیں قتل کر ڈالا۔ جب یہ بات امام صادق علیہ السلام کو پتہ چلی تو آپ غصے کی حالت میں اس طرح گھر سے نکلے کہ چادر زمین پر لٹک رہی تھی اور داؤد بن علی کے پاس پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے اسماعیل پیچھے پیچھے تھے اور کہا اے داؤد تو نے ہمارے چاہنے والے کو قتل کر دیا اور میرا مال قبضے میں لے لیا۔ اس نے کہا میں نے انہیں قتل نہیں کیا اور نہ ہی آپ کا مال ہتھیایا۔ آپ نے فرمایا واللہ جس نے ہمارے غلام کو قتل کیا اور ہمارا مال غصب کیا اس کے حق میں اللہ سے میں بددعا کروں گا۔ اس نے کہا کہ میں نے قتل نہیں کیا بلکہ سپاہیوں کے افسر نے انہیں قتل کیا ہے۔ آپ نے پوچھا تمہارے حکم سے یا بغیر تمہارے حکم کے؟ داؤد نے جواب دیا میرے بغیر اذن کے اور کہا اسماعیل اب تمہارا کام ہے۔ پس اسماعیل تلوار ہاتھ میں لے کر چلے اور اس پولیس افسر کو وہیں قتل کر دیا۔

مسمعی ہی نے امام صادق کے غلام معتب سے روایت کی ہے کہ امام ہمیشہ رات عبادت میں گزارتے تھے ایک روز میں نے دیکھا کہ آخری رات کے حصے میں سجدے میں دعا مانگ رہے ہیں یہاں تک کہ شور ہوا کہ داؤد بن علی کو قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر امام نے فرمایا کہ میں نے اس کے لئے بددعا کی تھی اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اس کے سر پر تلوار ماری اور مٹانہ تک کاٹ ڈالا۔ ۲۰۴۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے داؤد سے کہا تم نے ایک ایسا گناہ کیا جس کو اللہ

معاف نہیں کرے گا اس نے پوچھا وہ گناہ کونسا ہے آپ نے فرمایا تو نے اہل جنت میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ ۲۰۵۔

(۹) برید العجلی

برید بن معاویہ ابو القاسم العجلی المتوفی ۱۴۸ھ۔ آپ امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادقؑ کے حواریوں میں سے ہیں۔ اور ان دونوں ائمہ علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں آپ کا شمار فقہاء و محدثین میں ہوتا ہے اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک عظیم منزلت کے حامل تھے آپ کی مدح میں روایات صحیحہ وارد ہوئی ہیں اور آپ کا شمار اصحاب اجماع میں ہے یعنی جن کی وثاقت و جلالت پر علماء کا اجماع ہے۔ جن چھ حضرات کو امامؑ نے افتہ الناس قرار دیا ہے ان میں آپ بھی ہیں یعنی زرارة بن عین، معروف بن خربوذ، برید العجلی، ابو بصیر الاسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم الطائفی اور ان میں بھی افتہ زرارة بن عین ہیں۔ امام صادق علیہ السلام کا قول مشہور ہے کہ زرارة بن عین و محمد بن مسلم، برید العجلی اور الاحول مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں زندہ ہوں کہ مردہ (الکشی) ان سے روایت کرنے والوں میں داؤد بن یزید بن فرقہ، الحکم و اسماعیل (دونوں بیٹے ہیں حبیب کے) قاسم بن عروہ، منصور بن یونس، عبد اللہ بن مغیرہ اور خلق کثیر شامل ہیں۔

برید العجلی کا شمار امامؑ کے عمد کے مصنفین میں ہوتا ہے ان کی ایک کتاب علی بن عقبہ بن خالد الاسدی نے روایت کی ہے۔ ۲۰۶۔

(۱۰) جمیل بن صالح الاسدی الکوفی

آپ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام دونوں کے صحابی ہیں۔

ثقة ہیں ان کی ایک کتاب اصول اربعہ مآۃ میں شامل ہے ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے ان میں حسن بن محبوب، سعد بن عبد اللہ اور عمار بن موسیٰ الساباطی اور محمد بن عمرو وغیرہ شامل ہیں۔ ۲۰۷ھ

(۱۱) حماد بن عیسیٰ

بن عبیدۃ الجہنی الواسطی، بعد میں بصرے میں آباد ہو گئے تھے، جحفہ میں ڈوبنے سے انتقال ہوا۔ امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کے شاگرد ہیں، ان کا شمار اصحاب اجماع میں ہے۔ ان کا انتقال سن ۲۰۹ یا ۲۰۸ھ میں نہرقاۃ میں ہوا۔ یہ امام محمد تقی علیہ السلام کا زمانہ تھا لیکن انہوں نے امام رضا اور امام تقی علیہما السلام دونوں سے روایت نہیں کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے امام جعفر صادق سے ستر احادیث سنی تھیں پھر مجھے شک ہونے لگا اب صرف ان ۲۰ روایتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۹۰ سال سے متجاوز تھی۔ ۲۰۸ھ

(۱۲) حبیب بن ثابت

الکلبی المتوفی ۱۳۲ھ - یہ تابعین میں سے ہیں اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کے شاگرد ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں مسر، الثوری، شعبہ، ابوبکر النخشی اور خلق کثیر شامل ہیں۔ العلجی، ابو زرہ اور بہت سے علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ ان سے قریباً ۲۰۰ حدیثیں روایت ہیں۔ ۲۰۹ھ

(۱۳) حمزہ بن الہیاری

ان کا پورا نام حمزہ بن محمد الہیاری ہے آپ کا شمار رجال فقہ میں ہوتا ہے اور

آپ متکلمین میں مقام تفوق پر فائز تھے۔ انکے بہت سے مناظرات مخالفین اہل بیت علیہم السلام سے ہیں۔ جیسا کہ انکے حالات سے بھی اندازہ ہوتا ہے اور انکی مدح میں اہل بیت علیہم السلام سے جو کچھ منقول ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ خود حمزہ بن الہیاء کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ مناظروں کو پسند نہیں فرماتے؟ آپ نے فرمایا تمہاری طرح کا مناظرہ ناپسند نہیں کیا جاسکتا۔ تم ایسے ہو کہ جب پرواز کرتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھ جاؤ گے اور جب بیٹھے ہوئے ہوتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی پرواز کرو گے۔ (یہ آپؑ نے لفظ طیار کی نسبت سے فرمایا جس کے معنی اڑنے والے کے ہیں) جو ایسا ہو تو ہم اسکے کلام سے کراہت نہیں ظاہر کر سکتے۔ ۲۱۰

ہشام بن الحکم کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا ابن الہیاء نے اب کیا کام کیا؟ میں نے کہا انکا تو انتقال ہو گیا! آپؑ نے فرمایا ”رحمہ اللہ تعالیٰ ولقاه نصرۃ و سروراً فقد کان شدید الخصومہ عنا اهل البيت“ ۲۱۱

”اللہ ان پر رحمت کرے اور ان سے کشادہ روئی و مسرت کی حالت میں ملے“ وہ ہم اہل بیت کے مخالفین سے شدید خصومت رکھتے تھے اور مناظرہ کرتے تھے۔“ اسی مضمون کی ایک اور روایت بھی الکشی نے نقل کی ہے۔

(۱۴) محمد بن علی بن النعمان مومن الطاق ۲۱۲

اب ہم ایک ایسے شخص کا تذکرہ کر رہے ہیں جو علم و فضل اور بحث مباحثہ میں یکساں ہونے کی وجہ سے علمائے شیعہ میں مومن طاق اور علمائے اہل سنت میں

شیطان طاق کے نام سے معروف ہوا۔ یہ ابو جعفر محمد بن علی بن النعمان البجلي الکوفی ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہیں سب سے پہلے شیطان الطاق کا لقب ابو حنیفہ نے دیا۔ ہوا یوں کہ ان کے اور خوارج کے درمیان ایک مناظرہ ہوا جس کی کارروائی ابو حنیفہ بھی دیکھ رہے تھے جب ان کو خوارج پر غلبہ حاصل ہوا تو ابو حنیفہ نے انہیں شیطان الطاق کا لقب دیا۔ علماء کے خیال میں انہیں پہلے صاحب الطاق کہا جاتا تھا کیونکہ کوفہ میں طاق المحامل کے علاقے میں ان کی صرافے کی دکان تھی اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پر کھنے میں انہیں ملکہ حاصل تھا اس لئے انہیں کبھی صاحب الطاق کبھی شیطان الطاق کہا جاتا تھا۔ جب جناب ہشام بن الحکم کو پتہ چلا کہ لوگ انہیں شیطان الطاق کہنے لگے ہیں تو ہشام نے ان کا نام مؤمن الطاق رکھ دیا۔ انہیں مناظروں پر بڑی قدرت حاصل تھی خاص طور پر ان کے مناظرے خوارج، معتزلہ اور ابو حنیفہ سے ہوتے تھے۔ شیخ عباس قمی نے ابو خالد الکابلی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو جعفر صاحب الطاق کو مسجد نبویؐ میں روضہ رسولؐ کے پاس دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگوں سے سوال و جواب ہو رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور کہا : امام صادق علیہ السلام نے ہمیں مناظروں سے منع کیا ہے، صاحب طاق نے پوچھا کیا انہیں نے تمہیں حکم دیا ہے کہ یہ بات مجھ تک پہنچاؤ؟ میں نے کہا نہیں بس انہوں نے ہمیں منع کیا ہے کہ کسی سے مناظرہ نہ کریں۔ یہ سنا تو مؤمن طاق نے کہا تم جاؤ اور امام کے کہنے پر عمل کرو۔ الکابلی کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں آیا اور صاحب طاق سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔ آپؑ نے سنا تو فرمایا : اے ابو خالد صاحب الطاق لوگوں سے گفتگو کرتا ہے اور پرواز کر جاتا ہے اور تم باوجود انتہائی کوشش کے بچ کے نہیں نکل سکتے۔ ۲۱۳

تالیفات

جناب مؤمن طاق نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں سے چند کے نام شیخ طوسی نے الفہرست میں اور ابن ندیم نے الفہرست میں گنوائے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کتاب الامامہ (۲) کتاب المعرفہ (۳) کتاب الرد علی للمعتزلہ فی امامہ المفضول (۴) کتاب فی امر طوطی والزہیر والعاثہ (۵) کتاب اثبات الوصیہ (۶) کتاب ابن افعل لا تفعل (۷) کتاب المناظرۃ مع ابی حنیفہ۔

آپ کے مناظرے نقل کرنے کا یہ موقع نہیں کچھ مناظرے فقہی باب میں ہم نقل کریں گے لیکن مثلاً ایک مناظرہ نقل کرتے ہیں۔

ابو مالک احمسی کہتا ہے کہ ضحاک الشادی نے خروج کیا اور کوہ پر قابض ہو گیا اور اپنا لقب ”امیر المؤمنین“ قرار دیا اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی شروع کی۔ مؤمن طاق اس کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں اپنے دین میں بصیرت رکھنے کی وجہ سے مشہور ہوں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ ضحاک نے اپنے ہم نشینوں سے کہا : اگر یہ شخص ہم میں شامل ہو جائے تو بہت فائدہ مند رہے گا۔ پھر مؤمن طاق اور ضحاک کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

مؤمن طاق : تم لوگ علی بن ابی طالبؑ سے علیحدہ کیوں ہو گئے اور ان سے جنگ اور ان کے قتل کو حلال کیوں قرار دے ڈالا؟

ضحاک : کیونکہ انہوں نے دین میں اللہ کے سوا دوسرے کو حکم بنایا۔

مؤمن طاق : ہر وہ شخص جو دین میں دوسرے کو حکم بنا دے تم نے اس کا خون

حلال کر دیا اور اس سے جنگ اور اس سے برات حلال کر دی؟
ضحاک : ہاں ایسا ہی ہے۔

مومن طاق : بہت خوب! اب تم مجھے اپنا دین بتاؤ تاکہ میں تم سے اس پر مناظرہ کروں، اگر تمہاری دلیل میری دلیل پر غالب آگئی تو میں تمہارا مذہب قبول کر لوں گا اور اگر میری دلیل تم پر غالب آگئی تو تم قبول کر لینا۔

ضحاک : بالکل ٹھیک ہے۔

مومن طاق : لیکن یہ بتاؤ کہ کون عالم ہماری گفتگو کا فیصلہ کرے گا کہ کس کی بات درست ہے کس کی غلط، کسی شخص کو مقرر کرو؟

ضحاک : نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ عالم دین ہیں یہ ہمارا تمہارا فیصلہ کریں گے۔

مومن طاق : اچھا تو تم نے ان کو ثالث مقرر کیا ہے اس دین میں مناظرے کے بارے میں جو میں تم سے کرنے آیا ہوں۔

ضحاک : ہاں۔ یہ سن کر مومن طاق ضحاک کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ دیکھو تمہارے سردار نے دین کے معاملے میں ایک آدمی کو حکم مقرر کیا ہے اب تم اس سے خود نمونہ۔ اس بات پر ضحاک کے ساتھیوں میں اختلاف ہو گیا اور لوگ خاموش ہو گئے۔ مومن طاق یہ کہہ کر کامیاب واپس لوٹے۔ ۲۱۴۔ (یعنی خود ضحاک کے اصول کے مطابق اسے قتل کر دینا واجب تھا)



فقہی مدارس ۲۱۵ء

حنفی - مالکی - شافعی - حنبلی - زیدی

امام جعفر صادق علیہ السلام کے عہد کو ہم فروغ علم کا عہد کہہ سکتے ہیں اس عہد میں علوم اسلامیہ کی جتنی ترقی ہوئی وہ کسی عہد میں نہیں ہوئی۔ فقہی اجتہادات کے مختلف مکاتب بھی اسی عہد میں وجود میں آئے گو کہ شافعی اور حنبلی کچھ بعد کی پیداوار ہیں لیکن یہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ امام جعفر صادقؑ کے خوشہ چین ہیں۔ اس کی طرف مشہور مصری عالم علامہ عبدالحلیم الجندی نے یوں اشارہ کیا ہے۔

”كان سفیان الثوری امام العصر فی الوریع والسنن
والفقه للعراق کافه— وبعد ذالک یقول— وکان
کثیرون من رواد المجلس کسفیان مکانه فی
المسلمین، منهم عمرو بن عبید الذی نشأت علی
یدیہ فرقہ المعتزلہ، و ابو حنیفہ، و محمد بن
عبد الرحمن بن ابی لیلی ترب ابی حنیفہ و امام
المدینہ مالک بن انس— و ابو حنیفہ هو الامام
الاعظم لاهل السنہ، و مالک اکبر من تلقی علیہ

الشافعی علما و اطولہم فی تعلیمہ زمانا۔
والشافعی شیخ احمد بن حنبل ۲۴۱ھ۔ ویقول بعد
ذلک۔۔۔ و کمثلہم کان المحدثون العظماء
یحیی بن سعید محدث المدینہ وابن جریج وابن
عینیہ محدثا مکہ وابن عینیہ هو المعلم الاول
للشافعی فی الحدیث ۲۴۲ھ

”سفیان ثوری اپنے وقت کے امام تھے تقویٰ میں سنن میں اور فقہ میں
اور کل عراق میں۔۔۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔۔۔ امام کی مجلس میں
آنے والوں میں کئی ایسے تھے جن کا مرتبہ مسلمانوں میں سفیان کی طرح
ہے ان میں عمرو بن عبید بھی ہے جس کے ہاتھوں میں فرقہ معتزلہ پلا
بڑھا۔ اور ابو حنیفہ، محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ جو ابو حنیفہ کے پروردہ
تھے اور امام مدینہ مالک بن انس۔۔۔ ابو حنیفہ تو اہل سنت کے نزدیک
امام اعظم ہیں اور مالک تو یہ شافعی کے استاد ہیں شافعی نے سب سے
زیادہ عرصے تک انہیں سے فیض حاصل کیا اور شافعی استاد ہیں احمد بن
حنبل کے۔۔۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔۔۔ اسی طرح بڑے بڑے
محدثین آتے تھے یحییٰ بن سعید محدث مدینہ، ابن جریج اور ابن
عینیہ یہ دونوں مکہ کے محدث تھے اور ابن عینیہ تو علم حدیث
میں امام شافعی کے پہلے استاد ہیں۔“

گویا اس طرح دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک دونوں امام جعفر صادق
کے براہ راست شاگرد تھے، شافعی بالواسطہ دو طرف سے شاگرد تھے کیونکہ وہ امام

مالک کے بھی شاگرد ہیں اور سفیان بن عیینہ کے بھی اور احمد بن حنبل بھی شاگرد ہیں امام شافعی کے لہذا سب کے سب بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر امام کی فقہ کے خوشہ چین ہیں۔

اب ہم علیحدہ علیحدہ ان مکاتب فقہ کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

فقہ حنفی اور اس کی نشوونما

ہم گزشتہ صفحات میں امام ابو حنیفہ کا امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا شاگرد ہونا نقل کر آئے ہیں۔ یہی امام ابو حنیفہ ہیں جن کی طرف فقہ حنفی کو نسبت دی گئی ہے گو کہ ہم اس نسبت کو درست نہیں سمجھتے اور اس پر مختصراً بعد میں گفتگو کریں گے۔

امام ابو حنیفہ کا نام نعمان بن ثابت بن مرزبان بن قیس بن یزید گرد بن شمر بن نو شیرواں تھا۔ ۲۱۸ھ۔ امام ابو حنیفہ مشہور روایت کے مطابق ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور یہیں پلے بڑھے۔ کوفہ اس وقت علوم اسلامیہ کا مرکز اور علمائے کرام کا گوارہ تھا۔ یہاں جتنے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے درس و تدریس فرمائی ہے کسی دوسرے شہر کو اتنا شرف حاصل نہ ہو سکا۔

امام ابو حنیفہؒ کو آج کل کے لڑکوں کی طرح علم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ صرف اپنے ریشمی کپڑوں کے کاروبار میں مصروف رہا کرتے تھے اور اسی ادھیڑ بن میں لگے رہتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً امام شعبی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا میاں صاحبزادے کہاں پھرتے رہتے ہو جواب دیا تجارت مشغلہ ہے بس اسی میں مصروف رہتا ہوں۔ شعبی نے پوچھا علماء کے پاس بھی بیٹھے ہو؟ اس کا

جواب خود امام ابو حنیفہ کی زبانی یہ ہے ”انا قلیل الاختلاط الیہم“ میں ان کے پاس بہت کم آتا جاتا ہوں۔۔۔ امام شعبی نے یہ گواہی دیکھا تو علم کی ترغیب دی ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ”فوقع فی قلبی من قولہ فترکت الاختلاف السوق واخذت فی العلم“ میرے دل میں امام شعبی کی بات بیٹھ گئی اور میں نے بازار کی آمد و رفت چھوڑ کر علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ ۲۱۹۔ ابتداء میں انہوں نے قرأت، حدیث، نحو، ادب، شعر، کلام وغیرہ متداول علوم کا مطالعہ کیا۔ ۲۲۰۔ خاص طور پر انہیں علم کلام سے دلچسپی تھی اپنے مشہور شاگرد زفر بن الحذیل سے ایک مرتبہ انہوں نے کہا ”پہلے میں علم کلام سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ میری طرف اشارے کئے جاتے تھے۔ ۲۲۱۔

امام ابو حنیفہ کا فقہ کی طرف بالکل رجحان نہ تھا ایک دن وہ اپنی دکان پر بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ ابو حنیفہ نے کہا مجھے نہیں پتہ، تم امام حماد کے حلقے میں جاؤ اور جو وہ جواب دیں مجھے بتاتی جانا۔ چنانچہ واپسی پر اسی عورت نے جواب بتا دیا۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ مجھے اس جواب کو سن کر اپنے علم پر بہت افسوس ہوا اور میں نے امام حماد کے حلقہ درس میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابو حنیفہ کہتے ہیں ”خذعتنی امرأة وزهدتني اخرى و فقهتني اخرى“ ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا، دوسری نے زہد سکھایا اور تیسری نے فقیہ بنا دیا۔

امام صادقؑ کی خدمت میں

روایات بتاتی ہیں کہ ابو حنیفہ حماد کے حلقہ درس میں ۱۸ سال تک رہے لیکن

انہوں نے حماد کے علاوہ دوسروں سے بھی کسب فیض کیا۔ جن میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ امام صادقؑ کی صحبت کی ان پر بہت ہیبت تھی اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوتا ہے۔ یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں منقول ہے لیکن ہم اسے علامہ مناظر احسن گیلانی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں امام (ابو حنیفہ) نے بعض ایسی باتیں بھی منصور کے کہنے سے کیں کہ شاید اپنی غرض ان کے سامنے نہ ہوتی تو ہرگز نہ کرتے، مثلاً کہتے ہیں کہ منصور سے ملنے کے لئے حضرت امام جعفر صادقؑ تشریف لانے والے تھے۔ حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ اس نے امام ابو حنیفہ کو بلا کر یہ آرزو ظاہر کی کہ لوگ جعفر صادقؑ کے علم سے بہت مرعوب ہو رہے ہیں کیا کچھ ایسے علمی سوالات تیار کر سکتے ہیں جن کے جواب میں ان کو بھی دشواری پیش آئے۔ امام ابو حنیفہ جیسا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے ان بزرگوں سے گہری عقیدت رکھتے تھے، خصوصاً انہیں امام جعفر صادقؑ کے متعلق تو امام سے یہ روایت بھی نقل کی جاتی ہے کہ ان سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ آپ نے جن جن علماء کو دیکھا ہے ان میں سب سے بڑا فقیہ کس کو پایا تو کہتے ہیں کہ امام نے جواب میں فرمایا : ”مارایت افاقہ من جعفر بن محمد الصادق“ (موفق ج ۱- ص ۵۳) میں نے جعفر صادق سے زیادہ مجھ والا فقیہ نہیں دیکھا۔۔۔ امام کے اساتذہ کی فہرست میں لوگوں نے امام جعفر صادقؑ کا نام بھی درج کیا ہے۔ یہ بھی

لکھتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ امام جعفر صادقؑ کو فہ تشریف لائے تو امام
 ابوحنیفہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ان سے ملنے گئے۔ دیکھنے والوں کا بیان
 ہے کہ ”قعد ابوحنیفہ کا المستوفز معظمہ“ یعنی
 بیٹھے امام جعفر صادقؑ کے سامنے امام ابوحنیفہ ایک بے چین، مرعوب
 آدمی کی طرح ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عظمت سے ان کا دل معمور
 ہے (ص ۱۳۴ الموافق) بہر حال کچھ بھی ہو باوجود ان تمام عقیدت
 مندوں کے بہ ظاہر یہی خیال گزرتا ہے کہ منصور پر اپنی ساکھ قائم کرنے
 کے لئے امام نے چند ایسے مشکل سوالات مرتب کئے کہ منصور بھی
 پھڑپھڑ اٹھا کہتے ہیں کہ یہ چالیس (مسائل شدا) تھے۔ میں سمجھتا ہوں
 کہ منصور کی علمی پرواز کے لحاظ سے ان سوالوں کی نوعیت ذرا کچھ نی
 ہو لیکن امام ابوحنیفہ چونکہ جعفر صادقؑ کی علمی گمراہیوں اور وسعت
 معلومات سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس میں کوئی مضائقہ
 محسوس نہیں کیا کہ حضرت کے سامنے ان سوالوں کو پیش کیا جائے بلکہ
 اندرونی طور پر ممکن ہے کہ اس کو بھی امام جعفر صادقؑ کی رفعت قدر کا
 ذریعہ بنانا چاہتے ہوں، جیسا کہ بعد کو ہوا بھی۔۔۔ امام جعفر صادقؑ ابھی
 منصور کے پاس نہیں پہنچے تھے جیروہی میں تھے کہ اس نے امام ابوحنیفہؒ
 ان کے پاس روانہ کیا، امام کا بیان ہے کہ میں نے ان مسائل کو جو نہی
 خدمت میں پیش کیا جیسی کہ توقع تھی ہر سوال کا جواب انتہائی بسط و
 تفصیل کے ساتھ سننے کے ساتھ دیتے چلے جاتے تھے، یہی نہیں کہ اپنی
 صرف رائے ظاہر کرتے بلکہ یہ بھی کہ اس سلسلے میں عراق والوں کا فتویٰ

یہ ہے 'مدینہ والے یہ کہتے ہیں' خود ہمارا یہ خیال ہے۔ امام ابو حنیفہ کت ہیں کہ : "حتی انیت علی الاربعین مسئلہ ما اخل منها بمسئلہ" (الموفق ج ۱ - ص ۱۷۳) چالیسوں مسئلے انہوں نے اس طور پر بیان کر دیے کہ کسی مسئلے کے بیان میں کسی قسم کا خلل پیدا نہ ہوا۔ ۲۲۲۔ منصور کی جو غرض تھی وہ تو پوری نہیں ہوئی لیکن امام ابو حنیفہ کا مطلب پورا ہو گیا یعنی ان مشکل سوالوں کو سن کر امام کی علمی عقیدت ان کے دل میں اور بڑھ گئی۔ ۲۲۳۔

علامہ عبد الحلیم الجندی نے ابو حنیفہ کے امام جعفر صادقؑ سے تلمذ کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"و ابو حنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ) اکبر عمر امن الامام الصادق لکن الصادق یشدازرہ بعبارات مشجعہ فیقول لہ : اجلس یا ابا حنیفہ فعلی ہذا ادرکت ابائی یرید بذلک اعظام مجلس العلم ووقوف الجميع و جلوس الاستاذ۔۔۔ انقطع ابو حنیفہ الی مجالس الامام طوال عامین قضاہما بالمدينہ و فیہما یقول : لولا العامان لہلک النعمان۔۔۔ کان لا یخاطب صاحب المجلس الا بقوله (جعلت فداک یا ابنی بنتر رسول اللہ)"۔ ۲۲۴۔

"اور ابو حنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ) عمر میں جو امام صادقؑ سے بڑے تھے وہ بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں لیکن امام صادقؑ ان سے مختلف باتیں کر کے

تقویت پہنچاتے اور حصول علم پر ابھارتے تھے اور ان سے کہتے اے ابو حنیفہ بیٹھ جاؤ یہاں تمہیں میرے آباء و اجداد کا ساز و تنگ ملے گا۔ یہ کہہ کر آپ مجلس علم کی عظمت، ائمہ ماسبق کا موجود ہونا اور استاذ کا تشریف رکھنا باور کرانا چاہتے تھے۔ ابو حنیفہ دو سال تک صرف امام علیہ السلام کی مجالس علم سے وابستہ رہے جو انہوں نے مدینہ میں گزارے اور ان دو سالوں کے بارے میں وہ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ دو برس نہ ہوتے تو نعمان (خود) ہلاک ہو جاتا اور آپ صاحب مجلس امام صادق کو جب بھی مخاطب کرتے تو کہتے میں آپ پر فدا ہو جاؤں اے بنت رسولؐ کے فرزند ارجمند۔“

یہ فدا ہونے والا جملہ آپ کے کئی تذکرہ نگاہوں نے لکھا ہے۔ ۲۲۵۔ علامہ مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے کہ : ایک دوسری روایت امام جعفر صادقؑ اور امام ابو حنیفہ کے باہمی مکالمے کے متعلق لوگوں نے جو روایت کی ہے اس میں بار بار یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب جعفر صادقؑ کو امام خطاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ”جعلت فداک“ میں حضور پر قربان کیا جاؤں۔ واللہ اعلم ائمہ اہل بیتؑ سے اس زمانے میں یہ گفتگو کا عام طریقہ تھا یا امام صاحب کی خصوصیت تھی۔ ۲۲۶۔ واضح ہو کہ ائمہ علیہم السلام کے سب شاگرد و صحابہ یہ جملہ استعمال کرتے تھے جیسا کہ ہم حدیث و تاریخ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

ہم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتے صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے امام جعفر صادقؑ علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر بہت کچھ حاصل کیا۔ اکثر امام صادقؑ علیہ السلام امام ابو حنیفہ کو تنبیہ بھی فرماتے تھے اور وہ امام کا

بہت لحاظ کرتے تھے۔ علامہ جنوری نے لکھا ہے کہ۔۔۔۔

”ولقد يتحدى الامام الصادق في مجلسه ابا حنيفه
ليخبر راي صاحب الراي فيسال : ماتقول في
محرم كسر رباعيه الطبي - ويجيب ابو حنيفه :
يا ابن رسول الله لا اعلم ما فيه فيقول له الامام
الصادق : انت تندهي 'اولا تعلم ان الطبي لا تكون
له رباعيه ! وانما سكت ابو حنيفه لانه لم يعلم كما
قال اولاً انه يمتنع ان يصحح للامام السؤال - وما
كان اعظم ادب ابى حنيفه بين نظرائه“ ۲۲

”امام صادق علیہ السلام اپنی مجلس میں ابو حنیفہ کو اکثر تحدی کرتے تاکہ
صاحب رائے کی رائے معلوم کریں۔ آپ نے ایک مرتبہ پوچھا : تم
اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے حالت احرام میں ہرن کے
سامنے کے چار دانتوں اور پچھلیوں کے درمیان والا دانت (رباعیہ) توڑ
ڈالا۔ ابو حنیفہ جواب دیتے ہیں یا بن رسول اللہ میں نہیں جانتا کہ اس کا
کفارہ کیا ہے۔ امام نے ان سے کہا یا تو تم انجان بن کر ہشیاری کر رہے
ہو یا تم جانتے ہی نہیں کہ ہرن کے یہ دانت نہیں ہوتا۔ ابو حنیفہ یہ سن کر
خاموش ہو گئے کیونکہ یا تو وہ امام کے بقول اس امر سے ناواقف تھے یا وہ
امام کا سوال درست کرنے سے احتیاطاً باز رہے۔۔۔۔ ابو حنیفہ کا اپنے
ہم عصروں کے سامنے کیا ادب و لحاظ کا برتاؤ تھا۔“

استاذ ابو زہرہ کے ساتھ

ابو زہرہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے بہت سے فقہی مسائل کی بنیاد امام جعفر صادق علیہ السلام کے فتوے پر رکھی ہے یا ان کی بیان کردہ حدیث پر اس کی بنیاد ہے۔ ہم مثلاً ایک روایت پیش کرتے ہیں اور ساتھ میں علامہ ابو زہرہ المصری کے تبصرے کے اقتباس بھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

”ومهما يكن فان للذين التقوا به من الفقهاء
والمحدثين قد اخذوا عنه روايه كما اخذ الكثيرون
عنه فقهه فقد جاء في كتاب الاثار لابي يوسف
مأنيته : حدثنا يوسف عن ابيه عن ابي حنيفة عن
جعفر بن محمد عن سعيد بن جبير عن ابن عمر
رضي الله عنهما قال : جاء رجل فقال : اني قد
قضيت المناسك كلها غير الطواف البيت ثم
واقعت اهلي قال فاقض ما بقى عليك واهرق دما
وعليك الحج من قابل قال فعاد اليه قال اني جئت
من شقه بعيدة قال : فقال له مثل قوله“ ۲۲۸

”ایسا بھی ہوتا تھا کہ فقہاء اور محدثین امام صادقؑ سے ملاقات کرتے اور ان سے ان کی روایت حاصل کرتے جیسا کہ ان سے کثیر تعداد میں لوگوں نے ان کی فقہ حاصل کی اس مقصد کے لئے احکام فقہ میں سے بعض کے لئے ہم امام ابو حنیفہ کی امام صادقؑ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ امام ابو یوسف کی کتاب الاثار میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے یوسف

نے انہوں نے اپنے والد ابو یوسف سے انہوں نے ابو حنیفہ سے انہوں نے جعفر صادق سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر سے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے طواف کعبہ کے سوا سارے مناسک حج ادا کئے ہیں پھر میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا؟ انہوں نے جواب دیا جو مناسک حج باقی ہیں انہیں ادا کرو، کفارہ اور قربانی کرو اور تم پر آئندہ سال حج واجب ہے۔ وہ پھر واپس آیا اور کہا کہ میں بہت دور سے مشقت برداشت کر کے پہنچا ہوں۔

انہوں نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔“

اس روایت سے استاذ ابو زہرہ نے تین باتیں اخذ کی ہیں (۱) امام صادق سعید بن جبیر سے وہ احادیث روایت کرتے تھے جو وہ عبد اللہ بن عمر سے روایت کرتے تھے لہذا امام صادق کا علم کسی تھا وہ اپنے عہد کے اساتذہ فن سے منقطع نہ تھے بلکہ کبار تابعین سے روایت کرتے تھے۔ (۲) امام صادق نے مدینہ کی فقہ وہیں سے حاصل کی تھی اور فقہ ابن عمر کا تعلق بھی مدینہ سے تھا اور امام ابو حنیفہ نے یہ فقہ امام صادق سے عراق یا مدینہ میں حاصل کی تھی۔ (۳) یہ کہ امام صادق صحابی کا فتویٰ قبول کرتے تھے کیونکہ یہ عبد اللہ بن عمر کا ہی فتویٰ ہے اور صحابی کا فتویٰ چاروں قسموں میں مقبول ہے۔ ۲۲۹

استاذ ابو زہرہ کی خدمت میں ہم اس مقام پر چند گزارشات اس روایت کے حوالے سے عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ کتاب الآثار کی یہ روایت جس کو انتہائی شد و مد کے ساتھ استاذ ابو زہرہ نے صحیح قرار دیا ہے، ضعیف ہے کیونکہ اس روایت میں امام

جعفر صادقؑ راوی ہیں سعید بن جبیر سے اور سعید بن جبیر سے امام صادقؑ کا سماع ثابت نہیں ہے کیونکہ امام صادقؑ کی ولادت ۸۰ھ یا ۸۳ھ میں علماء نے بیان کی ہے جب کہ سعید بن جبیر ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج بن یوسف کے خلاف جنگ کر رہے تھے چنانچہ واقعہ دجیل سن ۸۲ھ اور واقعہ دیر الجحائم سن ۸۵-۸۳ھ میں سعید بن جبیر کا شامل ہونا ثابت ہے۔ بعد ازاں سعید بن جبیر بلاد ایران کی طرف حجاج بن یوسف کے خوف سے فرار ہو گئے تھے اور ۱۲ سال تک خفیہ زندگی بسر کرتے رہے پھر خفیہ طور پر عمرہ کرنے آئے اور کچھ لوگوں سے ملے۔ دریں اثناء حجاج کو خبر ہو گئی چنانچہ انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ۹۵ھ میں شعبان کے مہینے میں انہیں حجاج نے شہید کر دیا۔ اس وقت امام صادقؑ کی عمر ۱۵ یا ۱۴ سال تھی۔ اس طرح سعید بن جبیر کے اخفاء کی وجہ سے اور بلاد ایران میں روپوش رہنے کی بناء پر امام صادقؑ کا ان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ لہذا وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ بنایا گیا تھا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ استاذ ابو زہرہ یہ بھول گئے ہیں کہ خود انہوں نے اپنی اس کتاب میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ۔

”انہ بلا ریب کان الامام الصادق من ابرز فقہاء عصرہ ان لم یکن ابرزہم وقد شہدہ بالفقہ فقیہ العراق الامام ابو حنیفہ الذی قال فیہ الشافعی الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ وقد سالہ ابو حنیفہ عن اربعین مسالہ فی مجلس واحد فاجاب عنہا بما عند العراقیین وما

عند الحجازیین و ما یختارہ من قولہم، اویر تئہ
ممالیس عنہم، وقد قال ابو حنیفہ بعد ذکر ما
کان بینہ و بینہ : اعلم الناس ہو اعلمہم
باختلاف الناس۔“ ۲۳۰

”بلاشبہ و شبہ امام صادقؑ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے اگر ایسا
نہ ہوتا تو ان کے فقیہ ہونے کی گواہی فقیہ عراق ابو حنیفہ نہ دیتے جن کے
بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فقہ میں لوگ ابو حنیفہ کی طرف رجوع
کرنے میں مجبور ہیں۔ انہیں ابو حنیفہ نے امام صادق سے ایک نشست
میں چالیس سوال پوچھے تو آپ نے ان کا جواب اس انداز سے دیا کہ
اہل عراق یہ کہتے ہیں اور اہل حجاز کا یہ مسلک ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ
جن میں بعض جواب کسی ایک مسلک سے مطابقت رکھتے اور بعض
دونوں سے مختلف۔ ابو حنیفہ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ
سب سے بڑا عالم ہی وہ ہے جو علماء کے اختلاف کو سب سے زیادہ جانتا
ہو۔“

یہ وہی واقعہ ہے جس کو ہم پہلے مختلف حوالوں سے نقل کر آئے ہیں۔ طے
شدہ بات ہے کہ علمائے عراق ہوں یا علمائے حجاز یا امام صادقؑ ہوں ان کے فتوے
کی بنیاد حدیث رسولؐ ہوتی ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ اگر ایک عالم کو کسی مسئلے میں کوئی
حدیث صحیح مل گئی تو فتوے کی بنیاد اس پر رکھ لی ظاہر ہے کہ کوئی عالم حدیث رسولؐ
کے مقابلے میں فتویٰ نہیں دے سکتا اور جہاں اسے حدیث نہ مل سکی اس نے
اجتہاد کر لیا لیکن امام صادقؑ ہوں یا امام محمد باقرؑ یا ائمہ اثنا عشر میں سے کوئی اور امامؑ

سب نے وضاحت سے کہہ دیا ہے۔ ۲۳۱ کہ ہماری روایت ہمارے والد کی روایت ہے اور ان کی روایت ان کے والد کی یہاں تک کہ آنحضرتؐ تک سلسلہ پہنچتا ہے اور وہ اللہ سے نقل کرتے ہیں تو اب حدیث کی پرکھ میں امامؑ سے نیچے کے راویوں میں تو بحث ہو سکتی ہے اوپر کے تمام راوی چونکہ خود امام ہیں لہذا ان پر کوئی بحث نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ امام صادق علیہ السلام کا ارشاد حدیث رسول ہوتا ہے۔ علمائے عراق و حجاز کا فتویٰ حدیث مل جانے کی صورت میں حدیث پر اور حدیث نہ ملنے کی صورت میں اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ کبھی تینوں کا فتویٰ ایک ہی ہو گا۔ کبھی دو کا متحد اور ایک کا مختلف اور کبھی جب عراقی و حجازی علماء کو کوئی حدیث نہ ملے تو دونوں کے فتوے اجتہاد پر اور امامؑ کا ارشاد حدیث رسولؐ کے مطابق ہو گا تو اس اتحاد فتویٰ کو حدیث رسولؐ کے موافق عراق یا حجاز پر مبنی قرار دینا درست نہیں۔

(۳) اس روایت سے جس کو ہم اوپر ضعیف ثابت کر آئے ہیں زیادہ سے زیادہ یہ پتہ چلتا ہے کہ امام صادقؑ علماء کے اختلاف و آراء سے واقف تھے جیسا کہ ابو زہرہ نے امام ابو حنیفہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ اور جس طرح ایک امام کسی دوسرے امام یا فقیہ کی رائے نقل کرتا ہے اسی طرح امام صادقؑ نے بھی سعید بن جبیر کے حوالے سے عبد اللہ بن عمرؓ کی رائے نقل یا روایت کی۔ علامہ عبد الحلیم الجندی نے لکھا ہے کہ :

”وعند ما نذكر ان القاسم بن محمد ظل مصدرا
للعلیم حتی شارف الصادق ربع القرن من حیاته
وان الصادق شهد حلقات عکرمه مولا ابن عباس

(۱۰۳) و عطاء بن ابی رباح بمکہ حیث کان یجلس ابن عباس وان او امر الولاۃ فی الموسم کانت : لا یفتی الناس الا عطاء کما شہد بالمدينه حلقه عبداللہ بن ابی رافع - مولی امیر المومنین علی الذی املی علیہ کتابہ الی معاویہ وخلق خالہ عبدالرحمن بن القاسم و عروۃ بن الزبیر (۹۴) الراویہ عن خالته عائشہ و محمد بن المنکدر (۱۳۰) شیخ مالک "۲۳۲

"اور جب ہم یہ ذکر کرتے ہیں کہ قاسم بن محمد اپنے زمانے میں مرجع علمی بن گئے تھے یہاں تک کہ امام صادقؑ نے اپنی زندگی کے ۲۵ سال ان کے سایہ میں گزارے تو یہ بھی ملتا ہے کہ امام صادقؑ دوسرے حلقہ ہائے رس میں بھی تشریف لے جاتے تھے مثلاً عکرمہ مولی ابن عباس (ف ۱۰۳ھ) اور عطاء بن ابی رباح مکہ میں جب کہ وہ ابن عباس کی مسند پر بیٹھتے تو دالیان امر کا یہ حکم ہوتا تھا کہ لوگوں کو سوائے عطاء کے کوئی فتویٰ نہ دے، اسی طرح آپ مدینہ میں عبداللہ بن ابی رافع مولی علی امیر المومنین علیؑ کے حلقے میں تشریف لے جاتے یہ وہ شخص ہیں کہ امام علیؑ نے معاویہ کو جو خط لکھا تھا وہ انہیں کو املاء کروایا تھا اور اپنے ماموں عبدالرحمن بن القاسم اور عروۃ بن الزبیر (ف ۹۴ھ) کے حلقوں میں آپ جاتے، حضرت عائشہ کی بھانجی (یعنی جناب اسماء کی بیٹی) جو اپنی خالہ حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں اور محمد بن المنکدر (ف ۱۳۰ھ) کے

حلقہ ہائے درس میں بھی جاتے یہ محمد بن مسکدر امام مالک کے شیخ ہیں۔“
 ان حلقہ ہائے درس میں امام صادقؑ تشریف لے جاتے۔ ان کی روایات و فتاویٰ سنتے اور یوں اختلاف علماء سے واقف ہوتے اور پھر اپنے اجداد کی احادیث بیان کرتے۔ جب مسند درس پر جلوہ افروز ہوتے تو لوگوں کو بتاتے کہ کس عالم کا کیا فتویٰ ہے اور پھر اپنی روایت بیان کرتے وہی امام کا فتویٰ ہوتا۔ اولاً تو کتاب الآثار کی محولہ بالا روایت درست نہیں اور بفرض محال اگر اسے درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ امامؑ نے عبد اللہ بن عمر کے فتوے کو بیان کیا ہے۔

(۴) ہمارے اس بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فقہ جعفریہ میں فتویٰ اس کے خلاف ہے کیونکہ ہماری کتابوں میں درج احادیث میں اس فقہی مسئلے کی ذرا تفصیل آئی ہے۔ کافی کی احادیث صحیحہ کا اس بارے میں خلاصہ بیان کرتا ہوں۔
 (۱) اگر مرد اور عورت دونوں حالت احرام میں ہیں اور دونوں مسئلے سے جاہل ہیں تو ان کے لئے استغفار ہے کوئی کفارہ نہیں۔

(۲) اگر مسئلہ جانتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان مقام جماع ہی سے تفریق کرادی جائے دونوں کفارے کے طور پر قربانی کریں اور باقی مناسک حج ادا کریں اور آئندہ سال حج کر کے قضا کریں اور آئندہ حج کے دوران اس مقام سے جہاں جماع واقع ہوا تھا حج مکمل ہونے تک ایک دوسرے سے جدا رہیں اور جہاں دونوں اکٹھے ہوں ایک نامحرم موجود رہے۔

(۳) مسئلے سے جاہل ہونے کی صورت میں طواف النساء سے پہلے جماع کیا تو کچھ نہیں اور اگر جانتے ہوئے جماع کیا تو کفارے میں قربانی کرے۔

(۴) مزدلفہ پہنچنے سے قبل جماع کیا تو آئندہ سال اعادہ حج واجب ہے۔ ۲۳۳

(۵) اگر عورت اور مرد دونوں نے اپنی خوشی سے قضائے شہوت کی تو دونوں پر قربانی ہے اور دونوں کو علیحدہ کر کے وہاں واپس لایا جائے جہاں جماع واقع ہوا وہاں سے دوبارہ مناسک حج ادا کریں۔

(۶) اور اگر عورت پر زبردستی کی گئی تو مرد پر دو قربانیاں ہوں گی عورت پر کچھ نہیں۔ ۲۳۴

ہمارے اس بیان کی تائید کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد عبد اللہ بن عمر سے ماخوذ نہیں وہ روایت بھی کرتی ہے جسے امام مالک نے اپنی کتاب منوطا میں حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے لکھا ہے امام مالک لکھتے ہیں: "عن مالک انہ بلغہ ان عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب و ابا ہریرہ سئلوا عن رجل اصاب اہلہ و هو محرم فقالوا ینفنان یمضیان لوجھہما حتی یقضیا حجھما ثم علیہما الحج من قابل والہدی۔" وقال علی بن ابی طالب ر: "اھلا بالحج من عام قابل تفرقا حتی یقضیا حجھما"۔ ۲۳۵۔ امام مالک کو پتہ چلا کہ حضرت عمر حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم سے سوال ہوا ایک شخص نے اپنی عورت سے حالت احرام میں جماع کیا وہ کیا کرے؟ ان سب نے جواب دیا کہ وہ دونوں خاوند اور جو رو حج کے ارکان ادا کرتے رہیں یہاں تک کہ حج پورا ہو جائے پھر آئندہ برس ان پر حج اور ہدی لازم ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ پھر آئندہ سال جب حج کریں تو وہ دونوں جدا جدا رہیں یہاں تک کہ حج پورا ہو جائے۔ امام مالک اس کے

فوراً بعد جناب سعید بن المسیب کا بھی یہی فتویٰ نقل کرتے ہیں۔ یہ روایت تو
 تعلیقاً ہوئی یہ مرسل بھی روایت ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔۔۔ شرح الوقایہ
 میں تاج الشریعہ نے لکھا ہے کہ ”ووطیہ ولو ناسیا قبل وقوف
 فرض یفسد حجہ ویمضی وینبح ویقضی ولم یفترقا ای
 لیس علیہ ان یفارقہا فی قضاء ما افسدہ و عند مالک
 یفارقہا اذا خرج من بیتہا و عند فرض اذا احرم ما و
 عند الشافعی اذا بلغ المكان الذی واقعہا فیہ“ (شرح الوقایہ ج ۱)
 - ص ۳۸ طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی) یعنی اور اس کا جماع کرنا خواہ بھولے سے
 ہو اگر قبل وقوف فرض (یعنی عرفہ) ہو تو حج کو فاسد کر دیتا ہے وہ مناسک حج ادا کرے
 قربانی کرے اور پھر حج قضاء کرے لیکن انہیں جدا نہ کیا جائے یعنی جو حج انہوں نے
 فاسد کر دیا ہے اس کی قضاء کے دوران دونوں میں علیحدگی نہیں کی جائے گی اور
 مالک کے نزدیک جب وہ گھر سے نکلیں تب سے جدائی کی جائے اور امام زفر کے
 نزدیک جب وہ دونوں میاں بیوی احرام باندھ لیں اور شافعی کے نزدیک اس وقت
 سے جدائی ڈالی جائے جب وہ اس مقام پر پہنچیں جہاں جماع واقع ہوا تھا۔۔۔۔
 شرح وقایہ کے شارح علامہ عبدالحی لکھنوی المحدث تحریر کرتے ہیں۔ ”قوله و
 یمضی ای یجب علیہ ان یتِم ذلک الحج و یهدی ہدیہ
 ویقضی حجہ فی العام القابل ہکذا قال رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ و آلہ وسلم آخرجہ البیہقی و ابو دائود فی
 المراسیل۔“ پھر لکھتے ہیں ”قوله عند مالک الخ۔ السرفی
 الافتراق زجرهما الاول لا یتذکر اما سبق منهما فیعفا فیہ و

قد نقل عن علی انه امر بالافتراق من عند الاحرام اخرجه
 المالک فی الموطا واختاره و ذهب الیه زفر ایضا و عن
 عمر عنه امر به حین و صولهما الی المکان الذی ارتکبا
 فیها الجنایہ اخرجه ابن ابی شیبہ و هو الذی اختاره
 الشافعی (حاشیہ شرح الوقایہ ۱/۳۲۸) یعنی ان کا یمنضی کنا۔ یعنی اس پر
 واجب ہے کہ اس حج کو مکمل کرے اور قربانی کرے اور آئندہ برس حج کی قضاء
 کرے آنحضرتؐ نے اسی طرح فرمایا ہے کہ جیسا کہ بیہقی اور ابوداؤد نے اپنی
 مراسیل میں روایت کیا ہے اور یہ جو کہا کہ مالک کے نزدیک الحج تو علیحدہ کرنے میں
 رازیہ ہے کہ یہ سزا کے طور پر ہے یا پھر اس لئے کہ انہیں اپنی گزشتہ لغزش یاد
 آجائے اور حضرت علیؑ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ افتراق احرام باندھنے کے وقت
 سے ہوگا اسے مالک نے موطا میں تخریج کیا ہے اور اختیار کیا ہے اور یہی امام زفر کا
 بھی مذہب ہے اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ جدائی اس وقت ہوگی جب وہ
 دونوں اس مقام پر پہنچ جائیں جہاں لغزش سرزد ہوئی اسے ابن ابی شیبہ نے تخریج
 کیا اور امام شافعی نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ان روایات اور تفصیل کی موجودگی
 میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ امام جعفر صادقؑ کا فتویٰ حدیث رسولؐ پر مبنی
 ہے۔ ۲۳۶ ابن عمرؓ کے قول پر نہیں۔ اسی طرح کی اور بھی کئی بے سروپا باتیں ہیں
 جو ابو زہرہ نے کہی ہیں جو ان جیسے عالم کے شایان شان نہیں۔

کیا یہ فقہ ابو حنیفہؒ ہے؟

یہاں ہم ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ آج کل

جو فقہی نظام فقہ حنفی کے نام سے موجود ہے کیا وہ فقہ حنفی ہے بھی؟ ہم اس کا جواب نفی میں دیتے ہیں اس کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) کیونکہ فقہ حنفی کی بنیاد امام ابو حنیفہ کے فتاویٰ پر نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے فتاویٰ پر ہے جنہوں نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ سے ساٹھ فیصد سے زیادہ مسائل میں اختلاف کیا ہے اور ان فتاویٰ کو فقہ حنفی کی مبسوط کتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ بقول امام غزالی بلاشبہ علمائے احناف میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے اور جو اپنے مستقل پسندیدہ اقوال رکھتے ہیں سب سے زیادہ جن حضرات نے امام صاحب سے اصول و فروع میں اختلاف کیا ہے وہ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) ہیں لیکن امام صاحب سے ان کے یہ اختلافات دو تہائی یعنی صرف ۶۶ فیصد ہیں۔ ۳۳۔ اس بحث کو ہم طول نہیں دینا چاہتے کیونکہ یہ اس کا محل نہیں بلکہ اس مقام پر صرف مشہور عالم دین اور جدید مؤرخ محمد بک الخضریٰ وکیل مدرسہ القضاء الشرعی و استاذ الشریعہ الاسلامیہ بھاؤ لمغشش بوزارۃ المعارف سابقا کی کتاب سے ایک طویل اقتباس پیش کر کے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جس سے فقہ حنفی کی امام ابو حنیفہ سے نسبت کی حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ علامہ محمد بک الخضریٰ امام ابو حنیفہ کے چاروں شاگردوں ابو یوسف، زفر بن الحدیل، محمد بن الحسن بن فرقة الشیبانی اور حسن بن زیاد اللؤلؤی کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :

”ہولاء الاربعہ ہم الذین انتشر بہم مذہب
العراقیین و تلقا الناس عنہم و کان لابی یوسف و
محمد خاصہ عند بنی العباس ما يجعل لاقوالہم

مزيه و تقدما على قول غيرهم من اهل الحديث
وهم الذين لهم الفضل الاكبر في وضع مسائل الفقه
والاجابه عنها ولم تكن نسبتهم الى ابي حنيفه نسبه
المقلد الى المقلد بل نسبه المتعلم الى المعلم مع
استقلالهم بما به يفتون فلم يكونوا يقفون عندما
افتى به استاذهم بل يخالفونه اذا ظهر لهم ما يوجب
الخلاف ولذلك تجد كتب الحنفية تورده اقوال
الاثمه الاربعه بادلتها و ربما يكون في المساله
الواحدة اربعه اقوال لابي حنيفه قول و لابي
يوسف قول و لمحمد قول و لزرار قول حسبما
يظهر لهم من الآثار او المعاني و قد حاول بعض
الحنفيه ان يجعل اقوالهم المختلفه اقوالا للامام
رجع عنها ولكن هذه غفله شديده عن تاريخ
هؤلاء الاثمه بل عما ذكر في كتبهم فان ابا يوسف
يحكي في كتاب الخراج راى ابي حنيفه ثم يذكر
رايه مصرحا بانه يخالفه و يبين سبب الخلاف و
كذلك يفعل في كتاب خلاف ابي حنيفه وابن
ابي ليلى فانه احيانا يقول برأى ابن ابي ليلى بعد
ذكر الرايين و محمد رحمه الله يحكي في كتبه
اقوال الامام و اقوال ابي يوسف و اقواله مصرحا

بالخلاف علی انه لو كان كما قالوا لم يكن مارجع عنه من الاراء مذهباً له ومن الثابت ان ابا يوسف ومحمد ارجعا عن آراء كثيرة رآها الامام لما اطلعوا على ما عند اهل الحجاز من الحديث، فالمحقق تاريخياً ان ائمة الحنفية الذين ذكرناهم بعد ابي حنيفة رحمه الله ليسوا مقلدين له لان التقليد لم يكن نشأ في المسلمين في ذلك التاريخ بل كان المفتون مستقلين في الفتوى بناء على ما يظهر لهم من الادلة سواء عليهم ان خالفوا معلمهم ام وافقوهم ولم تكن نسبة ابي يوسف ومحمد الى ابي حنيفة الا كنسبة الشافعي الى مالك "۲۳۸

"یہ چار فقہاء وہ ہیں جن سے عراقیوں کا مذہب (فقہ) پھیلا اور لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا اور ابو یوسف و محمد کو بنی عباس کے دربار سے جو خصوصی تعلق تھا اس نے ان چاروں کے اقوال کو دوسرے اہل حدیث کے اقوال پر اولیت اور امتیاز عطا کیا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں مسائل فقہیہ کو وضع کرنے اور ان کے جوابات دینے میں بڑی فضیلت حاصل تھی اور ان کی نسبت ابو حنیفہ کی طرف ایسی نہیں تھی جیسی ایک مقلد کی اپنے امام سے ہوتی ہے بلکہ ان کا باہمی تعلق استاد و شاگرد کا تھا اور جن نصوص و اصول کے مد نظر وہ فتوے دیتے تھے ان پر وہ قائم تھے اس تلمذ کے باوجود۔ چنانچہ یہ حضرات اپنے استاد کے فتوے پر ہی نہیں

رک جاتے تھے بلکہ اگر ان سے اختلاف کا موجب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو امام کی مخالفت کرتے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کی کتابوں میں چاروں اماموں کے اقوال ان کے دلائل کے ساتھ ملتے ہیں اور کبھی کبھی تو ایک ہی مسئلے میں چار قول ملتے ہیں ابو حنیفہ کا قول، ابو یوسف کا قول، محمد کا قول اور زفر کا قول اور ان اقوال کی بنیاد ان فقہاء پر ظاہر ہونے والے نصوص حدیث اور معانی ہیں اور بعض حنفی فقہاء نے یہ کوشش کی ہے کہ ان چاروں کے مختلف اقوال کو امام کے قول قرار دیں اور یہ کہیں کہ امام ابو حنیفہ نے ان سے رجوع کر لیا تھا لیکن یہ ان ائمہ کی تاریخ سے شدید غفلت کا نتیجہ ہے اور اس سے بھی عدم واقفیت کی دلیل ہے جو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، کیونکہ ابو یوسف اپنی کتاب الخراج میں ابو حنیفہ کی رائے بیان کرتے ہیں پھر اپنی رائے اس وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ وہ ابو حنیفہ کے خلاف ہے اور سبب اختلاف بھی بتاتے ہیں اور ان کا یہی رویہ اس کتاب میں بھی ہے جو انہوں نے ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے خلاف لکھی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کی رائے لکھنے کے بعد ابن ابی لیلیٰ کی حمایت میں لکھتے ہیں اور امام محمد رحمہ اللہ اپنی کتابوں میں ابو حنیفہ اور ابو یوسف اور اپنے اقوال لکھتے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ ان دونوں کے خلاف ہیں تو اگر ان لوگوں کی رائے صحیح ہوتی جو کہتے ہیں کہ یہ تمام اقوال ابو حنیفہ کے ہیں جن سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا تو ان کا علیحدہ مذہب نہ ہوتا۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں

نے ابو حنیفہ کی اکثر آراء کو ترک کر دیا تھا وہ احادیث جاننے کے بعد جو اہل حجاز کے پاس تھیں اور تاریخی طور پر یہ طے شدہ امر ہے کہ جن ائمہ احناف کا ذکر ہم نے ابو حنیفہ کے بعد کیا ہے وہ ابو حنیفہ کے مقلد نہیں تھے کیونکہ تاریخ اسلام کے اس عہد تک تقلید رائج نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ مستقل طور پر خود مفتی تھے جن کے فتوؤں کی بنیاد وہ دلائل تھے جو ان کے سامنے تھے اور نہ ہی وہ اس کی پرواہ کرتے تھے کہ ان کا فتویٰ استاد کے خلاف ہے یا موافق۔ لہذا ابو یوسف اور امام محمد کی نسبت ابو حنیفہ سے ویسی ہی ہے جیسے شافعی کی مالک سے۔ (یعنی امام شافعی شاگرد ہیں امام مالک کے اور فقہ مالکی علیحدہ ہے اور فقہ شافعی علیحدہ ہے)۔

اس اقتباس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

- (۱) ایک تو یہ کہ فقہ حنفی کی بنیاد زیادہ تر امام ابو یوسف و امام محمد کے فتاویٰ پر ہے اور یہ دونوں حضرات کثرت سے امام ابو حنیفہ کی مخالفت میں فتویٰ دیتے ہیں۔
- (۲) دوسرے یہ فقہ حنفی میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں تھی کہ وہ دوسری فقہوں پر چھا جاتی بلکہ اس کی قبولیت کا سبب بنو عباس کے دربار سے وابستگی تھی۔

امام ابو حنیفہ ”خود مقلد تھے“

دوسری بات یہ کہ امام ابو حنیفہ خود مقلد تھے خود مستقل مجتہد نہیں تھے اس کی تائید میں ہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں جو باوجودیکہ فقہ حنفی چھوڑ کر فقہ مالکی کے پیروکار ہو گئے تھے پھر بھی برصغیر میں فقہ حنفی کی تقلید کو واجب سمجھتے تھے وہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

”امام ابو حنیفہؒ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم خیال علمائے تابعین کے مسلک پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے اور شاید ہی کبھی اس سے انحراف کرتے ہوں۔ اس مسلک کی بنیادوں پر مسائل کی تخریج کرنے میں انہیں بڑا کمال حاصل تھا، تخریج کے طریقوں میں وہ انتہائی وقت نظر سے کام لیتے تھے اور انہوں نے اپنی پوری توجہ جزییات کی توضیح اور استنباط میں لگا رکھی تھی اگر تم ہماری اس بات کی تصدیق چاہتے ہو تو امام محمد کی کتاب الاثار، عبد الرزاق کی جامع اور ابو بکر ابن ابی شیبہ کی مصنف میں سے ابراہیم نخعی کے اقوال چن کر جمع کر لو پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ان کا مقابلہ کرو تو تم دیکھو گے کہ سوائے چند مقامات کے کہیں بھی ان کا قدم ابراہیم نخعی کے جادہ فقہی سے ہٹ کر نہیں پڑتا۔ اور وہ چند مقامات بھی ایسے نہیں ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے ان میں کوئی اپنی الگ راہ نکالی ہو بلکہ ان میں بھی دیگر فقہائے کوفہ میں سے کوئی نہ کوئی ان کے سامنے موجود ہے۔“ ۲۳۹

اور جو شخص قرآن و حدیث پر عبور نہ رکھتا ہو وہ فتوے کا اہل ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ہم نے اوپر علامہ حضری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اہل حجاز کی احادیث امام محمد اور امام ابو یوسف کو پہنچیں تو انہوں نے امام ابو حنیفہ کے فتاویٰ سے رجوع کر لیا کیونکہ ان کے فتاویٰ احادیث کے خلاف تھے۔ ذیل میں ہم امام محمد بن حسن اور امام شافعی کی گفتگو کا ایک حصہ نقل کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں۔ امام محمد بن حسن فقہ حنفی کے مدون اور امام ابو حنیفہ کے ممتاز شاگرد ہیں آپ امام مالک کی خدمت میں تین سال تک رہے اور ان سے موطا کی سماعت کی ایک روز امام محمد اور امام

شافعی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ امام محمد نے کہا ہمارے استاذ (ابو حنیفہ) اور مربی آپکے استاذ (امام مالک) سے بڑے عالم ہیں انہیں (ابو حنیفہ کو) چپ نہیں ہونا چاہئے اور انہیں (امام مالک کو) بولنا نہیں چاہئے۔۔۔ گویا وہ اشارتا امام شافعی سے بھی یہی بات کہہ رہے تھے۔ امام شافعی نے کہا : میں آپ کو قسم دے کر پوچھ رہا ہوں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ جاننے والا کون ہے مالک یا ابو حنیفہ؟ امام محمد نے کہا امام مالک لیکن امام ابو حنیفہ فکر و قیاس میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ امام شافعی نے کہا ہاں یہ صحیح ہے اور امام مالک کتاب اللہ کو ابو حنیفہ سے زیادہ جاننے والے ہیں اس لئے جو کتاب و سنت کو زیادہ جاننے والا ہو اسے گفتگو کرتے رہنے کا حق زیادہ ہے امام محمد بن حسن یہ سکر خاموش ہو گئے۔۔۔ ۲۴۰

ان تمام گزارشات سے ہمارا مقصد کسی کو اس کے مقام سے گھٹانا یا بڑھانا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصد تحقیق ہے اور اس تحقیق کی غرض و غایت بھی محض یہ ہے کہ فقہ حنفی کے ماننے والے حقیقت حال سے آگاہ ہوں۔ آگاہی اور علم تقلید محض کی ضد ہیں اور ساتھ ہمیشہ ”علم“ اور تحقیق کا دینا چاہئے۔ علمی دنیا میں اس مقولے کی کوئی حیثیت نہیں کہ ”ہمارے آباء و اجداد بھی یہی کرتے تھے لہذا ہم بھی یہی کرتے ہیں۔“

امام مالک اور فقہ مالکی

ان کا نام ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمر بن الحارث ابن عثمان بن ثیل بن عمر بن الحارث (ذو اصبح من حمیر بن سباء) ہے اور یہ یمنی قبیلہ ہے اور ان کی والدہ عالیہ بنت شریک الازدیہ ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے والد اور والدہ دونوں عربی النسل ہیں۔

لیکن بہت سے علماء نے ان کے اس نسب نامے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ عربی نہیں تھے بلکہ موالی بنی تیم بن مرہ میں سے تھے۔ امام مالک کے استاد ابن شہاب الزہری کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک کے چچا نافع بن مالک نے بتایا کہ وہ لوگ بنی تیم کے موالی میں سے ہیں۔ ۲۴۱۔ ابن عبد البر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”ان محمد بن اسحاق الواقدی زعم ان مالک و اباہ و جدہ و اعمامہ موالی لبنی تیم بن مرہ و ہذا ہوا السبب فی تکذیب مالک لمحمد بن اسحاق و طعنہ علیہ“ ۲۴۲۔ محمد بن اسحاق الواقدی نے دعویٰ کیا ہے کہ مالک ’ان کے والد‘ ان کے دادا اور چچا وغیرہ بنی تیم بن مرہ کے غلام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ واقدی امام مالک تکذیب کرتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں۔ ہم اس بحث کو طول نہیں دینا چاہتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک امام مالک نے یہ سلسلہ نسب محض گڑھ لیا تھا ورنہ وہ بنی تیم بن مرہ کے موالی میں سے تھے۔ ۲۴۳۔

ایک اور بات جو امام مالک کے بارے میں کہی گئی ہے وہ یہ کہ آپ کی مدت حمل غیر فطری بیان کی گئی ہے بعض نے ۲ سال بعض نے ۳ سال اور بعض نے ۴ سال تک بیان کی ہے۔ ۲۴۴۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے بعض احناف اور مالکی فقہاء نے زیادہ سے زیادہ مدت حمل دو سال قرار دی ہے اور وہ اپنے فتاویٰ پر قائم ہیں۔ اگر اس فتوے کو مان لیا جائے تو اس عہد میں ”زنا“ جیسے حرام فعل کا دروازہ کھل جائے گا۔ آج کل لوگ تلاش معاش میں سالہا سال کے لئے بیرون ممالک چلے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ شوہر کو خبر ملی کہ دو سال بعد جب وہ گھر واپس جانے والا ہے تو وہ چند دن کے بچے کا باپ بھی ہو گا۔ اگر الزام لگایا تو بیوی کہہ دے

گی کہ امام مالک دو سال کے پیدا ہو سکتے ہیں تو یہ بچہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ جب کہ طب جدید و قدیم میں طے شدہ امر ہے کہ مدت حمل نو ماہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر امام مالک کا حمل دو سال قرار دے دیں تو ان کی ماں کا کیا رجبہ متعین ہو گا؟ ہم ان باتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

آپ کی ولادت بقول منور خیمین ۹۰ھ یا ۹۳ھ یا ۹۴ھ یا ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کے پردادا ابی عامر کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ صحابی تھے اور سب سے پہلے مدینہ تشریف لائے لیکن علماء نے ان کے صحابی ہونے کی نفی کی ہے۔ محدث ذہبی فرماتے ہیں ”لم ار احدا من ذکرہ فی الصحابہ“۔ ۲۳۵ھ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہو۔ درست یہ ہے کہ امام مالک کے دادا مالک بن ابی عامر سب سے پہلے مدینہ تشریف لائے اور وہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

ان کے خاندان کا ”علم“ سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ تھا نہ جانے سید تقی ندوی صاحب نے کس بناء پر لکھ دیا ہے کہ ”امام مالک کے خاندان کا جس طرح دینی علمی لحاظ سے ایک ممتاز مقام تھا۔۔۔۔۔“ ۲۳۶ھ۔ حالانکہ امام مالک نے اپنے والد سے صرف ایک روایت نقل کی ہے اس کو بھی علماء نے جعلی روایت قرار دیا ہے وہ روایت یہ ہے ”مالک عن ابیہ عن جلدہ عن عمر بن الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ اذ قال ثلاث یفرح لهن الجسد فیربو علیہن : الطیب، والثوب اللین و شرب العسل“ یعنی مالک نے اپنے والد سے، اپنے جد سے، عمر بن الخطاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تین چیزوں سے جسم کو

فرحت ملتی ہے ان کے لئے کوشاں رہو۔ خوشبو، نرم کپڑا اور ماء العسل سے ۲۳ امام مالک کے خاندان میں صرف دو پڑھے لکھے حضرات کا پتہ چلتا ہے ایک ان کے چچا نافع بن مالک بن ابی عامر الامجدی ابو سہیل المتوفی ۳۵-۳۴ھ۔ یہ ابن عمر اور انس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے بھتیجے مالک اور ابن شہاب الزہری روایت کرتے ہیں لیکن ان سے بہت زیادہ روایات منقول نہیں اور دوسرے انیس کے بھائی النضر بن انس وہ اپنے والد سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو بکر المزنی نے روایت کی ہے۔ تاریخ باقی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بھائی نضر کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

عالم مدینہ

مالکیوں نے جامع ترمذی کی ایک روایت کی بناء پر آپ کو آنحضرت کی بشارت کا مصداق قرار دیا ہے وہ روایت یہ ہے۔

”حدثنا الحسن بن الصباح البزاز و اسحق بن موسى الانصاری قالوا سفيان بن عيينه عن ابن جريح عن ابی الزبير عن ابی صالح عن ابی هريره روايه يوشك ان يضرب الناس اكباد الابل يطلبون العلم فلا يجدون احدا اعلم من عالم المدينه هذا حديث حسن صحيح“ ۲۳۸

”(جامع الترمذی) یعنی حدیث بیان کی ہم سے الحسن بن الصباح البزاز نے اور اسحاق بن موسیٰ الانصاری نے ان دونوں سے سفيان بن عيينه نے، جریح نے ان سے ابی زبیر نے ان سے ابی صالح نے ان

سے ابو ہریرہ نے روایت کی کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ طلب علم کے لئے اپنے اونٹوں کو سینے پر چابک مار مار کر بھگائیں گے لیکن وہ عالم مدینہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں پائیں گے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ترمذی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔
 ”وہو حدیث ابن عیینہ و قدروی عن ابن عیینہ انہ
 قال فی ہذا من عالم المدینہ انہ مالک بن انس قال
 اسحق بن موسی و سمعت ابن عیینہ قال
 ہوالعمری الزاہد و اسمہ عبدالعزیز بن عبداللہ
 و سمعت یحییٰ بن موسیٰ یقول قال عبدالرزاق ہو
 مالک بن انس“ ۲۳۹۰

”یہ ابن عیینہ کی حدیث ہے اور روایت کیا گیا ہے ابن عیینہ
 سے کہ انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں عالم مدینہ سے مراد مالک بن
 انس ہیں اور اسحاق بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ کو کہتے
 سنا کہ اس سے مراد عمری الزاہد ہیں جن کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ تھا
 اور میں نے یحییٰ بن موسیٰ کو کہتے سنا کہ عبدالرزاق کہتے تھے کہ اس سے
 مراد مالک بن انس ہیں۔“

”قال ابن ابی الحوت فی اسنی المطالب : خبر
 (ابی حنیفہ سراج امتی) موضوع باطل‘ ولم یرد
 فی احد من الائمہ نص لا صحیح ولا ضعیف

کخبر (عالم قریش یملا طباق الارض علما) و
 حمل علی الشافعی، و کذا خبر : یکادیضرب
 الناس اکباد الابل ——— الحدیث، سمعته من
 المالکیہ ولم ارہ، و حمل علی مالک و یظهر علیہ
 التکلیف "۲۵۰

"ابن ابی الموت کہتے ہیں کہ یہ روایت ابو حنیفہ میری امت کے چراغ
 ہیں من گھڑت اور باطل ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی صحیح یا
 ضعیف حدیث کے طور پر یہ نقل نہیں کیا جیسا کہ خبر میں ہے کہ قریش کا
 ایک عالم زمین کے طبقات کو علم سے پر کر دے گا اور اس سے مراد شافعی
 ہیں۔ اسی طرح ایک روایت امام مالک کے لئے ہے عنقریب ایک زمانہ
 ایسا آئے گا کہ لوگ اونٹ کے سینوں پر ماریں گے ——— الحدیث۔ میں
 نے اسے مالکیوں سے سنا ہے لیکن کسی کتاب میں دیکھا نہیں۔ لوگوں
 نے اسے مالک پر محمول کیا ہے اور ایسا کرنے میں جو دشواری ہوگی وہ
 ظاہر ہے۔"

ایک تو یہ روایت مزید ہے یعنی ابو ہریرہ نے آنحضرت کا نام سند میں نہیں
 لیا ہے، دوسرے یہ کہ اس سلسلہ سند میں ایک راوی ابو زہیر موجود ہے جس کی
 وثاقت پر علمائے رجال نے کلام کیا اور اس پر بعض طعن وارد کئے ہیں۔ لہذا یہ
 روایت درست نہیں پھر یہ کہ امام مالک کے عہد میں مدینہ میں امام مالک کے شیوخ
 موجود تھے جن کے سامنے امام مالک طفل مکتب سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے مثلاً۔
 (۱) زید بن اسلم المتوفی سن ۱۳۶ھ امام مالک کے استاد ہیں۔ (۲) ابو حازم سلمہ

بن دینار المتوفی سن ۱۳۰ھ یہ بھی امام مالک کے شیخ ہیں۔ (۳) صفوان بن سلیم المتوفی ۱۳۲ھ یہ بھی مالک کے استاد ہیں۔ (۴) عبدالرحمن بن ابی الزناد المتوفی سن ۱۷۴ھ یہ بھی مالک کے استاد ہیں۔ (۵) عبداللہ بن زکران المتوفی ۱۳۱ھ یہ امام مالک کے شیخ ہیں۔ (۶) ربیعہ الرای المتوفی سن ۱۳۶ھ امام مالک ان کے بھی شاگرد ہیں۔ (۷) یحییٰ بن سعید بن قیس المتوفی سن ۱۳۳ھ۔ (۸) ابو الحارث محمد بن عبدالرحمن المتوفی ۱۶۰ھ۔ یہ دونوں بھی امام مالک کے استاد ہیں اور ابو الحارث کے لئے تو کہا گیا ہے کہ وہ مالک سے افضل تھے اور سعید بن المسیب کے مثل تھے۔ (۹) محمد بن مسلم الزہری المتوفی سن ۱۲۴ھ یہ بھی امام مالک کے استاد ہیں ایسے جلیل القدر علماء کی موجودگی میں امام مالک کو کیسے اس حدیث کا مصداق سمجھا جاسکتا ہے۔

امام مالک کا حلقہ درس اور شاگردوں سے سلوک

ہم گزشتہ صفحات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے حلقہ درس کی کیفیت لکھ آئے ہیں۔ امام مالک کا حلقہ درس شاہانہ ہوتا تھا کیونکہ آپ کی پشت پر امراء اور حکام وقت تھے۔ اس موضوع پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے سر دست امام مالک کے حلقہ درس کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں۔ علامہ سلیمان ندوی بر صغیر کے ایک وسیع النظر عالم گزرے ہیں وہ اپنی کتاب میں حلقہ درس کی یوں تصویر کشی کرتے ہیں۔ جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکا ہوتا تھا، طلبہ کا ہجوم، مستقیوں کا اژدہام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مہذب نشست درخانہ پر سوار یوں کا انبوه، دیکھنے والوں پر رعب

و وقار طاری کردیتا تھا۔ ۲۵۱۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ : امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی جب حدیث نبویؐ کے اطاء کا وقت آتا تو پہلے وضو یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک پہنتے بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے۔ ۲۵۲۔ عمد حاضر کے مشہور مورخ فقہ شیخ خضریٰ بک نے واقدی کی زبانی امام مالک کی مجلس درس کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

”قال الواقدي وغيره كان مجلس مالک مجلس وقار و حلم و كان رجلا مهيبا نبیلا ليس في مجلسه شئ من المراء و اللغظ ولا رفع صوت اذا سئل عن شئ فاجاب سائله لم يقل له من اين رايت هذا؟ و كان له كاتب قد نسخ كتبه يقال له حبيب يقر للجماعه فليس احد ممن حضر يدنو منه ولا ينظر في كتابه ولا يستفهمه هيبة و اجلالا و كان حبيب اذا اخطا ففتح عليه مالک ولم يكن يقرأ كتبه على احد و هنه هي عادته الا ان يحيى ابن بكير ذكر انه سمع الموطأ من مالک اربع عشرة مرة و زعم ان اكثرها بقراءة مالک و بعضها بالقراءة عليه“ ۲۵۳۔

”ہم اس کا ترجمہ خود کرنے کی بجائے مشہور دیوبندی عالم محمد تقی عثمانی

کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں : **واقدی وغیرہ نے کہا ہے امام مالک کی مجلس وقار و حلم کی مجلس تھی صاحب بیت اور رعب داب والے تھے ان کی مجلس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ ہنگامہ اور نہ آواز بلند ہوتی تھی جب کسی بات کا آپ سے سوال کیا جاتا تو سائل کو جواب دے دیتے تھے اور وہ سائل یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ اس مسئلے کا ماخذ کیا ہے۔ آپ کے پاس ایک کاتب حبیب نامی تھے جو آپ کی کتابیں لکھتے اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتے تو حاضرین میں سے کوئی نہ ان کے قریب آتا نہ ان کی کتاب میں دیکھتا اور نہ کوئی ان کی بیعت کی وجہ سے کچھ دریافت کرتا البتہ اگر حبیب کہیں غلطی کرتے تو خود امام مالک ان کو بتاتے اور ان کی عادت تھی کہ وہ اپنی کتابیں کسی کو پڑھ کر سناتے نہیں تھے لیکن یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے موطا امام مالک سے چودہ بار سنی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ اکثر مرتبہ تو خود امام مالک نے پڑھا ہے اور بعض مرتبہ خود یحییٰ بن بکیر نے پڑھا ہے۔“ ۲۵۴**

امام شافعی امام مالک کے مشہور شاگرد ہیں ہم ان کا ایک واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں : **امام شافعی مکہ کے والی کا ایک سفارشی خط لے کر مدینہ کے والی کے پاس پہنچے جس میں ان سے حسن سلوک کی سفارش تھی اور انہیں امام مالک کی خدمت میں پہنچانے کا حکم تھا۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ میں یہ خط لے کر والی مدینہ کے پاس پہنچا، والی نے خط پڑھ کر کہا : اے نوجوان مکہ تک پیدل سفر کرنا میرے لئے آسان تر ہے مالک بن انس کے دروازے تک جانے سے مجھے آج تک کبھی خفت محسوس نہیں ہوئی مگر ان کے دروازے پر۔ شافعی**

کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے امیر اللہ آپ کو سلامت رکھے اگر مناسب سمجھیں تو ان کے پاس حاضری کی غرض سے چلیں۔ امیر نے کہا ہاں چلو شاید ہم اپنی مراد کو پہنچیں پس ہم لوگ سوار ہو کر ان کے گھر پر پہنچے قسم بخدا جیسا کہ والی مدینہ نے کہا تھا ہم نے ویسی ہی صورت حال پائی، ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک کالی سی لونڈی برآمد ہوئی۔ والی مدینہ نے کہا اپنے آقا سے کہو کہ میں ان سے ملنے آیا ہوں، وہ اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آکر کہا کہ آقا آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو کاغذ پر لکھ کر بھیج دو میں جواب بھیج دوں گا اور اگر تم کوئی حدیث سننا چاہتے ہو تو مجلس درس کا دن تمہیں معلوم ہی ہے لہذا واپس چلے جاؤ، والی نے کہا کہ ان سے جا کر کہو کہ میرے پاس والی مکہ کا ایک اہم پیغام ہے جو میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ لونڈی اندر گئی اور تھوڑی دیر میں ایک کرسی لا کر والی کے لئے بچھا دی پھر مالک تشریف لائے ان پر بہت رعب موجود تھا پس والی مدینہ نے وہ پیغام ان کو پیش کیا۔ ۲۵۵

علامہ ابن عبد البر تحریر کرتے ہیں۔

”قال اسماعیل الفزاری : دخلت علی مالک و

سالته ان یحدثنی فحدثنی اثنی عشر حدیثاً ثم

امسک فقلت : زدنی اکرمک اللہ وکان له سودان

قیام علی راسہ فاشار الیہم فاخر جونى من دارہ“

”اسماعیل الفزاری کہتے ہیں کہ میں امام مالک کے پاس گیا اور ان سے

حدیثیں سنانے کی درخواست کی امام مالک نے مجھے بارہ حدیثیں سنائیں

پھر خاموش ہو گئے تو میں نے عرض کی اللہ آپ کی عزت میں اضافہ فرمائے

مزید ارشاد فرمائیے۔ یہ سننا تھا کہ اپنے سرہانے کھڑے ہوئے جشیوں کو
ایک اشارہ کیا اور انہوں نے مجھے گھر سے باہر نکال دیا۔ ”۲۵۶
ایک اور واقعہ لکھ کر ہم اس بحث کو تمام کرتے ہیں۔ ابن اسحاق لکھتے
ہیں :

”وحدثنا ابو بکر بن عبد اللہ الصنعانی
قال : اتینا مالک بن انس فحدثنا عن ربیعہ الراعی
فکننا نستزیدہ فقال لنا ذات یوم : ما تصنعون
بربیعہ وهو قائم فی ذاک الطاق؟ فاتینا ربیعہ
فقلنا : کیف یحظی بک مالک ولم تحظانت
بنفسک؟ فقال : اما علمتہم ان مثقالا من دولہ
خیر من حمل علم“ ۲۵۷

”ابو بکر بن عبد اللہ الصنعانی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک کے پاس آئے ہم
لوگ ربیعہ الراعی کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے تھے اور ان کی بہت
تعریف کیا کرتے تھے ایک روز امام مالک نے ہم سے کہا تم ربیعہ کی کیا
بات کرتے ہو وہ تو وہاں طاق میں بیٹھا ہے پھر ہم ربیعہ کے پاس آئے اور
کہا مالک آپ کے مقابلے میں کتنی بہتر حالت میں ہیں اور مرتبے پر فائز
ہیں لیکن آپ اپنے آپ سے بھی نفع نہیں اٹھاتے، یہ سن کر ربیعہ
الراعی نے کہا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دولت کا بوجھ علم کے بوجھ
سے زیادہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ ربیعہ الراعی استاد ہیں امام مالک
کے۔“

ہمارے خیال میں امام مالک کے بارے میں جو باتیں ہم نے لکھ دی ہیں
قارئین ان سے خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ امامت کبریٰ پر فائز ہونے کے وہ کس قدر
حق دار تھے۔

امام مالک کی فقہانت

امام ابو حنیفہ کے بارے میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ خود مجتہد نہیں تھے بلکہ
ان کے فتاویٰ ابراہیم نخعی سے ماخوذ تھے یہی حال امام مالک کا بھی ہے، شاہ ولی
اللہ محدث دہلوی ائمہ اربعہ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :
جو شخص بھی ان مذاہب کے اصول و امعات پر اطلاع رکھتا ہو اس بارے
میں شک نہیں کرے گا کہ ان کے مذاہب کی اصل حضرت عمر فاروق کے اجماعی
مسائل ہیں اور یہ ان تمام مذاہب کے درمیان مشترک سی چیز ہے اس کے بعد اہل
مدینہ میں سے فقہائے صحابہ جیسے ابن عمر اور حضرت عائشہ اور کبار تابعین مدینہ
میں سے فقہائے بعد اور صفار تابعین مدینہ میں سے زہری اور ان جیسے حضرات پر
اعتماد مالک کے مذہب کی بنیاد ہے جس سے ان کے مذہب کی ایک خاص صورت
پیدا ہو گئی۔ ۲۵۸ھ۔ فقہائے بعد درج ذیل افراد ہیں سعید بن المسیب م ۹۳ھ،
عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود م ۹۸ھ، عروہ م ۹۳ھ، قاسم بن محمد بن ابی بکر م ۱۰۸ھ،
ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام م ۹۳ھ، سلیمان بن یسار م ۱۰۹ھ، خارجہ بن
زید م ۱۰۹ھ۔ ۲۵۹ھ۔ یہ حضرات اپنے زمانے میں علم و فقہ کا مرکز تھے اور مسلک امام
مالک کا انحصار انہیں فقہاء پر ہے۔

امام مالک اقوال حضرت عمرؓ کے اس قدر شیدائی ہیں کہ قرآن مجید کی محکم

آیت کے خلاف بھی فتویٰ دے دیتے ہیں۔ شیخ خضریٰ بک امام مالک کے مصالح
مرسلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”وَمِثَالُ ذَلِكَ الضَّرْبُ بِالتَّهْمَةِ لِلاِسْتِنَاقِ بِالسَّرْقَةِ
قَدْ قَالَ بِجَوَازِهِ مَالِكٌ وَيُخَالِفُهُ غَيْرُهُ لِأَنَّ هَذِهِ
مَصْلَحَةٌ تَعَارُضُهَا أُخْرَى وَهِيَ مَصْلَحَةُ الْمَضْرُوبِ
لِأَنَّهُ رِيْمًا يَكُونُ بَرِيًّا وَتُرْكُ الضَّرْبُ فِي مَذْنَبِ
أَهْوَنَ مِنْ ضَرْبِ بَرٍّ فَإِنْ كَانَ فِيهِ فَتْحٌ بَابِ
يَعْسَرُ مَعَهُ انْتِزَاعُ الْأَمْوَالِ فِي الضَّرْبِ فَفَتْحُ بَابِ إِلَى
تَعْذِيبِ الْبَرِّ عَمَّا وَمِنْ ذَلِكَ الْمَفْقُودُ زَوْجُهَا إِذَا
انْدَرَسَ خَبَرُ مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ وَقَدْ انْتَضَرَتْ سَنِينَ وَ
تَضَرَّرَتْ بِالْعَزْوِيَّةِ وَالْمَرَأَةُ تَبَاعَدَ حَيْضُهَا سَنِينَ وَ
تَعَوَّقَتْ عِدَّتُهَا فِي النِّكَاحِ وَبَقِيَتْ مَمْنُوعَةٌ مِنَ
النِّكَاحِ اخْتِذَ مَالِكٌ بَرَاءَ عَمْرِ فِيهِمَا فَقَالَ تَنْكَحُ
زَوْجَهُ الْمَفْقُودَ بَعْدَ رُبْعِ سَنِينَ مِنْ انْقِطَاعِ الْخَبَرِ وَ
تَعْتَدُ الْمَمْتَدَّ طَهْرَهَا بِثَلَاثَةِ أَشْهُرٍ بَعْدَ أَنْ يَمُرَ عَلَيْهَا
مُدَّةُ الْحَمْلِ وَهِيَ تِسْعَةُ أَشْهُرٍ فَالْمَجْمُوعُ سَنَةٌ
رَاعَوْا فِي الْأَوَّلَى مَصْلَحَةَ الزَّوْجِ وَلَمْ يَرَاعَوْا مَصْلَحَةَ
الزَّوْجِ الْغَائِبِ وَرَاعَوْا فِي الثَّانِيَةِ مَصْلَحَةَ الزَّوْجِ مَعَ
الْمُخَالَفَةِ لِلنَّصِّ الصَّرِيحِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى
وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَهِيَ لَمْ

تصل بعد السن الياس حتى تعتد بالاشهر - ۲۶۰-
 ”اس کی مثال چوری کا اقرار کرانے کے لئے کسی شخص کو سزا دینے کی
 ہے جس کے جواز کے امام مالک قائل ہیں لیکن دوسرے علماء ان کی
 مخالفت کرتے ہیں کیونکہ یہ ایسی مصلحت ہے کہ دوسری مصلحت اس کی
 معارض ہے اور وہ مصلحت اس شخص کی ہے جسے مارا جائے کیونکہ بہت
 ممکن ہے کہ وہ بری ہو اور گناہ گار کو نہ مارنا ایک برے شخص کو مارنے
 سے زیادہ آسان ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح مال برآمد نہ
 ہو گا تو دوسری طرف ایک بے گناہ کو مارنے کا دروازہ کھل جائے گا اور
 اسی طرح مفقود الخیر کا مسئلہ ہے کہ جب اس کی موت و حیات کی خبر معلوم
 نہ ہو اور وہ کئی سال انتظار کرے اور شوہر کی علیحدگی کی مضرت برداشت
 کرے اور وہ عورت جس کا حیض کئی سال سے بند ہے اور نکاح کے لئے
 اس کی عدت رک گئی ہے اور وہ نکاح نہ کر سکی تو امام مالک نے ان
 دونوں صورتوں میں حضرت عمر کی رائے کو لیا کہ مفقود الخیر کی بیوی چار
 سال بعد نکاح کر لے اور دوسری عورت مدت حمل (نومہ) گزرنے کے
 بعد تین ماہ عدت میں بیٹھے تو مجموعہ ایک سال ہوا۔ پہلی صورت میں بیوی
 کی مصلحت کا خیال رکھا شوہر کی غایت کا خیال نہ رکھا اور دوسری میں
 بھی زوجہ ہی کی مصلحت کا خیال رکھا باوجودیکہ نص قرآنی اس کے
 مخالف ہے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ ”والمطلقات يشربصن
 بانفسهن ثلاثه قروء“ مطلقہ عورتیں تین ایام ماہواری تک
 انتظار کریں اور یہ دوسری عورت ابھی سن یاس کو نہیں پہنچی کہ مہینوں

کے اعتبار سے عدت گزارے۔

اب ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآنی آیت کی مخالفت میں فتویٰ دینے والے کو کیسے فقیہ، مجتہد یا امام مانا جاسکتا ہے؟ جناب مالک بن انس کی مجلس درس شاہانہ، روش مقلدانہ اور استنباط معارضانہ تھا لہذا انہیں کوئی نسبت امام صادقؑ سے نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ مالک بن انس نے تھوڑا سا عرصہ امام صادقؑ کے پاس گزارا اور ان کی شاگردی قبول کی۔

امام شافعی اور ان کا مذہب

عالم اسلام میں اس وقت جو مختلف مسالک فقہ رائج ہیں ان میں سے ایک مسلک امام شافعی کا بھی ہے کیونکہ یہ شاگرد ہیں امام مالک کے اور امام مالک شاگرد تھے امام جعفر صادقؑ کے اس لئے یہ بالواسطہ امام صادقؑ کے شاگرد ہوئے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں علامہ عبدالحلیم الجندی کے حوالے سے لکھ آئے ہیں۔ بناء برائیں ان کے مذہب کا مختصر سا تعارف ضروری تھا نیز یہ کہ فقہ جعفری کے ساتھ ساتھ بلاد اسلامیہ میں سے بعض میں کیونکہ یہ مسلک بھی رائج ہے اس لئے اس کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

ان کا نام ابو عبد اللہ محمد بن ادريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب ابن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف تھا ان کی پیدائش ۱۵۰ھ میں جمعہ کے روز رجب کی آخری تاریخ میں ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ اس روز پیدا ہوئے جس روز امام ابوحنیفہ کا انتقال ہوا۔

آپ کی جائے ولادت کے بارے میں بھی اختلاف ہے کسی نے کہا ہے کہ غزہ

میں پیدا ہوئے کسی نے عسقلان، کسی نے یمن اور کسی نے مکہ میں آپ کی ولادت قرار دیا ہے۔ البتہ ان کی وفات ۲۰۴ھ میں مصر میں ہوئی اور لوگ کاندھوں پر آپ کی میت کو فسطاط سے لائے یہاں تک کہ مقبرہ بنی زہرہ میں آپ کو دفن کیا گیا یہ جگہ تربہ ابن عبدالحکم بھی کہلاتی ہے۔ ۲۶۱ھ۔ آپ کی عمر بوقت وفات ۵۴ برس تھی۔

گوکہ بعض حنفی اور مالکی علماء نے ان کے خاندان قریش سے ہونے کی نفی کی ہے اور انہیں اس خاندان کا غلام بتایا ہے لیکن ہمارے خیال میں یہ درست نہیں ان کی والدہ کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ وہ ازدی تھیں اور ان کی کنیت ام حبیبہ تھی جیسا کہ الساجی، الابری، البیہقی، الخطیب البغدادی اور الاردمستانی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی والدہ اسدی تھیں اور اس کی دلیل امام شافعی سے منقول ایک قول ہے کہ جب وہ مصر آئے تو بہت سے حضرات نے انہیں اپنے پاس ٹھہرنے کی پیش کش کی لیکن انہوں نے مسترد کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے خالہ زادوں اسدیوں کے یہاں ٹھہروں گا پس وہ وہیں ٹھہرے۔ ۳۶۳ھ

ماوری نسب نامہ یوں بیان کیا جاتا ہے فاطمہ بنت عبد اللہ، یا عبید بن الحسین بن الحسن بن علی بن ابی طالب۔ امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور المقرئ نے اس کی نفی کی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فاطمہ بنت عبد اللہ بن الحسن بن الحسین بن علی ابن ابی طالب تھیں یا عبد اللہ الحنظل بن الحسن المثنی بن الحسن البطل کی صاحبزادی تھیں۔ ۳۶۳ھ

امام شافعی کے والد اور لیس کے ذکر سے تاریخ خاموش ہے اور کتب رجال میں ہم کوئی تذکرہ ان کا نہیں پاتے۔ ہاں اتنا ضرور ثابت ہے کہ شافعی کی ولادت سے قبل ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی والدہ نے حالت یتیمی میں ان کی پرورش کی۔ ان کے معاشی حالات بہت دگرگوں تھے۔

امام شافعی کے ماننے والوں نے بہت سی بے سروپا باتیں ان کے اثبات مناقب کے خیال سے لکھ ڈالی ہیں ہم آئندہ صفحات میں مختصراً ان کا جائزہ لیں گے۔



مکہ میں طلب علم

شافعی جب مکہ پہنچے تو صغیر السن تھے اور جب جوان ہوئے تو ان کی والدہ نے انہیں نقل نویسی کے سپرد کر دیا اسی دوران انہوں نے قرآن حفظ کیا، کتابت سیکھی، وہ حدیث اور قرآن سیکھنے کے بہت شائق تھے اور کبھی کھال پر لکھتے تو کبھی ہڈیوں پر۔۔۔۔۔ پھر انہیں ان کی والدہ نے برباد ہونے کے خوف سے گاؤں بھیج دیا یہ بنو ہذیل میں رہنے لگے اور وہاں اشعار کو حفظ کرنا شروع کیا وہ انہیں کے ساتھ قیام کرتے اور انہیں کے ساتھ سفر کرتے، جب وہ مکہ واپس آئے تو ادب کے شہ پارے اور تاریخی واقعات ان کے برنوک زبان تھے، ان پر بدویت کا اثر غالب تھا اور بنو ہذیل سے انہوں نے فصاحت سیکھی تھی۔ ۲۶۳۔ ابن کثیر کی روایت کے مطابق گاؤں میں ان کا قیام دس سال سے زائد تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ۲۰ سال وہاں قیام کیا۔ ۲۶۵۔ خود امام شافعی سے وہاں قیام کی مدت ۱۷ سال منقول ہے۔ ۲۶۶۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہذیل کے وہاں سے واپس آئے تو ان کی عمر کم از کم ۲۷ سال سے متجاوز اور ۳۱ سال کے درمیان تھی اور اس زمانے تک انہیں فقہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ امام شافعی فقہ کی طرف کیسے متوجہ ہوئے؟ اس کو خود امام شافعی کی زبانی سنئے وہ مکہ میں تعلیم کتابت اور حفظ قرآن کے ذکر کے بعد کہتے ہیں۔

”ثم انی اخرجت عن مکہ فلزمت هذيل في البادية
 اتعلم كلامها و آخذ طبعها و كانت افصح العرب
 فبقيت فيهم سبع عشرة سنة ارحل بر حيلهم و
 انزل بنزلهم فلما رجعت الى مكه جعلت انشد

الاشعار واذکر الادب والاخبار وایام العرب فمری
رجلا من الزبیریین من بنی عمی' فقال لی : یا
ابا عبد اللہ عز علی ان لا یکون مع هذه اللغة وهذه
الفصاحه والذکاء فقه" ۲۶۷

”پھر میں مکہ سے نکلا تو حذیل کے قبیلے میں گاؤں چلا گیا تاکہ ان کا کلام
سیکھوں اور ان کے طور طریقے اخذ کروں یہ لوگ عرب میں سب سے
زیادہ فصیح تھے میں نے ان کے پاس ۷ سال گزارے میں سفر اور حضر
میں ان کے ساتھ رہتا جب میں مکہ واپس آیا تو میں اشعار پڑھتا، ادب
پاروں کا ذکر کرتا اور تاریخی واقعات و عرب کی لڑائیوں کے قصے سناتا،
ایک روز میرے چچہروں یعنی زہیروں میں سے ایک شخص میرے پاس
سے گزرا تو اس نے کہا اے ابو عبد اللہ مجھ پر یہ بات بہت شاق ہے کہ
اس زبان آوری، فصاحت اور ذکاوت کے ساتھ فقہ موجود نہیں۔“

پس یہ سب ہوا ان کے فقہ کی طرف متوجہ ہونے کا اور اس کے بعد انہوں
نے مفتی مکہ مسلم بن خالد الزنجی کی خدمت میں رہنا شروع کیا۔ لیکن یہ مدت بہت
ہی تھوڑی ہوگی کیونکہ الزنجی کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا ہے جس وقت امام شافعی کی عمر
۳۰ سال تھی اور وہ اسی عمر میں فقہ کی طرف متوجہ ہوئے شاید دویا چار نشستیں
مسلم بن خالد الزنجی کے ساتھ ہو سکی ہوں۔

الحمدی نے جو یہ روایت کی ہے کہ میں نے مسلم بن خالد الزنجی کو کہتے سنا کہ
”میں امام شافعی کے پاس سے گزرا تو وہ فتویٰ دے رہے تھے اور اس وقت ان کی
عمر محض ۱۵ سال تھی تو یہ دیکھ کر میں نے کہا ہاں تم اب بھی اس لائق ہو کہ فتویٰ

دے سکو۔" تو اس روایت کی کوئی اصل موجود نہیں۔

اولاً ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ ۳۰ سال کی عمر تک امام شافعی کو فقہ کا کچھ پتہ نہ تھا وہ نعل خطیب بغدادی نے الحمیدی کی یہ روایت لکھ کر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ولیس ذلک بمستقیم لان الحمیدی کان یصغر عن ادراک الشافعی ولہ تلک السن" ۲۶۸ یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ الحمیدی شافعی کے سن کو کم کر کے بتانا چاہتے ہیں کہ ان کا اس وقت یہ سن تھا (حالانکہ ایسا نہیں)۔

ستائیس سے تیس سال کی عمر کے درمیان انہوں نے فقہ کی طرف توجہ کی یعنی ۷۸ یا ۸۰ھ میں جس سال مسلم بن خالد الزنجی مفتی مکہ کا انتقال ہوا چنانچہ ان کا تلمذ اختیار کرنا بھی محل نظر ہے بعد ازاں وہ امام مالک کے پاس ایک سفارشی خط لے کر گئے جیسا کہ ہم امام مالک کے بیان میں لکھ چکے ہیں اور یوں امام مالک کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے۔ امام مالک کا انتقال بھی ۷۹ھ میں ہوا ہے اور علماء نے لکھا ہے کہ امام مالک کی خدمت میں وہ تقریباً ۴ سال رہے تو اسی دوران انہوں نے مسلم بن خالد الزنجی، سعید بن سالم الفلاح وغیرہ کی خدمت میں حاضری دی ہوگی۔ امام مالک کے انتقال کے بعد یعنی صرف چار سال پڑھنے کے بعد ان کی تعلیم پھر چھوٹ گئی کیونکہ انکے معاشی حالات بہت خراب تھے اور قریشیوں میں سے بعض نے والی یمن سے سفارش کی تو وہ اپنے ساتھ انہیں لے گیا اور کچھ کام ان کے سپرد کیا جس کی نوعیت کلرکوں کے کام کی سی تھی۔ شافعی ۵ سال تک یہی کام کرتے رہے۔ ۲۶۹۔ یعنی ۸۴ھ تک۔

امام شافعی بغداد میں

بغداد میں امام شافعی کی آمد ۳ مرتبہ ہوئی۔ پہلی دفعہ ۱۸۳ھ میں جب انہیں علویوں کی طرف میلان رکھنے کی وجہ سے یمن سے نکال کر بغداد لے جایا گیا۔ ان پر یہ الزام تھا کہ خلافت کے باغی علویوں سے یہ دوستی رکھتے اور لوگوں کو ان کے حق میں ابھارتے ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف سے مناظرے کئے یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابو یوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا اور امام شافعی بغداد ۱۸۳ھ میں آئے۔ ۲۷۰ھ ہارون رشید نے ان پر سخت گرفت کی تھی لیکن وہ اپنی دل پذیر گفتگو اور امام محمد بن حسن کی گواہی کی بناء پر چھوٹ گئے بلکہ ہارون نے انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ ۲۷۱ھ دوسری مرتبہ یہ ۱۹۵ھ میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۸ھ میں بغداد آئے۔ عبد اللہ بن محمد ابلوی نے ان کے بغداد لائے جانے کے واقعہ کو بہت رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے لیکن ابن حجر اور ابن القیم وغیرہ نے ان باتوں کی نفی کی ہے۔ ۲۷۲ھ۔

امام شافعی مصر میں

مصر میں امام شافعی کا ورود ۱۹۸ھ میں ہوا اور وہ فسطاط کے علاقے میں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کے مہمان کے طور پر ٹھہرے۔ محمد بن عبد اللہ خود بہت بڑے عالم تھے اور انہیں دینی و دنیوی ریاست حاصل تھی اہل مصر ان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے لیکن امام شافعی اور محمد بن عبد اللہ میں برادرانہ محبت کا رشتہ قائم ہو گیا اور انہوں نے امام شافعی کی مدد کرنی شروع کر دی اور مامون سے پہلے والی مصر عباس بن موسیٰ العباس کے پاس یہی آپ کو لے گئے۔ مالکیوں نے امام شافعی کی

بہت قدر منزلت کی وہ ہر بات پر کہتے کہ ہمارے استاد امام مالک نے یہ فرمایا۔ لیکن جب انہوں نے اپنی ایک مستقل رائے اختیار کی اور امام مالک کی رو میں کتاب لکھی تو لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور انہیں مصر سے نکالنے پر تیار ہو گئے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعی پھر مکہ واپس آئے اور بعد میں ۲۰۰ھ میں واپس مصر گئے اس دوران آپ کی شہرت ہوئی اور متبعین میں بھی اضافہ ہوا اور حنابلہ نے آپ کو بہت ایذا دی۔

اس بیان سے پتہ چل گیا ہو گا کہ امام شافعی نے ۲۷ سال سے ۳۰ یا ۳۱ سال کی عمر تک جو کچھ حاصل کر سکتے تھے حاصل کر لیا پھر وہ ۱۸۳ھ کے بعد کچھ عرصے امام محمد بن حسن کے پاس رہے اس دوران عراقی فقہ ان سے سنی اور بس پھر اس کے بعد خود ایک مسلک کے بانی بن گئے ماشاء اللہ اس امامت پر تو آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے۔

امام شافعی کی کتابیں

امام شافعی کی کتابوں میں کتاب الرسالہ اور کتاب الام مشہور ہیں۔ کتاب الرسالہ کا موضوع اصول فقہ و حدیث ہے اور یہ کتاب ان سے سن کر ریح بن سلیمان نے تحریر کی ہے وہ سوال کرتے جاتے تھے اور امام شافعی جواب دیتے جاتے تھے انہیں جوابات کو قلم بند کر لیا گیا اور یوں کتاب الرسالہ وجود میں آئی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الرسالہ امام شافعی نے دو مرتبہ لکھی ایک مرتبہ بغداد میں اور ایک مرتبہ مصر میں۔ موجودہ کتاب مصری ہے۔ امام شافعی کی دوسری اہم کتاب ”الام“ ہے جس کی امام شافعی کی طرف نسبت کے بارے میں بہت بحث کی گئی ہے

اور خود کتاب کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ یہ امام شافعی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ابویقوب البویطی کی تصنیف ہے۔

اس کی دلیل کہ کتاب الامام شافعی کی تصنیف نہیں ہے یہ ہے کہ کتاب کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ ”اخبِرنا الربیع قال : قال الشافعی“ یعنی ہمیں ربیع نے خبر دی کہ امام شافعی نے فرمایا۔ اسی طرح کتاب الحیض والاستحاضہ میں ایسی عبارتیں موجود ہیں : ”قال الربیع قال الشافعی وهو الذی نقول بہ : ان اقل الحیض یوم ولیلہ۔ واکثرہ خمسہ عشر“ ۲۷۳۔ ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا اور یہ وہ قول ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ دن۔ اسی طرح کتاب کی مختلف فصلوں میں ربیع اپنے اقوال بھی دیتے ہیں اور امام شافعی کے اقوال بھی مثلاً جلد اول کے صفحات ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۷۳ ملاحظہ ہوں۔ باب الاذان میں یہ عبارت ہے :

”قال الربیع : اخبِرنا الشافعی قال : اخبِرنا

ابراہیم بن محمد وغیرہ عن جعفر بن محمد

—الی ان یقول : قال الشافعی : وبہذا کله

ناخذ“ ۲۷۴۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ہم کو شافعی نے خبر دی کہا

کہ ہم سے ابراہیم بن محمد نے بیان کیا انہوں نے جعفر بن محمد سے

روایت کی — یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ — امام شافعی نے

کہا : ان میں سے ہر چیز کو ہم اخذ کرتے ہیں۔“

اسی طرح آپ کتاب کے مختلف مقامات پر یہ عبارت پائیں گے کہ یہ سوال

کیا گیا اور شافعی نے یہ جواب دیا جیسے کہ کسی برتن سے پانی پینے کا مسئلہ ہے۔
 ۲۷۵۔ اسی طرح بہت سے مقامات ربیع اور ابو بویطی کے اقوال سے مملو ہیں۔
 ۲۷۶۔ اسی طرح کتاب الصلح، الحوالہ، الوکالہ، الولیمہ اور اقرار الوارث وغیرہ اس کے شاہد ہیں۔

ابویقوب البویطی وہ شخص ہیں کہ امام شافعی نے اپنے بعد انہیں کو اپنا جانشین قرار دے کر اپنے تلامذہ پر ان کی مجلس میں حاضری پر زور دیا۔ حالانکہ لوگوں کا خیال تھا کہ محمد بن عبدالحکم کو اپنا جانشین بنائیں گے۔ جب امام شافعی کا انتقال ہو گیا تو محمد بن الحکم اپنے مذہب مالکی پر واپس لوٹ گئے اور ابویقوب البویطی نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔۔۔ امام غزالی نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ یہ البویطی کی تصنیف ہے وہ لکھتے ہیں۔

”و اثر البویطی الزہد والخمول ولم یعجبه الجمع
 والجلوس فی الحلقة واشتغل بالعبادة و صنف
 کتاب الام الذی ینسب الان الی الربیع بن
 سلیمان ویرثہ و انما صنفہ البویطی، ولكن لم
 يذكر لنفسه فيه ولم ینسبه الی نفسه فزاد الربیع
 فیہ و تصرف“ ۲۷۷

”البویطی نے زہد اور گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حلقہ درس کے قیام
 نے انہیں بالکل متاثر نہ کیا پس وہ عبادت میں مشغول ہو گئے اور کتاب
 الام تصنیف کی جو آج کل ربیع بن سلیمان کی طرف منسوب ہے اور
 اسی کے حوالے سے پوچھنی جاتی ہے، حالانکہ اس کو بویطی نے

تصنیف کیا ہے اور اس میں انہوں نے نہ اپنا ذکر کیا ہے اور نہ اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے، پس ربیع نے اس میں تصرف اور زیادتی کی۔“

اس بارے میں شیخ ابوطالب کی لکھتے ہیں کہ۔

”ان البویطی هو الذی الف کتاب الام واعطاء الربیع وصاریعرف بہ لانہ اعتزل الناس بالبویطہ من سواد مصر، وصنف کتاب الام الذی ینسب الان للربیع بن سلیمان ویعرف بہ، وانما هو جمع البویطی لم یذکر نفسہ فیہ، واخرجه الی الربیع فزاد فیہ“

”یہ بویطی ہی ہیں جنہوں نے کتاب الام تالیف کی اور اسے ربیع کو عطا کر دیا اور اسی حوالے سے وہ پہچانی جانے لگی کیونکہ ابویعقوب البویطی لوگوں سے کٹ کر بویطہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے جو مصر کا ایک گاؤں ہے یہیں انہوں نے کتاب الام تصنیف کی جو آج ربیع بن سلیمان کی طرف منسوب ہے اور انہیں کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ حالانکہ اسے بویطی نے جمع کیا لیکن اپنا اس میں کوئی تذکرہ نہیں کیا اور ربیع کے حوالے کر دی اور انہیں نے اس میں اضافہ

کئے۔“ ۲۷۸

کتاب الام کو دیکھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ امام شافعی کی تصنیف نہیں ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب مذہب شافعی کی تصنیف نہیں ہے ظاہراً حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی نے اپنے شاگردوں کو یہ کتاب املاء کروائی اور ان شاگردوں نے اس میں تعلیقات اور اپنے اقوال کا اضافہ کیا۔ ۲۷۹

امام شافعی کی فتاہت

ڈاکٹر سبھی مسمانی اپنی وقیع تصنیف ”فلسفہ التشریع فی الاسلام“ میں امام شافعی کے متعلق لکھتے ہیں۔

”امام شافعی شروع میں امام مالک کے مقلد اور اہل حدیث تھے لیکن اپنے سفر کے تجربات سے متاثر ہو کر اپنے لئے ایک خاص مذہب کو منتخب کیا اور یہی آپ کا عراقی یا قدیم مذہب تھا کیونکہ بعد میں جب آپ مصر میں مقیم ہوئے تو اپنے بعض اقوال سابقہ کو ترک کر دیا اور اپنے شاگردوں کو اپنے نئے مصری مذہب کی تلقین کی۔“ ۲۸۰

امام شافعی کے متعلق اس بیان سے ان کے تین دور ثابت ہوتے ہیں ایک تو تقلید محض کا دور جب وہ امام مالک کے مقلد تھے۔ دوسرے وہ عہد جب وہ سفری تجربات سے متاثر ہو کر نہ علمی مباحث سے متاثر ہو کر امام مالک کے جاوہ فقہ سے بٹے اور یہ عراقی دور ہے پھر مصر آئے۔ یہاں آنے کے بعد اپنے عراقی فتاویٰ سے بھی رجوع کر لیا اور نیا مصری مسلک اختیار کیا۔ یہ تیسرا دور تھا یہ بار بار فتویٰ بدلنا کسی بھی عالم کے غیر فقیہ ہونے کی سب سے بڑی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم امام شافعی اور دوسرے شوافع کی کتابوں میں مذہب قدیم و مذہب جدید کی دو مستقل اصطلاحیں پاتے ہیں۔ عراقی زمانے کے شاگردوں میں سے زعفرانی اور کرابیسی وغیرہ نے ان کے فتاویٰ کو جمع کیا اس زمانے کی امام شافعی سے منسوب دو کتابیں ہیں ایک الامالی اور دوسرے مجمع الکفائی۔ لیکن جب یہ مصر آئے تو عراقی فتاویٰ سے رجوع کر لیا اور جو اس عہد میں مدون ہو چکا تھا اس سے بھی یہاں تک کہ

بویطی سے روایت ہے کہ امام شافعی نے کہا کہ : ”لا اجعل فی حل من روی عنی کتابی البغدادی“ ۲۸۱۔ جو مجھ سے یہ دونوں بغدادی کتابیں روایت کرے گا میں اسے جب نہیں پڑھاؤں گا (یعنی سند فراغت نہیں دوں گا)

امام فخر الدین رازی نے گیارہ ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن کو علماء امام شافعی کے نقص فی الاجتہاد کی دلیل قرار دیتے ہیں اور انہیں کی بناء پر انہیں ضعیف الرا۱ اور قلت فقہ کا طعنہ دیتے ہیں۔ ۲۸۲۔

”وقال المزنی : قرأت کتاب الرسالہ علی الشافعی ثمان مرات فما من مرة الا وقد کان یقف علی خطاء‘ فقال لی الشافعی : ابی اللہ ان یکون کتابا صحیحاً غیر کتابہ تعالیٰ“ ۲۸۳۔

”امام شافعی کے شاگرد مزنی کہتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالہ آٹھ مرتبہ امام شافعی کے سامنے پڑھی اور ہر مرتبہ آپ اس میں کسی غلطی سے واقف ہوئے اور کہا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ اس کی کتاب کے سوا کوئی کتاب ”صحیح“ یعنی بے عیب ہو۔“

”قال البجرمی : الفتوی علی مافی الجدید دون القدیم‘ و قد رجح الشافعی عنہ‘ و هذا کله قدیم لم یعضده حدیث فان اعتضد بحدیث فهو منہب الشافعی‘ فقد صحح عنہ انه قال : اذا صح الحدیث فهو منہبی و اضربوا بقولی عرض الحائط“ ۲۸۴۔

”البحر می کہتے ہیں کہ : فتویٰ جدید قول پر ہے نہ کہ قدیم پر کیونکہ امام شافعی نے اس سے رجوع کر لیا تھا“ اور قدیم فتاویٰ میں جو کچھ ہے حدیث اس کی تائید نہیں کرتی اور اگر کسی مسئلے کی تائید حدیث کرے تو وہی شافعی کا مذہب ہے، صحیح روایت ہے کہ شافعی نے کہا : حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور اس کے مقابلے میں میرا قول دیوار پر دے مارو۔“

امام شافعی علماء کی نظر میں

کسی شخص کی قدر و منزلت جاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ جس فن کا ماہر ہونے کا وہ دعویٰ کرتا ہے خود اس فن کے ماہرین اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اسی کے مد نظر ہم ذیل میں چند اقوال اکابر اہل سنت کے شافعی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

(۱) ”سئل یحییٰ بن معین : الشافعی کان یکنذب؟ قال : لا احب حدیثہ ولا اذکرہ و فی قول آخر : اما الشافعی فلا احب حدیثہ و روی الخطیب عن یحییٰ بن معین انه قال : الشافعی لیس بثقہ و عن عبد اللہ بن وضاح انه قال فی الشافعی : انه لیس بثقہ و قد اساء هذا القول بعض الشافعیہ فہذا ابن معین“ ۲۸۵

”یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ کیا شافعی جھوٹ بولتے تھے؟ کہا : میں

ان کی روایت کی ہوئی حدیث کو پسند نہیں کرتا اور نہ اس کا ذکر کرتا ہوں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مجھے ان کی حدیث پسند نہیں۔ خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ شافعی قابل اعتماد (ثقة) نہیں ہیں اور عبد اللہ بن وضاح نے شافعی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہیں۔ شافعیوں کو ابن معین کی یہ رائے پسند نہ آئی اور انہوں نے ان کی ہجو کی۔“

واضح رہے کہ یحییٰ بن معین بن عون النطفانی ابو ذکریا البغدادی المتوفی سنہ ۲۴۳ھ وہ عظیم المرتب شخصیت ہیں کہ جن کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا : ”کل حدیث لا یعرفہ یحییٰ فلیس بحدیث“ ہر وہ حدیث جس سے یحییٰ بن معین لا علم ہوں وہ حدیث ہی نہیں۔ اور جب ان کا انتقال ہوا ہے تو علماء ان کے جنازے کے آگے یہ آواز دیتے جاتے تھے کہ یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو آنحضرتؐ پر باندھے ہوئے جھوٹ کو دور کرتا تھا۔ ۲۸۶

(۲) ”وقال الکندی : لما دخل الشافعی مصر کان ابن المنکدر یصیح خلفه : یا کنا۔۔۔ دخلت هنہ البلاءة و امرنا واحد و راینا واحد ففرقت بیننا والقیت بیننا الشر فرق اللہ بین روحک و جسمک“ ۲۸۷

”کندی کہتے ہیں کہ جب امام شافعی مصر آئے تو مشہور صوفی عالم ابن المنکدر ان کے پیچھے چیختے پھرتے تھے۔ اے شافعی، تو ہمارے شر میں آدھ کا حالانکہ ہمارا امر ایک تھا، ہماری آراء ایک ہی تھیں لیکن تو نے

ہمارے درمیان تفرقہ پیدا کیا اور ہمارے درمیان شر پھیلا دیا۔ اللہ تیرے جسم اور روح کے درمیان جدائی ڈالے۔ (یعنی تجھے موت آجائے)

(۳) ”وكان اشهب يدعو على الشافعي ويقول في سجوده : اللهم امت الشافعي والاذھب علم مالک بن انس“ ۲۸۸

”اشھب امام شافعی کے حق میں حالت سجدہ میں بدعا کرتے ہوئے کہتے تھے : اے خدا شافعی کو موت دے دے ورنہ مالک بن انس کا علم (حدیث) ختم ہو جائے گا۔“

یہ اشھب بن عبدالعزیز القیس العامری الجحدی ہیں۔ امام مالک اور لیث وغیرہ سے علم حاصل کیا اور امام مالک اور دیگر مدنی اور مصری مشائخ سے علم فقہ حاصل کیا۔ ”قال الشافعی : ما رایت افقہ من اشھب وانتہت الیہ الریاسہ بمصر“ شافعی کہتے ہیں کہ میں نے اشھب سے بڑھ کر فقیر نہیں دیکھا اور مصر میں علمی ریاست ان پر ختم ہو گئی۔ ۲۸۹

امام شافعی پر جو مختلف طعن کئے گئے ہیں انہیں مختصراً ہم یہاں بیان کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

(۱) بخاری اور مسلم نے امام شافعی کی کوئی روایت نہیں لی ہے جب کہ دوسرے محدثین سے روایت لی ہے۔ ۲۹۰

(۲) وہ صحیح حدیثوں کو نہیں جانتے تھے امام احمد بن حنبل سے روایت کی گئی ہے کہ : ”قال الشافعی انتم اعلمم بالاخبار الصحاح منا“ فاذا

کان خبر صحیح فاعلمنی حتی اذهب الیه“ یعنی شافعی نے ان سے کہا کہ آپ صحیح احادیث کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اگر کسی حدیث کا صحیح ہونا آپ کو معلوم ہو جائے تو میرے علم میں بھی لے آئیں تاکہ میں اس کی طرف رجوع کروں۔ ”قالوا : وهذا اقرار منه بالتقصیر و عن ابی ثور انه قال الشافعی ما کان یعرف الحدیث و انما کان انوفقه علیہ و نکتہ“ ۲۹۸ء کہا جاتا ہے کہ امام شافعی کا یہ کہنا ان کی تقصیر کا اعتراف ہے اور ابی ثور کہتے ہیں کہ شافعی حدیث کو نہیں جانتے تھے اور صرف ہم ہی انہیں حدیثیں بتاتے اور لکھواتے تھے۔

(۳) شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مرسل روایت (یعنی جس کی سند متصل نہ ہو) حجت نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان کی کتابیں اس قسم کی روایتوں سے بھری پڑی ہیں ”اخبارنا الشقہ“ (ہمیں ایک قابل اعتماد آدمی نے بتایا۔ آدمی کا نام نہیں لیتے) ”اخبارنی من لا ائہمہ“ (مجھے ایک ایسے شخص نے خبر دی جس پر میں کوئی اہتمام نہیں لگا سکتا۔ راوی کا نام موجود نہیں) یہ بڑا عجیب مذہب ہے۔ ۲۹۲

(۴) وہ جھوٹوں اور بدعتیوں سے روایت کرتے ہیں مثلاً انہوں نے ابراہیم بن یحییٰ سے روایت کی ہے حالانکہ وہ قدری ہے اور اسماعیل بن علیہ سے روایت کی ہے حالانکہ خود اس پر طعن کیا ہے۔ ۲۹۳

ہم نے گزشتہ صفحات میں جو کچھ امام شافعی کے بارے میں لکھ دیا اس پر اب تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے قارئین کے سامنے خود اصل تصویر آگئی ہوگی۔

امام احمد بن حنبل اور ان کا مذہب

علمائے اہل سنت میں جو چند بڑے بڑے نام ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں خاص طور پر ائمہ اربعہ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں حضرات علیحدہ علیحدہ مکاتب فقہ کے بانی قرار پائے اور اہل سنت ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اہل سنت کے تین اکابر ائمہ کے تعارف کے بعد اب ہم چوتھے امام احمد بن حنبل کا ذکر کریں گے۔

ان کا نام احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادريس بن حیان بن عبد اللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن واکل بن قاسط بن حنبل بن قسبی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار ہے۔ ۲۹۴ھ واضح ہو کہ احمد بن حنبل کے ۲۷ ویں جد نزار کے دو بیٹے تھے ایک مضر اور دوسرے ربیعہ، مضر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہیں اور ربیعہ امام احمد بن حنبل کے جد ہیں۔

مشہور ترین روایت کے مطابق احمد بن حنبل ربیع الاول سن ۲۴۱ھ میں پیدا ہوئے اس تاریخ پیدائش کا ذکر ان کے صاحبزادے صالح اور عبد اللہ دونوں نے کیا ہے اور کہا ہے کہ: ”قال سمعت اباي يقول: ولدت في شهر ربيع الاول سنة اربع و ستين و مائه و ذلك في عهد المهدي“ ۲۹۵ھ میں نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ میں ربیع الاول ۲۴۱ھ میں پیدا ہوا اور یہ خلیفہ مہدی کا زمانہ تھا۔

آپ کی جائے پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض کے نزدیک آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی اور آپ کی والدہ آپ کو مرو سے حالت حمل میں

لے آئی تھیں یہ بھی روایت ہے کہ مروہی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ امام احمد بن حنبل سے یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ میری ماں مجھے خراسان سے حالت حمل میں لے کر یہاں آئی تھیں اور نہ میں نے اپنے والد کو دیکھا نہ ہی دادا کو۔ ۲۹۶۔
مورخین نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے والد کا انتقال ۳ سال کی عمر میں ہو گیا تھا۔ ۲۹۷۔

”و روی صالح العجلی عن ابیہ : ان احمد بن حنبل سدوسی بصری و من اهل خراسان ولد ببغداد و نشأ بها“ و قول العجلی انه بصری لان شیبان کانت منازلها بالبصرة و بادیتها و کان احمد اذا جاء الی البصرة صلی فی مسجد مازن“ و هم من بنی شیبان“ فقیل له فی ذلک فقال : ”مسجد آبائی“
”صالح العجلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل سدوسی بصری تھے اور اہل خراسان سے تھے لیکن بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور عجلی کا یہ کہنا کہ وہ بصری ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ شیبان سے تھا اور بصرہ و اس کے نواحی علاقے میں ان کے مکانات تھے اور امام احمد جب بصرہ آئے تو مسجد مازن میں نماز پڑھی یہ لوگ بھی بنی شیبان سے ہیں جب ان سے یہاں نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو امام احمد نے فرمایا کہ یہ میرے آباء کی مسجد ہے۔“ ۲۹۸۔
”اما امه فیقال انها شیبانیہ ایضا“ و اسمها صفیہ بنت میمونہ بنت عبد الملک الشیبانی“ ۲۹۹۔

”ان کی ماں بھی قبیلہ بنی شیبان ہی سے تھیں اور ان کا نام صفیہ بنت
میسونہ بنت عبد الملک الشیبانی تھا۔“

طلب علم

امام احمد بن حنبل کے طلب علم کی ابتداء ۱۵ یا ۱۶ سال کی عمر میں ہوئی یعنی
۹۷ھ میں، آپ کے پہلے شیخ یعنی استاد ہشیم بن بشیر السلمی المتوفی سنہ ۱۸۳ھ
ہیں ان کی کنیت ابو معاویہ الواسطی ہے بغداد میں آئے، تدلیس حدیث میں مشہور
ہیں یعنی حدیثیں خط ملط کر دیا کرتے تھے امام احمد ان کے پاس ۳ سال تک رہے اور
امام احمد نے کتاب الحج کی ایک ہزار حدیثیں ان سے سے سن کر لکھیں اس کے
علاوہ، تفسیر، قضاء اور چند چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی ان سے سنیں اور لکھیں۔

ہشیم بن بشیر السلمی بخاری الاصل ہیں ان کے والد واسط میں آکر مقیم
ہو گئے تھے وہ حجاج بن یوسف کے باورچی تھے جب ان کا خاندان بغداد منتقل ہوا تو
بھی یہ لوگ یہی کام کرتے تھے اور ان کی شہرت بعض اقسام کی مچھلیاں پکانے میں
تھی، جب ان کا بیٹا حصول علم کی طرف متوجہ ہوا تو یہ بات ان کے خاندان والوں
کے لئے نئی اور انوکھی تھی بہر حال ہشیم نے بعض تلمیذین مثلاً عمر بن دینار، ابن
شباب زہری، مغیرہ بن مقسم وغیرہ کی صحبت اختیار کی۔ ۳۰۰۔ ان کے شاگردوں
میں امام احمد بن حنبل، شعبہ، علی بن المثنی الموصلی، ابن معین اور ایک بڑی
جماعت ہے۔ امام احمد بن حنبل ان کے پاس تین سال تک رہے اور ان کے انتقال
کے بعد وہ امام شافعی کے دامن سے وابستہ ہو گئے جب امام شافعی سے مکہ میں ان
کی ملاقات ہوئی تو ان کے فضل علم سے امام احمد حیرت زدہ رہ گئے۔

احمد بن حنبل اور امام شافعی

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی میں بہت گہرا ربط تھا بلکہ علماء کے بقول دونوں میں رشتہ محبت و الفت استوار تھا۔ امام احمد بن حنبل اپنے استاد ہشیم بن بشیر السلمی کی وفات تک انہیں کے دامن علم سے وابستہ رہے اور اس کے بعد ان کی تربیت میں امام شافعی کا بڑا ہاتھ ہے۔

مشہور مصری عالم محمد ابو زہرہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں : امام احمد نے حافظ ہشیم سے حدیث زیادہ سیکھی اور فقہ کم ضروری تھا کہ اس کو تباہی کی تلافی وہ کسی دوسری شخصیت کی بارگاہ فضل و کمال میں حاضر ہو کر کرتے یہ شخصیت انہیں امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی صورت میں حاصل ہو گئی چنانچہ ہشیم کی وفات کے بعد وہ امام شافعی کے شاگرد بن گئے وہ حج بیت اللہ کرنے کے ارادے سے بیت الحرام پہنچے وہیں امام شافعی سے ان کی ملاقات ہو گئی۔ ان کی فقہی ژرف نگاہی، قوت استنباط، اصول استنباط کے سلسلے میں انہوں نے جو قواعد و مقائیس وضع کئے تھے ان سے امام احمد بہت متاثر ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب امام شافعی مسجد حرام میں بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے وہ بغداد میں محمد بن حسن الشیبانی سے حنفی فقہ کا درس لے کر مکہ واپس آئے تھے اور استنباط کے اصول وضع کرنے میں فکر و تامل سے کام لے رہے تھے۔

امام احمد نے امام شافعی سے استماع کے بعد خود ہی تصریح کی ہے کہ وہ شافعی کی فقہی ژرف نگاہی سے متاثر تھے نہ کہ ان کی روایت حدیث سے۔ کیونکہ روایت حدیث میں امام شافعی کا درجہ بہت کمزور ہے ہم گزشتہ صفحات میں امام

شافعی پر گفتگو کرتے ہوئے یہ قول نقل کر آئے ہیں کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ آپ کو جو حدیث صحیح ملے مجھے بھی بتا دیجئے تاکہ میں اس کی طرف رجوع کروں۔ (طبقات الحنابلہ، آداب الشافعی، البدایہ والنہایہ)

احمد بن حنبل نے طلب حدیث کے لئے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام، عراق کے سفر کئے اور سفیان بن عیینہ، ابراہیم بن سعید، یحییٰ بن القہطان، وکیع ابن علیہ، ابن مہدی، عبدالرزاق ابن ہمام، جریر بن عبد الحمید، علی بن ہشام بن البرید، معمر بن سلیمان، یحییٰ بن ابی زائدہ، قاضی ابویوسف، ابن نمیر، الحسن بن موسیٰ الاشیب، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین وغیرہ اکابر علماء سے طلب علم کیا۔ لیکن ہشتم اور امام شافعی کے ساتھ آپ کی صحبت زیادہ رہی شافعی سے ان کی ملاقات ۱۹ھ تک جاری رہی۔ اور انہیں سے امام احمد نے فقہ اور اصول کا درس لیا۔

کیا امام احمد بن حنبل فقیہ تھے؟

امام احمد بن حنبل کے بارے میں جہاں اور بہت سی بحثیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کیا آپ فقیہ مجتہد تھے؟ یا صرف محدث تھے۔ زیادہ تر علماء کا خیال یہی ہے امام احمد بن حنبل فقیہ مجتہد نہ تھے بلکہ محض محدث تھے اسی لئے ان کے ماننے والوں کو اہل حدیث کہا اور شمار کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ : آپ کے اصول مذہب وہی تھے جو دیگر ائمہ کے یعنی کتاب و سنت، اجماع و قیاس، آپ حدیث نبوی سے استدلال کے خوگر تھے قبل ازیں ہم آپ کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ ”ضعیف الحدیث عندی

اولی من رای الرجال ”ضعیف حدیث میرے نزدیک لوگوں کی رائے سے افضل ہے۔ آپ اقوال صحابہ کی پیروی میں مشہور تھے، جب صحابہ کے کسی مسئلے میں دو یا تین قول ہوتے تو آپ بھی وہ قول اختیار کر لیتے، اسی بناء پر بعض علماء نے آپ کو ائمہ فقہاء میں شمار نہیں کیا۔ چنانچہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الانتقاء میں اسی طرح کیا ہے (یعنی ائمہ ثلاثہ کا ذکر کیا ہے ابن حنبل کا ذکر نہیں کیا) ۳۰۲۔ اور ڈاکٹر صبحی محمد صانی نے لکھا ہے کہ : امام ۳۰۳ احمد بن حنبل اجتہاد بالرائے سے احتراز برتنے اور فقط قرآن و حدیث سے استدلال کرنے میں اس حد تک مشہور ہیں کہ بعض علماء نے آپ کو زمرہ مجتہدین سے زیادہ زمرہ محدثین میں شمار کیا ہے۔ مثلاً ابن ندیم نے فقہائے حدیث کے ۳۰۴ باب میں ابن حنبل کو امام بخاری، مسلم و دیگر محدثین کے ساتھ رکھا ہے اور ابن عبد البر نے اپنی کتاب الانتقاء فی فضاائل الائمہ الفقہاء میں طبری نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں اور ابن قتیبہ نے اپنی تصنیف کتاب المعارف میں ۳۰۵ امام احمد بن حنبل اور ان کے مذہب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے فتاویٰ کو بھی لکھنے کو منع کرتے تھے اور دوسروں کی کتابوں کو بھی۔

”قال المروزی : قلت لابی عبد الله احمد بن حنبل : اتری ان یکتب الرجل کتب الشافعی؟ قال : لا قلت : اتری ان یکتب الرسالہ۔۔۔؟ ای رسالہ الشافعی۔۔۔ قال : لا تسالنی عن شیء محدث، قلت : کتبتہا؟ قال : معاذ الله وقال

ایضاً : لا تکتب کلام مالک، ولا سفیان ولا الشافعی ولا اسحق بن راہویہ ولا ابی عبیدہ ۳۰۶۔
 ”مروزی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل سے پوچھا کیا آپ کے خیال میں امام شافعی کی کتابیں لکھنی چاہئیں؟ کہا نہیں، پھر میں نے پوچھا آپ کے خیال میں امام شافعی کی کتاب الرسالہ لکھنا کیسا ہے۔ جواب دیا کہ مجھ سے بدعتوں کے بارے میں نہ پوچھو میں نے پوچھا کیا آپ نے کتاب الرسالہ کو لکھا ہے فرمایا اللہ سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ مالک، سفیان، شافعی، اسحاق بن راہویہ اور ابی عبیدہ وغیرہ کسی کا بھی کلام نہ لکھو۔“

امام احمد بن حنبل کی فقہی آراء خود ان کے نزدیک مستقل حیثیت نہیں رکھتی تھیں اسی لئے وہ انہیں لکھنے کو منع کرتے تھے۔

”روی ابن ابی یعلیٰ : ان رجلا قال لابی عبد اللہ : ارید ان اکتب هذه المسائل۔ فقال له احمد : لا تکتب شیئا فانی اکره ان اکتب رایہ۔ واحسس مرة بانسان یکتب و معه الواح فی کمہ‘ فقال احمد : لا تکتب رایہ‘ لعلی اقوال الساعہ بمسئالہ ثم ارجع غدا عنہا“ ۳۰۷۔

”قاضی ابن ابی یعلیٰ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ جو مسائل آپ بیان فرماتے ہیں وہ میں لکھ لوں تو امام احمد نے جواب دیا تم کچھ نہ لکھو کیونکہ میری

آراء کا لکھا جانا میں حرام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح انہوں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ان کی آراء لکھ رہا ہے اور اس کی آستین میں بھی چند الواح موجود ہیں یہ دیکھ کر کہا : میری آراء نہ لکھو کیونکہ میں آج جو فتویٰ دیتا ہوں کل اس سے رجوع کر لیتا ہوں۔“

علامہ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ : وہ اسے بھی ناپسند کرتے تھے کہ جو فتاویٰ ان سے منقول ہوں ان کو زبانی نقل کیا جائے، روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد تک یہ بات پہنچی کہ ان کے شرکاء حلقہ درس میں سے ایک شخص خراسان میں ان کا نام لے لے کر روایت کرتا ہے یہ سن کر وہ چیخ پڑے اور اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے فرمایا : گواہ رہنا میں ان تمام باتوں سے رجوع کر چکا ہوں۔ ۳۰۸۔

برصغیر کے ممتاز عالم دین اور محدث شاہ ولی اللہ دہلوی بھی فقہ حنبلی کو علیحدہ اور مستقل فقہ نہیں مانتے تھے بلکہ اسے فقہ شافعی میں ہی شامل سمجھتے تھے۔ ہم ذیل میں ان کا اقتباس پیش کر کے بحث کو ختم کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں :

”ویسے حقیقت یہ ہے کہ حنبلی مذہب کو مذہب شافعی ہی میں شامل سمجھنا چاہئے کیونکہ اس کی اگر شافعی مذہب کے مقابلے میں اپنی کوئی مستقل حیثیت ہے تو بس اسی قدر جس قدر مستقل حیثیت امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب کو امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مقابلے میں حاصل ہے ہاں ایک فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ حنبلی مذہب شافعی مذہب کے ساتھ ضم کر کے مدون نہیں کیا گیا جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے مذاہب کو باہم پاتے ہیں کہ ان کی تدوین امام ابو حنیفہ کے مذہب کی

مذہب ہی میں ضم ہے۔ ہمارے خیال میں یہی وہ بات ہے جس کے باعث مذہب شافعی اور مذہب حنبلی دونوں کو ایک مذہب شمار نہیں کیا گیا، ورنہ ایک ایسے شخص کے لئے جس نے ان دونوں مذاہب کی گمراہیوں میں اتر کر ان کو اپنی حقیقی شکل میں دیکھا ہو انہیں ایک ہی مذہب کی حیثیت سے ماننا اور مدون کرنا چنداں دشوار نہیں۔ ۳۰۹
پس معلوم ہوا کہ فقہ حنبلی خود مستقل بالذات کوئی فقہ نہیں اور نہ ہی امام احمد بن حنبل کے آراء کی خود کوئی حیثیت ہے۔“

امام حنبل اور مسئلہ خلق قرآن

مسئلہ خلق قرآن تاریخ عقائد اسلام کا ایک مشہور ترین مسئلہ ہے جس کے اثرات نہ صرف یہ کہ مسلم فرقوں کے عقائد پر پڑے بلکہ تاریخ اسلام کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جو اس سے بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر متاثر نہ ہوا ہو۔ بحث دراصل یہ تھی کہ معتزلہ کے نزدیک قرآن مخلوق اور حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوسرے مخلوقات کی طرح جب کہ دیگر اکابرین کا نظریہ یہ تھا کہ قرآن کیونکہ کلام الہی ہے اس لئے مخلوق نہیں بلکہ وہ اللہ کی طرح قدیم ہے۔ معتزلہ کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح دو قدیم ماننے پڑیں گے اور یوں شرک لازم آئے گا۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا موقف یہ تھا کہ صفات عین ذات ہیں، زائد بر ذات نہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت اس سے جدا نہیں لیکن جب اس صفت کا اظہار ہوتا ہے تو وہ چیز حادث ہو جاتی ہے لہذا اللہ کی صفت کلام تو عین ذات ہے لیکن اس کا اظہار بہر حال حادث ہے۔ امام احمد بن حنبل قرآن کے متعلق اس نظریے کے مخالف

تھے جب کہ معتزلہ کے زیر اثر عباسی خلفاء نظریہ خلق قرآن کے قائل تھے اور اسی لئے امام احمد بن حنبل پر عباسی خلفاء نے بہت مظالم ڈھائے۔ ہمیں حیرت ہے کہ ان مصائب میں جو دیگر اکابر علماء احمد بن حنبل کے شریک تھے ان کا کوئی تذکرہ علمائے اہل سنت نہیں کرتے اور اس کا پورا کریڈٹ امام احمد بن حنبل کو دے دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جنہوں نے اس محنت میں امام احمد بن حنبل کا ساتھ دیا۔ ہم اس تذکرہ کو طویل بھی کر سکتے تھے لیکن اختصار کا اس کتاب میں ہمیں سب سے زیادہ خیال رکھنا پڑا ہے۔

(۱) احمد بن نصر الخزاز عسی بن مالک الخزاز عسی المقتول سنہ ۲۳۱ھ یہ مروزی ہیں یعنی ”مرو“ کے رہنے والے ہیں، مالک بن انس کے شاگرد ہیں ان کے شاگردوں میں ابن معین اور محمد بن یوسف الطباع جیسے اکابر شامل ہیں۔ ۳۱۰ھ

(۲) یوسف بن یحییٰ البویطی۔ امام شافعی کے شاگرد ہیں اور انہیں کے جانشین بھی انہیں چالیس رطل کی بیڑیاں پہنا کر بغداد لایا گیا تھا انہیں بھی قتل کر دیا گیا۔ یہی امام شافعی سے منسوب کتاب الامام کے مصنف ہیں۔ ۳۱۱ھ

(۳) عمرو بن حماد بن زہیر التمیمی مولیٰ آل طلحہ الکوفی المتوفی سنہ ۲۱۹ھ۔ یہ امام احمد اور بخاری و یحییٰ بن معین کے شیخ ہیں۔ مامون نے ان کا حال پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ انہیں کوڑوں سے پیٹا گیا ہے لیکن انہوں نے ان تمام مظالم کے باوجود کہا ”راسی اھون علی من ہذا“ میرا سر بھی لے لینا میرے لئے اس سے زیادہ آسان ہے۔

(۴) نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحرث الخزاز عسی ابو عبد اللہ المروزی المتوفی سنہ ۲۲۸ھ۔ ۳۱۲ھ انہیں نعیم نے امام ابو حنیفہ کے خلاف کتاب بھی لکھی ہے یہ وضع

حدیث میں مشہور ہیں۔

(۵) عفان بن مسلم بن عبد اللہ الانصاری ابو عثمان البصری الصفار۔ ان کا شمار رجال صحاح ستہ میں ہے۔ احمد بن حنبل، بخاری، ابن معین، ان المدینی وغیرہ کے شیخ ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ ثقہ امام ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں عفان اس قدر ثقہ ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ۳۱۳۔

(۶) عبد الاعلیٰ بن مسهر الغسانی ابو مسهر الدمشقی المتوفی ۲۱۸ھ۔ عالم شام اور عظیم القدر ہیں صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں احمد بن حنبل، ابن معین کے شیخ ہیں۔ ۳۱۴۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء کے نام لئے جاسکتے ہیں لیکن اوپر ہم نے جن حضرات کا ذکر کیا ہے وہ اکابرین میں شمار ہوتے ہیں۔

جناب زید الشہید اور ان کی فقہ

اہل سنت کے مشہور عام چاروں فقہی مذاہب کے مختصر تعارف کے بعد اب ہم ایک ایسی فقہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں کہ جس کو شیعہ فقہوں میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اہل بیت علیہم السلام میں سے ایک عظیم المرتبت شخصیت جناب زید بن علی زین العابدین علیہما السلام ہیں۔ یہ تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں کہ لفظ ”شہید“ ان کے نام کا جزء بن گیا ہے چنانچہ انہیں ”زید شہید“ ہی کہا جاتا ہے۔ کیا اپنے اور کیا غیر سب کے سب ان کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ خاص طور پر ابو زہرہ مصری نے جس طرح ان کا دفاع کیا ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔

محمد ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں : امام زید بن علی زین العابدین بن حسین بن علی

بن ابی طالبؑ آپ کے جد اعلیٰ باپ کی طرف سے علی بن ابی طالب باب مدینہ العلم اور اسلام کے سب سے بڑے سورا اور صحابہ کرام میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے بزرگ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم تھے اور از طرف مادر آپ کے جد محمد بن عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاتم النبیین تھے ہر اعتبار سے آپ والا نسب اور والا حسب تھے، نسب اگر شرف کی کوئی چیز ہے تو آپ کا ہم پایہ کوئی نہ تھا۔ امام زید رضی اللہ عنہ کی ولادت یا سعادت ۸۰ھ میں ہوئی، علماء نے آپ کی تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ تین مستند روایات سے ثابت ہے کہ حق کا دفاع کرتے ہوئے آپ ۱۲۲ھ میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے اور مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال تھی اس سے ثابت ہوا کہ آپ ابھی جوان تھے اور زندگی کے ارمانوں سے بھرپور سچائی کی تڑپ نے آپ کو مجبور کر دیا کہ ظلم کے خلاف صف آراء ہو جائیں اور اپنی جان قربان کریں۔ آپ کی والدہ سندھ کی ایک خاتون تھیں جو مختار ثقفی کے ذریعہ امام زین العابدینؑ کے حضور پہنچی تھیں، اہل سندھ عام طور پر صاحب فکر و تفکر ہوتے ہیں اس طرح آپ کی ذات بابرکات میں نسب رفیع، علم عمیق، فہم علی بن ابی طالب (علیہما السلام) اور فکر ہندی جمع تھی۔ ۳۱۵ھ۔ جناب زید کی ولادت مدینہ میں ہوئی۔ ۳۱۶ھ۔ لیکن آپ کی تاریخ اور سن ولادت میں اختلاف ہے ابن عساکر کے بقول آپ کی ولادت ۷۸ھ۔ ۳۱۷ھ میں اور اہلحلی کے مطابق ۷۵ھ۔ ۳۱۸ھ میں ہوئی۔ ابن سعد، طبری اور شیخ مفید نے لکھا ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال تھی۔ ۳۱۹ھ اور آپ کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی ہے لہذا آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہی درست ہے۔ ۳۲۰ھ

آپ کی والدہ ماجدہ کے نام میں بھی اختلاف ہے کہا گیا ہے ان کا نام ”حیدان“ ۳۲۱ تھا اور ابن قتیبہ کی ایک روایت میں وجیداء اور ”جیدا“ بھی آیا ہے۔ ۳۲۲۔ بخاری نے سرالانساب العلویہ میں اور محلی نے الحدائق الوردیہ میں ”جیدا“ ہی نام لکھا ہے۔ ۳۲۳۔ آپ کی ولادت کے سلسلے میں ایک خواب بھی بیان کیا جاتا ہے جس میں آنحضرتؐ نے امام زین العابدینؑ کو والدہ حضرت زید سے شادی کی بشارت بھی دی ہے۔ ۳۲۴۔

امام زید کی نشوونما

زید بن علی علیہما السلام مدینہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ علم و فضل، فقہ و حدیث کا مرکز تھا اور مسجد نبوی کے علاوہ بھی حلقہ ہائے درس قائم تھے یہاں تک کہ صحابہ، تابعین کے ساتھ عورتیں تک فقہ و حدیث کے درس و تدریس میں منہمک تھے۔ ۳۲۵۔

یہیں امام زید کی علمی و عملی تربیت کی ابتداء ہوئی۔ علماء کا اتفاق ہے کہ سب سے پہلے آپ نے اپنے والد امام زین العابدین اور پھر اپنے بھائی امام محمد باقر علیہما السلام سے اخذ علم کیا۔ ۳۲۶۔ اور امام زین العابدین علیہ السلام کی علمی شخصیت محتاج بیان نہیں علماء آپ کی علمی وجاہت سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ ”فلم یر ہاشمیا افضل ولا افقہ منہ“ کوئی ہاشمی آپ سے بڑھ کر افضل اور فقیہ نہ تھا۔ علامہ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں کہ : امام زین العابدینؑ کو سب سے زیادہ علم حدیث سے رغبت تھی چنانچہ اس فن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ ہو گئے، صالحین کی صحبت سے بھی آپ مستفید ہوتے تھے عام اس سے کہ کوئی شخص لوگوں

کی نگاہ میں مقام رفیع پر فائز ہوا کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو اگر وہ صاحب علم ہوتا تھا تو آپ ضرور اس کے حلقہ درس میں جاتے تھے اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے زید بن اسلم کے حلقے میں جا کر بیٹھ جاتے تھے آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک مرتبہ نافع بن جبیسر بن مطعم قرشی نے ذرا چیں بہ جبین ہو کر کہا : آپ لوگوں کے سردار ہیں آپ کی بارگاہ میں خلق سر کے بل آتی ہے اہل علم نیاز و اشتیاق سے بے قرار ہو کر پہنچتے ہیں عمائدین قریش آپ کے در کی جبہ سائی پر فخر کرتے ہیں اور آپ اس سیاہ غلام کی مجلس میں آکر رونق افروز ہوتے ہیں؟ امام زین العابدینؑ نے نافع کو جواب دیا : آدمی کو جہاں سے کچھ ملے وہاں ضرور جاتا ہے اور علم تو جہاں بھی ملے وہاں ضرور جانا چاہئے (امام زید ص ۲۳ عربی) چند صفحات آگے بڑھ کر تحریر کرتے ہیں : امام زین العابدینؑ جس طرح بہت بڑے محدث تھے اس طرح بہت بڑے فقیہ و مجتہد بھی تھے، مسائل فقہ پر آپ کو وہی دسترس حاصل تھی جو آپ کے جد امجد علی مرتضیٰؑ کو حاصل تھی فقہی مسائل کا کوئی گوشہ اور تفریعات فقہی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا جو آپ کی نظر سے اوچھل ہو اور امام زہری نے فقہ کا فن بھی آپ سے اسی طرح حاصل کیا تھا جس طرح فن حدیث کی تحصیل کی تھی۔ (امام زید ص ۳۳- عربی)

امام زید نے سب سے پہلے قرآن کی طرف توجہ کی اور اسے حفظ کر ڈالا قرآن اس شخص کے نوک زبان رہنا ہی چاہئے جسے فقہ دین، طلب حقائق اور تعمق دراست سے لگاؤ ہو۔ قرآن کریم کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد امام زین العابدینؑ سے اور اپنے برادر بزرگ امام باقرؑ سے حدیث شریف کی تحصیل و تکمیل

کی۔ آپ کا سلسلہ روایت یہ تھا ”عن زید عن زین العابدین عن حسین عن علی“ چنانچہ صحاح ستہ میں علی زین العابدینؑ کی جو روایت ہے وہ متفق علیہ ہے۔ انہوں نے اصحاب اہل بیت کے علاوہ دوسرے لوگوں سے جو روایت کی ہے اس میں اسامہ بن زید بھی شامل ہیں۔ حدیث نبوی کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا انہیں کی روایت ہے۔ ۳۲۸۔ محدثین کا بیان ہے کہ امام زین العابدینؑ نے آل البیت کے علاوہ ابن عباس، جابر، مروان، صفیہ ام المومنین اور ام سلمہ وغیرہ صحابہ اور صحابیات سے بھی روایت کی ہے۔ ۳۲۹۔

ہم اس موقع پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ابو زہرہ مصری کے علم و فضل کا ہمیں اعتراف ہے لیکن ان کی جملہ کتب میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے ہمیں صد فی صد اتفاق نہیں بلکہ بہت سے مواقع سے ہمیں شدید اختلاف ہے لیکن ان مقامات کی تردید کا یہ موقع نہیں۔ خاص طور پر ائمہ علیم السلام کے اخذ علم کے بارے میں ان کے نظریات ہمارے نظریات سے بالکل نہیں ملتے اس موضوع کو ہم پھر کبھی کسی اور کتاب میں عرض کریں گے۔

کیا امام زید شاگرد تھے مشہور معتزلی واصل بن عطا کے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب تفصیل طلب ہے اور دامن کتاب میں اتنی وسعت نہیں کہ اسے تفصیلاً لکھا جائے لہذا مشہور مصری عالم ابو زہرہ کے مختصر اقتباس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

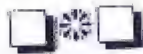
”علم و فضل میں چنگی اور کمال حاصل کر لینے کے بعد امام زید نے صرف قیام مدینہ ہی پر اکتفاء نہیں کیا وہ بصرہ تشریف لے گئے اور وہاں کے علماء سے ملاقات کی۔ شہرستانی نے الملل والنحل میں دعویٰ کیا ہے کہ امام

زید، واصل بن عطاء سے بھی ملے اور اس کے شاگرد ہو گئے اور اعتزال کا مسلک ان سے حاصل کیا۔ لیکن امام زید اور واصل دونوں ہم عمر تھے علم و فضل میں امام زید زیادہ پختہ اور کامل تھے، شاگردی کا کچھ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ دوسری بات ہے کہ دونوں میں باہم علمی مذاکرے ہوئے ہوں۔ ۳۳۰۔ پھر لکھتے ہیں اور جب یہ ثابت ہے کہ عقائد سے متعلق ال بیت کا بھی وہی مسلک تھا جسے بعد میں واصل بن عطاء نے اپنایا تو لازمی ہے کہ ہم باور کر لیں کہ امام زید جب بصرہ تشریف لائے تو علم عقائد کے بارے میں خالی الذہن نہیں تھے بلکہ اس علم پر اچھی طرح عبور رکھتے تھے اور ایک بڑے معتزلی واصل بن عطاء سے ملاقات استفادے کے لئے نہیں صرف مذاکرے کے لئے تھی۔ ۳۳۱۔

امام زید بن علی علیہما السلام کے فضل علم کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کا شمار امام ابو حنیفہ کے استادوں میں ہوتا ہے اور خود امام ابو حنیفہ نے ان کے فضل کا اعتراف کیا ہے : امام ابو حنیفہ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا ”آپ نے علم کس سے حاصل کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا میں نے زندگی کے کافی دن علم کے معدن میں بسر کئے اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کے دامن فضل و کمال سے وابستہ ہو گیا۔“ اس قول میں ابو حنیفہ کا اشارہ امام زید ہی کی طرف ہے۔ ۳۳۲۔ اسی طرح اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں : اہل بیت کی طرف آپ کا صرف سیاسی میلان ہی نہ تھا بلکہ ان سے علمی تعلق بھی رکھتے تھے اور شاید آپ کے سیاسی میلان کی وجہ بھی علویوں سے آپ کے علمی روابط ہوں چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت زیدؑ سے آپ کا علمی رابطہ تھا اور وہ آپ کے اساتذہ میں شمار ہوتے

تھے۔ ۳۳۳

امام زید کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور عالم اسلام کی اس عظیم شخصیت کے تعارف کے لئے ابھی بہت کچھ تحقیق کی ضرورت ہے لیکن درج بالا سطور سے امام زید کی علمی شخصیت پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے۔



جناب زید کی فقہ : مصادر اور اصول

جناب زید بن علی علیہما السلام کے بارے میں ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ وہ بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے، ان کی فقہ کا انحصار دو کتابوں المجموع فی الفقہ اور المجموع فی المحدث پر ہے جس کے راوی ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی ہیں اور انہیں نے ان دونوں کتابوں کو مرتب کیا ہے۔ ۳۳۴۔ ان کی ترتیب مضامین فقہ کے اعتبار سے ہے۔ بعض علماء نے ابو خالد عمرو بن خالد الواسطی کو ہدف تنقید بنا کر المجموع کے استناد کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیں خوشی ہے کہ استاد ابو زہرہ نے ان اعتراضات کا کافی و شافی جواب دے دیا ہے اور المجموع پر ہونے والے تمام اعتراضات کو ایک ایک کر کے رد کیا ہے (ملاحظہ ہو امام زید از ابو زہرہ المصری) آج کل ان کے فقہ کی مشہور ترین کتاب الروض التفسیر شرح مجموع الفقہ الکبیر ہے جو شرف الدین حسین بن علی احمد الصنعانی (متوفی ۱۲۲۱ھ) کی تالیف ہے۔ ۳۳۵۔

فقہ زیدیہ کے اصول استنباط یہ ہیں :

- (۱) سب سے پہلے عقل یقینی کے فیصلوں کو مقدم سمجھے۔
- (۲) پھر اجماع معلوم کی طرف رجوع کرے۔
- (۳) پھر کتاب و سنت کے نصوص معلومہ کو دیکھے۔
- (۴) پھر کتاب و سنت کے عموم کی طرح اس کے ظہور پر نظر کرے۔
- (۵) پھر اخبار آحاد کے نصوص کو مد نظر رکھے اور نظروں بصر کے زاویوں میں لائے۔
- (۶) پھر اخبار آحاد کے عموم کی طرح ظواہر کا جائزہ لے۔
- (۷) پھر حسب مراتب مفاہیم قرآن و سنت معلومہ کو مطہر نظر ٹھہرائے۔

(۸) پھر اخبار احاد کے مفہیم کو موضوع فکر قرار دے۔

(۹) پھر اسی طرح آنحضرتؐ کے اعمال و اقوال کو سامنے لائے۔

(۱۰) پھر حسب مراتب قیاس سے کام لے۔

(۱۱) پھر اجتہاد کے دوسرے انواع کو استعمال میں لائے۔

(۱۲) پھر برائے امتیاز اور اس قسم کے دوسرے امور کو پیش نگاہ رکھے۔ ۳۳۶

کیونکہ فقہ زیدیہ کی بنیاد اصول علم کلام پر ہے اس لئے اصول استنباط میں سب سے زیادہ اہمیت عقل کو حاصل ہے یہاں تک کہ قرآن و حدیث پر بھی عقل کو فوقیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اصول استنباط امام زید کے وضع کردہ نہیں ہیں بلکہ بعد کے علماء نے انہیں مرتب کیا ہے۔

آخری بات

جناب زید خاندان اہل بیت کے ایک اہم فرد تھے اور علم حدیث و فقہ میں آپ کا رتبہ بہت بڑا ہے لیکن ہم اس حقیقت کے اظہار پر بھی مجبور ہیں کہ جناب زید نے اپنے بھائی امام محمد باقر علیہ السلام اور اپنے بھتیجے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فتاویٰ کے برخلاف خود فتوے دیئے اور وہ علمی معاملات میں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے مقلد نہ تھے بلکہ صرف اپنے علم اور اجتہاد پر انحصار کرتے تھے۔ ایسا ہی معاملہ ان کے نظریہ جہاد کا تھا جس کی بناء پر انہوں نے بنی امیہ کے خلاف خروج کیا۔ ائمہ اہل بیت بنو امیہ کے خلاف ہر کام کو جائز سمجھتے تھے لیکن امور شرعیہ میں ہمیشہ اہل بیت پر انحصار ہونا چاہئے۔ یہ اثناء عشریہ فرقے کا مسئلہ مسئلہ ہے جس کی بناء پر وہ جناب زید کے خروج کو ”بغیر تائید امام“ سمجھتے

ہیں۔ اسی طرح امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کی موجودگی میں فتوے دینا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ انہیں مرجع شریعت نہیں سمجھتے تھے اس مرحلے پر ہم امام ابوحنیفہ اور امام زید دونوں کو ایک ہی درجے پر پاتے ہیں اور ان کی قیمانہ اور محدثانہ حیثیت کے اعتراف کے باوجود ہم ان کے فتاویٰ کی تائید نہیں کر سکتے۔ ۳۳۷ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ امام صادق اور امام باقر علیہما السلام کی تقلید و تائید کرتے تو ہمیں زیادہ خوشی ہوتی۔

جعفری اور زیدی فقہ میں اختلاف کی ایک امثال

زیدی فقہ کے بارے میں علمائے محققین نے یہ لکھا ہے کہ یہ فقہ اہل سنت سے زیادہ قریب ہے۔ ابو زہرہ نے لکھا ہے کہ ”یہ شیعہ کے تمام فرقوں میں سے اہل سنت کے زیادہ قریب ہے نہ یہ غلو سے کام لیتے نہ ان کی اکثریت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکفیر کرتی ہے نہ ائمہ کو خدا اور رسول کے درجے پر فائز کرتی ہے۔“ ۳۳۸ اور ڈاکٹر صبحی محمد صانی نے لکھا ہے : شیعہ زیدیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے خلفائے راشدین پر حکم لگانے میں اعتدال پسندی سے کام لیتے ہیں اسی واسطے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی امامت کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔ شیعہ کا یہ فرقہ اہل سنت کے مذاہب سے زیادہ قریب ہے اور آج کل شیعہ زیدیہ کا مرکز یمن ہے جہاں ان کی تعداد ۳۰ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

۳۳۹

مشہور شیعہ عالم، مفسر و محدث علامہ محمد حسین طباطبائیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

”و تعتقد الزیدیه ان کل فاطمی، عالم، زاهد، شجاع
 سخی، یثور لاحقاق الحق، یتستطیع ان یکون
 اماماً۔ کانت الزیدیه فی الابتداء مثل زید، تعتبر
 الخلیفتین الاولین ابوبکر و عمر من الائمہ،
 ولكن بعدها اسقط جماعه منهم اسم هذین
 الخلیفتین من اسماء ائمتهم و ابتداء و ابال امام علی
 و حسب ما یقال ان الزیدیه تتبع المعتزلہ فی
 الاسلام، و توافق فقہ ابی حنیفہ فی الفروع۔
 و هناک اختلاف یسیر بینہم فی بعض
 المسائل۔“ ۳۲۰

”زید یہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر فاطمی، عالم، زاہد، شجاع اور سخی امام
 ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ احقاق حق کے لئے خروج بھی کرے زید یہ فرقہ
 ابتداء میں جناب زید کی طرح پہلے دونوں خلفاء یعنی حضرت ابوبکر اور
 حضرت عمر کو امام سمجھتا تھا لیکن بعد میں زیدی علماء میں سے چند نے ان
 دونوں خلفاء کے نام فرست ائمہ میں سے نکال دیئے اور اس کی ابتداء
 حضرت علی علیہ السلام سے کی۔ انہوں نے عقائد اسلام میں معتزلہ کی
 پیروی کی اور فروع میں ابو حنیفہ کی فقہ سے ان کی فقہ موافقت رکھتی ہے
 لیکن ان دونوں قسموں کے درمیان بہت معمولی نوعیت کے اختلافات
 بھی ہیں۔“

ان شیعہ اور سنی علمائے کبار کے ارشادات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زید یہ کا

اپنی روایات اور فتاویٰ کو حضرت علیؑ کی مرویات سے منسوب کرنے کے باوجود یہ فقہ اہل سنت سے زیادہ قریب ہے جب کہ اہل سنت اور جعفری قہوں میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ یہی حال زیدی فقہ کا بھی ہے۔ ذیل میں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

فقہ زیدیہ کے ایک امام المہادی الی الحق الامام یحییٰ بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم ابن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن بن الحسن البسط ابن امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہم السلام المتوفی ۲۹۸ھ نے اپنی کتاب ”درر الاحادیث النبویہ بالاسانید الیحویہ“ میں یہ حدیث تحریر کی ہے۔

”قال یحییٰ بن الحسین علیہ السلام حدثنی ابی عن ابیہ عن ابن ابی اویس الملعنی عن حسین بن عبداللہ بن ضمیرۃ عن ابیہ عن جلدہ عن علی بن ابی طالب قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : لا نکاح الا بولی وشاہدین“ ۳۳۱

”یعنی یحییٰ بن الحسین کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی ہم سے ہمارے والد کے والد علی بن ابی اویس المدنی، حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ، ان کے والد عبداللہ، ان کے والد ضمیرہ۔ علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : کوئی نکاح منعقد نہیں ہوگا مگر ولی اور دو گواہی کے ساتھ۔“

یعنی ان کے نزدیک نکاح میں ولی کی رضا اور دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔ اسی پر فقہائے احناف کا بھی فتویٰ ہے۔

”وقال ابوحنيفه : تزويج البكر البالغه العاقله
 بغير رضاها لا يجوز لاحد بحال۔۔۔ الى ان قال۔۔۔
 وقال ابوحنيفه : يجوز سائر العصابات تزويجها
 غير ان لا يلزم العقد في حقها ويثبت لها الخيار اذا
 بلغت وقال ابو يوسف : يلزمها عقدهم“ ۳۳۲
 ”یعنی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ : کنواری عاقلہ اور بالغہ کا نکاح بغیر اس کی
 مرضی کے نہ باپ کر سکتا ہے اور نہ دادا۔۔۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں
 ۔۔۔ اور ابوحنیفہ نے کہا : تمام رشتہ داروں کے لئے اس کا نکاح
 کر دینا جائز ہے مگر یہ کہ اس کا اس عقد پر قائم رہنا لازمی نہیں اور جب
 وہ بالغ ہو جائے تو اختیار اس کے لئے ثابت ہوگا۔ ابو یوسف (شاگرد
 ابوحنیفہ) نے کہا کہ اس عقد پر باقی رہنا لازم ہوگا۔ (فتویٰ ابو یوسف کے
 قول پر ہے)

”ولا يصح النكاح الا بشهادة عند الثلاثه و قال
 مالک يصح من غير شهادة الا انه اعتبر الاشاعه و
 ترك التراضي بالکتمان حتى لو عقد في السر
 والشروط کتمان النکاح فسخ عند مالک و عند
 ابی حنیفہ والشافعی واحمد لا یضر کتمانهم مع
 حضور شاهدين۔ ولا یثبت النکاح عند الشافعی
 و احمد الا بشاهدين عدلين ذکرین۔ وقال
 ابوحنیفہ ینعقد برجل وامراتین و بشهادة

فاسقین“ ۳۴۳

”بغیر گواہی کے تینوں اماموں کے نزدیک نکاح صحیح نہیں اور مالک کہتے ہیں کہ بغیر شہادت کے نکاح درست ہے مگر اس کی تلافی اعلان نکاح اور نکاح کی اشاعت سے کی جائے اور اس میں رضا کو چھپایا نہ جائے یہاں تک کہ اگر چپکے سے نکاح کر لیا اور اسے چھپانے کی شرط کی تو مالک کے نزدیک نکاح فسخ ہو جائے گا اور ابو حنیفہ، شافعی اور احمد کے نزدیک اگر دو گواہ موجود ہوں تو چھپانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور شافعی و احمد کے نزدیک بغیر دو عادل مرد گواہوں کے نکاح درست نہیں اور ابو حنیفہ کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور دو فاسقوں کی گواہی سے بھی۔“

زیدیوں اور احناف میں اتحاد فتاویٰ کی ایک مثال پیش کرنے کے بعد ہم روایات امامیہ اثنا عشریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فروع کافی میں علامہ محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے روایت کی ہے :
 ”وعن عدة من اصحابنا عن سهل بن زياد عن داود
 النهدي عن ابن ابي نجران عن محمد بن الفضيل
 قال : قال ابو الحسن موسى عليه السلام لابي
 يوسف القاضي : ان الله امر في كتابه بالطلاق و
 اكفاه بشاهدين ولم ير ض بهما الا عدلين و امر
 في كتابه بالتزويج فاهمله بلا شهود فاثبت
 شاهدين فيما اھمل و ابطلتم الشاهدين فيما اكد“

”محمد بن الفقیل روایت کرتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قاضی ابویوسف سے کہا کہ : اللہ نے اپنی کتاب میں طلاق کا حکم دیا اور اس میں دو گواہوں کی تاکید کی اور ان کے غیر عادل ہونے پر بھی راضی نہ ہوا اسی طرح اپنی کتاب میں اللہ نے نکاح کرنے کا حکم دیا لیکن اسے بغیر گواہوں کے چھوڑ دیا تو جس میں اللہ نے گواہوں کی شرط نہ رکھی اس میں تم نے گواہوں کو ضروری قرار دے ڈالا اور جس میں گواہوں کی موجودگی کی تاکید کی اس میں تم نے اس شرط کو باطل کر ڈالا۔“

اسی طرح احادیث سے ثابت ہے کہ جعفری فقہ میں بغیر ولی کے نکاح جائز ہے لیکن اگر ولی قرار دے لے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ”تزوج المرأة من شاءت اذا كانت مالکة لا امرها فان شاءت جعلت ولیا“ ۳۴۵ دوسری حدیث میں ہے : ”هی املک بنفسها“ تولى امرها من شاءت“ ۳۴۶ عورت شادی کرے جس سے کہ وہ چاہتی ہے اگر وہ اپنے امور کی خود مالک ہے اور اگر چاہے تو کسی کو ولی قرار دے لے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ۔ وہ اپنے نفس کی خود سب سے زیادہ مالک ہے ہاں اگر چاہے تو کسی کو ولی قرار دے سکتی ہے۔

اس تمام گفتگو سے ثابت ہوا کہ زیدیہ کے نزدیک نکاح کے شرائط میں ولی اور دو گواہ ضروری ہیں۔ اور حنفی فقہ اس امر میں ان کی ہم نوا ہے جب کہ جعفری فقہ اس میں زیدیوں کی مخالف ہے۔ اسی طرح کی اور بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی

ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

فقہ جعفریہ اور اس کی نشوونما

فقہی مکتب خواہ کوئی بھی ہو اس کی بنیادیں صرف اور صرف دو چیزوں پر اٹھائی گئی ہیں (۱) قرآن مجید اور دوسرے (۲) سنت۔ باقی رہے 'اجماع' قیاس و اجتہاد وغیرہ تو یہ دراصل قرآن و سنت کے بارے میں ان مکاتب فقہ کے رویوں سے جنم لیتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عالم اسلام میں جتنے کلامی و فقہی مذاہب موجود ہیں وہ صرف انہیں دونوں اساسوں کے بارے میں مختلف رویوں اور روشوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآنی آیات کی اصل تفسیر کیا ہے اور یہ کس طرح کرنی چاہئے۔ اس کے احکام کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے، دلالت النص، عبارت النص اور اشارت النص کیا ہیں، صیغہ امر سے کیا مستفاد ہوتا ہے اور کیا صیغہ امر کو ہر جگہ محض وجوب کے لئے ہی سمجھا جائے گا۔ مجمل و مفصل کیا ہے۔ ترتیب نزول احکام کیا ہے، نسخ کیا ہے، منسوخ التلاوة کی کیا حقیقت ہے اسی طرح کے بے شمار فروع ہیں جن کا تعلق احکام قرآنیہ سے ہے اور جب ہم قرآن کے بعد سنت پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے احکام کا استنباط مزید دشوار ہو جاتا ہے۔ راویوں کے اختلاف، طبقات صحابہ سے طبقات قبولیت حدیث کی طرف سفر انتہائی اہم اور مشکل کام ثابت ہوتا ہے پھر صحابہ میں فقیہ و غیر فقیہ، سابق الاسلام اور مؤخر الاسلام، حافظہ و کردار، حکام وقت سے تعلقات کی بناء پر صحابہ اور تابعین و تبع تابعین سے قبول حدیث کے بارے میں بہت نازک بحثیں چھڑی ہوئی ہیں جن میں یہاں تک تشدد سے کام لیا گیا ہے کہ بعض افراد پر جرح موجب کفر قرار دے دی

گئی ہے اور بعض کو عادل ثابت کرنا ثقاہت کے لئے نقصان دہ بن جاتی ہے ایسی معرکہ آرائی مذہب کے لئے مفید کم اور مضر زیادہ ہے۔ ان بحثوں میں الجھنے کا نہ یہاں موقع ہے اور نہ ہی کتاب کی طوالت اس کی متحمل ہو سکتی ہے لہذا ہم ان مباحث کو ترک کرتے ہیں۔

کیونکہ ہم گزشتہ صفحات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسے اور شاگردوں کا حال مختصراً قلم بند کر چکے ہیں لہذا یہاں ان کا اعادہ لایعنی ہے۔ جس طرح مختلف فقہی مذاہب کا ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے اسی طرح ہم یہاں ماخذ فقہ پر امام صادق کی آراء نقل کرتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک پہلا ماخذ فقہ و احکام ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج متصور ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں جو روایات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں ان کا احصاء تو ایک مشکل امر ہے یہاں ہم چند روایات درج کرتے ہیں۔

(۱) ”عن المعلى بن خنيس قال ابو عبد الله : ما من امر يختلف فيه اثنان الا وله اصل في كتاب الله ولكن لا تبلغه عقول الرجال“ ۳۳۷

”معلى بن خنيس روایت کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا : کوئی امر ایسا نہیں جس میں دو اشخاص آپس میں اختلاف کرتے ہوں اور اس کی اصل اللہ کی کتاب میں موجود نہ ہو لیکن ان تک لوگوں کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔“

(۲) ”عن ابی عبد الله قال : ان الله تعالى انزل فی

القرآن تبیان کل شئی حق، واللہ ما ترک اللہ شیئاً
 یحتاج الیہ العباد حتی لا یستطیع عبدان یقول :
 لو کان هذا انزلہ فی القرآن الا وقد انزلہ" ۳۳۸
 "یعنی امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق بات کا
 بیان قرآن مجید میں نازل فرما دیا اور قسم بخدا کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی جس
 کی بندوں کو احتیاج تھی یہاں تک کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش اللہ
 نے یہ بات قرآن میں نازل فرمائی ہوتی، مگر یہ کہ اللہ نے اس کے متعلق
 حکم قرآن میں نازل فرما دیا ہے۔"

(۳) "وجاء فی الکافی عن ہشام بن الحکم وغیرہ
 عن ابی عبد اللہ قال : خطب النبی صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم بمنی فقال : ایہا الناس ما جاءکم عنی
 یؤفق کتاب اللہ فانا قلنہ، و ما جاءکم یخالف
 کتاب اللہ فانا لم اقلہ" ۳۳۹

"کافی میں ہشام بن الحکم وغیرہ نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کیا
 ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ کے مقام پر خطبہ دیتے
 ہوئے ارشاد فرمایا : اے لوگو! جو بات تم تک میرے حوالے سے پہنچے
 اور وہ کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ بات میں نے کہی ہے اور جو بات
 مخالف قرآن تمہیں میرے حوالے سے پہنچے وہ میں نے نہیں کہی ہے۔"

ان تین روایتوں سے امام صادقؑ کے نزویک قرآن کی اہمیت و جامعیت واضح
 ہوتی ہے نیز تیسری روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی صحت کا معیار موافقت

قرآن مجید ہے۔

ذیل میں ہم ایک اور اہم روایت درج کر کے دوسرے موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

”اخبرونا ايها النفر الكم علم بناسخ القرآن من منسوخه ومحكمه من متشابهه الذي ضل فيه من ضل و هلك من هلك من هذه الامه فقالوا له : بعضه فاما كله فلا“ فقال : فمن هنا اتيتم“۔
۳۵۰

”اے لوگو! تم ہمیں یہ بتاؤ کہ تم قرآن کے نسخ و منسوخ کا بھی علم رکھتے ہو اور اس کے محکم و متشابہ آیات کو بھی جانتے ہو کہ جس میں اس امت کے گمراہ ہونے والے گمراہ ہو گئے اور ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے، تو ان لوگوں نے کہا : اس میں کچھ کا ہمیں علم ہے، کل کا نہیں! اس پر آپؐ نے فرمایا تم یہی کچھ لے کر آئے ہو؟“
اس سے پتہ چلتا ہے کہ مجتہد اور فقیہ کے لئے قرآن کے نسخ و منسوخ، محکم و متشابہ کا عالم ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح امام صادق علیہ السلام کے نزدیک تفسیر بالرائے درست نہیں۔ عیاشی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

”من فسر القرآن براه ان اصاب لم ينجح و ان اخطا فهو ابعث من السماء“

”یعنی جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اور وہ صحیح نتیجے تک پہنچا

تو بھی اس کو کوئی اجر نہ دیا جائے گا اور اگر اس نے خطا کی تو وہ آسمان سے سب سے زیادہ دور ہوگا۔“

یقیناً فرقہ شیعہ میں ”رائے“ سے تفسیر حرام ہے لیکن اس رائے سے مراد عقل نہیں ہے کیونکہ خود قرآن مجید عقل کو استعمال کرنے پر زور دیتا ہے اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے بھی کثرت سے استعمال عقل پر زور دیا ہے۔ علامہ ابوہریرہ مصری تفسیر بالرائے کے حرام ہونے کے نظریے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

”و خلاصہ القول ان اخواننا الاثنا عشریہ لا یمنعون الراى فى فهم القرآن جمله ولا یقبلونه جمله فهم یمنعون من خالف اقوال الاوصیاء برایہ و یمنعون الراى لمن لم یتاثر بعلم الائمہ و یتشیع بالاقتداء بهم حتی تكون آرائوه منبعثه منهم و منازعه متوجه اليهم“ ۳۵۱

”گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے شیعہ اثنا عشری بھائی فہم قرآن کے سلسلے میں رائے کے استعمال کو مکمل طور پر منع نہیں کرتے اور نہ ہی بلا روک ٹوک کے رائے کو قبول کرتے ہیں بلکہ وہ ایسی تفسیر کو منع کرتے ہیں جو اقوال ائمہ کے برخلاف ہو اور اس کی رائے کو قبول کرنے سے روکتے ہیں جس کی رائے علم ائمہ سے ماخوذ نہ ہو بلکہ اس نے ائمہ کی اقتداء سے اپنے علم کی بھوک مٹائی ہو یہاں تک کہ اس کی آراء ان سے ماخوذ اور ان کی طرف متوجہ ہوں۔“

سنت فقہ جعفریہ میں احکام شریعت کا دوسرا بڑا اور معتمد ماخذ ہے لیکن نہ صرف یہ کہ سنت کی تعریف اہل تشیع اور اہل تسنن میں مختلف ہے بلکہ قبول روایت کا معیار بھی دونوں میں بہت مختلف ہے ہم گزشتہ صفحات میں امام بخاری کے ضمن میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ انہوں نے ہر قسم کے لوگوں سے روایات لی ہیں یہاں تک کہ خوارج سے بھی جن کا برسر غلط ہونا نہ صرف یہ کہ شیعہ تسلیم کرتے ہیں بلکہ اہل سنت بھی انہیں غلط عقائد کا پیرو ہی سمجھتے ہیں علمائے اہل سنت نے امام بخاری کی فروگزاشتوں کو محاف نہیں کیا بلکہ ان کی نشاندہی فرمائی ہے اس کا ایک ثبوت امام عبد الرحمن ابن ابی حاتم الرازی (المتوفی سنہ ۳۲۷ھ) کی کتاب ”بیان خطاء محمد بن اسماعیل البخاری“ ہے جس میں ۷۷۱ روایوں کے بارے میں امام بخاری کی غلطیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہمارے پاس موجود اور لائق ترجمہ ہے۔

فقہ جعفریہ میں سنت یا حدیث کی تعریف یوں کی جاتی ہے قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم اور اس معصوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت فاطمہ الزہراء صلوات اللہ علیہا اور بارہ امام شامل ہیں جو فقہ جعفریہ کے مطابق سب کے سب معصوم من الخطاء ہیں۔

جب کہ اہل تسنن کے نزدیک حدیث صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے باقی رہے آثار صحابہ و تابعین انہیں بھی اک گونہ تشریحی حیثیت حاصل ہے بلکہ پہلے دو خلفاء حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں اور احکامات کو تو خاص طور پر مستند و قابل استناد سمجھا جاتا ہے جب کہ فقہ جعفریہ میں ان کی حیثیت فقہی نظائر سے زیادہ نہیں۔

اہل تسنن میں پہلے تو بہت فراخ دلانہ رویہ موجود تھا لیکن جوں جوں وقت گزرنا گیا۔ مختلف فقہی مکاتب وجود میں آتے گئے اور ان میں باہمی آویزشوں کی ابتداء ہوئی تو ان فرقوں میں آپس میں عموماً اور ان تمام فرقوں کی مشترکہ طور پر فقہ جعفریہ کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا۔ ان میں سب سے کم تعصب ہم شافعیوں میں پاتے ہیں اور اہل بیت و اہل تشیع سے ان کی رواداری سب ائمہ سے زیادہ نظر آتی ہے کیونکہ خود ان کے مرجع امام شافعی اپنے دیوان میں فرما گئے ہیں۔

ان کان رفضا حب آل محمد

فلیشهد الثقلان انی رافضی

”اگر حب آل محمد رفض ہے تو زمین و آسمان گواہی دے دیں کہ میں رافضی ہوں۔“ (دیوان ص ۵۵)

ایک اور موقع پر خلفائے اربعہ کے متعلق کہا ہے۔

و ان ابابکر خلیفہ ربہ

وکان ابو حفص علی الخیر یحرص

واشهد ربی ان عثمان فاضل

وان علیاً فضله متخصص

”اور یہ کہ ابو بکر اپنے رب کے خلیفہ تھے اور حضرت عمر خیر کے لالچی تھے

اور میں گواہ بناتا ہوں اپنے رب کو کہ حضرت عثمان صاحب فضیلت تھے

اور رہے حضرت علی تو ان کی فضیلت تو مخصوص ترین تھی۔“ (دیوان

ص ۵۴)

چنانچہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کرام میں سے

اکثریت میں تشیع پایا جاتا تھا اور یہ کہ اگر ان راویوں کو چھوڑ دیا جائے تو بہت سے احکام کا ثابت ہونا مشکل ہو جائے کیونکہ ان کے بنیادی راوی جو تابعین سے لے کر تبع تابعین کرام ہیں وہ شیعہ ہیں۔ لیکن بعد میں تنگ نظری کی بناء پر اہل تشیع کی روایات کو رد کر دیا گیا بلکہ کسی راوی کو رد کرتے ہوئے ماہرین علم رجال جہاں دوسرے عیوب بیان کرتے ہیں وہاں ایک عیب رافضی ہونے کا بھی ہے خود ابن حجر نے بے شمار راویوں پر یہ الزام عائد کر کے اس کی روایت قبول کرنے سے منع کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو قفی بحث کے لئے تدریب الراوی للیوطی، التبیہ والايضاح از عراقی، الباعث الخیث ابن کثیر)

اسی طرح اہل تشیع میں راوی کے ثقہ ہونے کے لئے پہلی شرط محب اہل بیت ہونا ہے اور اہل بیت علیہم السلام سے بغض رکھنا یا ان کا مخالف ہونا راوی کا سب سے بڑا عیب شمار ہوتا ہے۔ سوائے چند اشخاص کے استثناء کے جن کی وضاحت ہم نے اصول کافی کی اردو شرح و ترجمہ (جلد اول) کے مقدمے میں کی ہے۔ اس کی تائید امام جعفر صادق علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے، جس میں عمومی طور پر مذہب عامہ کے خلاف چلنے اور عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ایک تو اسی مشہور روایت کا جزء ہے جو مقبولہ عمر بن حنظلہ کہلاتی ہے اور اصول کافی کی کتاب العلم باب اختلاف الحدیث کی دسویں روایت ہے۔ اس روایت میں عمر بن حنظلہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت حدیث میں پائے جانے والے اختلافات کو دور کرنے کے متعلق گفتگو کی ہے کہ اس کی کیا صورتیں ممکن ہیں اسی ضمن میں وہ سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

”قلت : فان كان الخبران عنكما مشهورین“

قد رواهما الثقات عنکم؟ قال : ينظر فما وافق
 حکمه حکم الكتاب والسنة و خالف العامة
 فيؤخذ به ويترك ما خالف حکمه حکم الكتاب
 والسنة و وافق العامة“ (الاصول من الکافی ج ۱ - ص ۶۸ مع
 مقدمه علی اکبر النخاری)

”میں نے کہا : اگر دونوں روایتیں آپ دونوں (امام باقر و صادق علیہما
 السلام) سے مشہور ہوں جن کو آپ سے قابل اعتماد راویوں نے روایت
 کیا ہو تو پھر کیا کریں؟ فرمایا : یہ دیکھو کہ کونسی روایت کتاب و سنت
 کے حکم سے موافق اور اہل سنت کے مخالف ہے پس اسی کو اختیار کرو
 اور جو حکم کتاب و سنت کے مخالف اور اہل سنت کے موافق ہو اسے
 ترک کرو۔“

علامہ مجلسیؒ نے اصول کافی کی جو شرح تحریر فرمائی ہے اس میں اسی حدیث
 کے ذیل میں ایک اور روایت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے وہ یہ ہے :
 ”رواہ ابن الجهمور فی کتاب غوالی اللالی عن
 العلامة مرفوعاً الى زرارة بن اعين : قال : سالت
 الباقر عليه السلام فقلت : جعلت فداک یاتی
 عنکم الخبران او الحديثان المتعارضان فبايهما
 آخذ؟ فقال عليه السلام : یا زرارة خذ بما اشتهر
 به بین اصحابک و دع الشاذ النادر فقلت یا سیدی
 انهما معا مشهوران مرویان ما ثوران عنکم؟ فقال

علیہ السلام : خذ بقول اعدلہما واثقہما فی
 نفسک، فقلت : انہما معا عدلان مرضیان
 مؤثقان؟ فقال : انظر ما وافق منہما منہب العامہ
 فاتركہ و خذ بما خالفہم“ (مرآة العقول ج ۱
 - ص ۲۲۶-۲۲۷)

”ابن المحصور نے کتاب غوالی اللثالی میں زرارة بن اعین کی مرفوع
 حدیث نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے
 کہا کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آپ سے منسوب دو ایسی روایتیں ہم
 تک پہنچتی ہیں جو ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں تو ان میں سے کس پر
 عمل کریں؟ آپ نے فرمایا اے زرارة ان میں سے جو روایت تمہارے
 اصحاب کے درمیان مشہور ہو جبکہ شاذ و نادر روایت کو چھوڑ دو۔ میں نے
 عرض کی اے میرے مولا اگر دونوں ہی آپ سے مروی اور مشہور ہوں تو
 کیا کریں؟ فرمایا : اس کا قول اختیار کر لو جو ان میں زیادہ عادل اور لائق
 اعتبار ہو تمہارے نزدیک۔ میں نے عرض کی اگر دونوں ہی عادل لائق
 اعتبار اور پسندیدہ ہوں؟ فرمایا : پھر یہ دیکھو کہ ان دونوں میں سے جو
 اہل سنت کے موافق ہو اسے ترک کر دو اور جو ان کے مخالف ہو وہ لے
 لو۔“

یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح کی جہاں تعریف کی جاتی ہے وہاں امای اثناء عشری
 ہونے کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ مثلاً
 ”صحیح آں حدیثی است کہ راویان آں تمام دوازده امای باشند و یکی از

ائمہ معصومینؑ آنھارا . صفت عدالت ستودہ باشد (حدیث ماص ۱۴۳ از

محب الاسلام سید علی اکبر موسوی)

صحیح وہ حدیث ہے کہ جس کے تمام راوی اثنا عشری امامی ہوں اور ائمہ معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک نے انھیں عادل قرار دیا ہو۔ اور مقدمہ مرآۃ العقول میں ”صحیح“ کی تعریف یوں درج ہے :

”الصحيح : وهو ما اتصل بسندہ الى المعصوم بنقل الامامی العلل عن مثله فی جمعی الطبقات (مقدمہ مرآۃ العقول ج ۲ - ص ۳۳۵ بقلم الاستاذ السید مرتضیٰ العسکری“ حدیث صحیح وہ ہے جس کی سند عادل امامی کی نقل سے معصوم تک پہنچے اور اسی طرح کے تمام افراد تمام طبقات روات میں ہوں۔

مذہب عامہ کے خلاف کیوں چلنا چاہئے؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب ہم امام صادق علیہ السلام ہی کی زبانی دیتے ہیں۔

”و رواه الصدوق فی العلل حدثنا ابی رحمہ اللہ قال : حدثنا احمد بن ادريس عن ابی اسحاق الارجانی رفعه قال : قال ابو عبد اللہ اندری لم امرتم بالاختلاف ما تقول العامة؟ فقلت : لاندری فقال : ان علیاً لم یکن یدین اللہ بدین الا خالف علیہ الامہ الی غیرہ ارادة لا بطل امرہ و كانوا یسالون امیر المومنین عن الشئ الذی لا یعلمونه

فاذا افتاهم جعلوا له ضدًا من عندهم ليلبسوا على الناس (باب ۳۱۵ من المجلد الثانی ص ۵۳ من علل الشرائع و رواه عنه الحر العاملي فی الوسائل ج ۱۸ ص ۸۳)

”شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع میں ابی اسحاق ارجانی سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں کیوں یہ حکم دیا گیا ہے جو کچھ عامہ کرتے ہیں اس کے خلاف کرو؟ میں نے کہا ہم نہیں جانتے آپؑ نے فرمایا : حضرت علی علیہ السلام دین خداوندی کا کوئی کام ایسا نہیں کرتے تھے کہ جس میں امت کے عام افراد ان کی مخالفت نہ کرتے ہوں تاکہ آپ کے حکم کو باطل ٹھہرا سکیں چنانچہ یہ لوگ امیر المؤمنین علیہ السلام سے ان تمام باتوں کے بارے میں پوچھتے تھے جس کے بارے میں انہیں کچھ علم نہ ہوتا تھا اور جب آپ اس کے بارے میں فتویٰ دیتے تو یہ لوگ اس کی مخالفت میں حدیث بنا لیتے تاکہ لوگوں پر اس امر کو ملتبس کر سکیں۔“

(۳) شریعت کا تیسرا اہم ماخذ امام صادق علیہ السلام کے نزدیک اجماع تھا لیکن یہ اجماع بھی شرکت معصوم سے ہونا چاہئے چنانچہ وہ روایت قبول کی جائے گی جس پر علمائے شیعہ کا اتفاق ہو نیز جو ان کے درمیان مشہور ہو۔ خود امام صادق علیہ السلام سے کافی میں یہ روایت موجود ہے جو مقبولہ عمر بن حنظلہ کا جزء ہے جس میں راوی نے پوچھا ہے کہ اگر وہ ایسے راویوں (علماء) میں اختلاف ہو جائے جو دونوں عادل بھی ہوں اور پسندیدہ بھی اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جاسکے تو

اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا : ”ینظر الی ما کان من روایتهم عنافی ذلک الذی حکما بہ المجمع علیہ من اصحابک فیوخذ بہ من حکمنا و یترک الشاذ الذی لیس بمشہور عند اصحابک فان المجمع علیہ لاریب فیہ“ (الاصول من الکافی ج-۱ ص ۶۸ دار الکتب الاسلامیہ) یہ دونوں جو احادیث ہم سے روایت کرتے ہیں ان میں سے یہ دیکھو کہ تمہارے ساتھیوں (علماء) کا اتفاق و اجماع کس پر ہے پس ہمارے اس حکم کو اختیار کرلو اور شاذ روایت کو چھوڑ دو یعنی جو تمہارے ساتھیوں میں مشہور نہ ہو کیونکہ جس روایت پر اجماع ہو اس میں کوئی شک نہیں۔

چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مکتب امام صادقؑ میں اجماع کی بہت اہمیت ہے اسی لئے آپ یہ دیکھیں گے کہ شیخ الطائفہ الطوسی کی کتاب الخلاف میں جا بجا اجماع کو اپنی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

الدکتور مصطفیٰ ابراہیم الزلمی مدرس کلیتہ القانون والسیاست بجامعہ بغداد اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

”للشعیہ الامامیہ مفہوم خاص للاجماع یختلف عن الاجماع بالمفہوم السابق للی الجمهور فهو عندهم عبارة عن اتفاق جماعہ یکشف اتفاقهم عن رای المعصوم لان اتفاق جمیعہم یحصل منه العلم بانہ ماخوذ عن رئیسہم“ (اسباب اختلاف الفقہاء فی احکام الشریعہ ص ۳۱۱)

”شیعہ امامیہ فرقے کے نزدیک اجماع کا مفہوم اس سے مختلف ہے جو گزشتہ صفحات میں اہل سنت کے حوالے سے بیان ہوا۔ شیعوں کے نزدیک اجماع عبارت ہے علماء کے اتفاق سے جو معصومؑ کی رائے کے متعلق ان کے درمیان پایا جاتا ہے کیونکہ ان سب کے اتفاق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ بات ان کے رئیس مذہب (امامؑ) سے ماخوذ ہے۔“ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں القوانين المحکمہ الباب السادس)
علامہ حلی نے تحریر فرمایا ہے :

”اجماع امامہ محمد حق اما علی قولنا فظاہر لانا
نوجب المعصوم فی کل زمان وهو سید الامہ
والحجۃ فی قوله“ (مبادئ الوصول فی علم الاصول ص ۱۹۰)
”ان امت محمدیہ کا بننا یقیناً حق ہے لیکن ہمارے قول کے مطابق
ظاہر یہ ہے کہ ہم ہر زمانے میں معصوم کا دور واجب جانتے ہیں وہی
زمانے کا سردار ہوتا ہے پس اسی کا قول حجت ہوتا ہے۔“

فخر المحققین وسند المجتہدین آیت اللہ فی الایام مجتہد العصر والزمان جدنا العظمی
العلامة السید سبط حسین علی اللہ مقامہ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :
”اعتقادنا معاشر الامامیہ انہ لابد فی کل زمان من
وجود امام حافظ للشرع فمتی اجتمعت الامہ
علی قول لابد من دخول المعصوم علیہ السلام فیہ
لانہ سید الامہ والخطاء مامون علی قوله وذلک
الاتفاق کاشف عن رای حجة الزمان علیہ الصلوٰۃ

الملک المنان فیکون الاجماع حجه باعتبار
کشف عن قوله عليه السلام لا لکونه حجه فی
نفسه“ (عضب الله المصقول فی رد السیف
المفلول ج ۳- ص ۵۹ ط ۱۳۰۹ هـ لکھنو)

”ہمارے شیعہ فرقے کا اعتقاد ہے کہ ہر زمانے میں ایک امام موجود ہوتا
ہے جو حافظ شرع ہوتا ہے تو جب امت کسی قول پر مجتمع ہو گئی تو ضروری
ہے کہ اس میں معصوم علیہ السلام بھی شامل ہوں کیونکہ وہ امت کے
سر دار ہیں اور ان کے قول میں خطا کا امکان نہیں اور یہ اتفاق حجت
زمان کی رائے کو واضح کرتا ہے پس اجماع قول معصوم کے کاشف کی
حیثیت سے تو حجت ہوتا ہے فی نفسہ حجت نہیں ہوتا۔“

درج بالا گفتگو اور حوالوں سے نہ صرف یہ کہ قول معصوم کی اہمیت کا پتہ چلتا
ہے بلکہ اجماع کی کیفیت اور نوعیت بھی واضح ہوتی ہے۔ امام صادق کے جس قول
کا اس بحث کی ابتداء میں حوالہ دیا گیا اس میں ”ماکان من روايتهم عنا“
اور ”فیوخذ به من حکمنا“ کے الفاظ شرکت معصوم کو بلا خوف تردید
ظاہر کر رہے ہیں۔

(۳) عقل علمائے امامیہ کے نزدیک شریعت کا چوتھا ماخذ ہے اور اس بارے میں
فقہ امامیہ کو امتیاز حاصل ہے۔ عقل کے بارے میں علمائے امامیہ میں دو نقطہ ہائے
نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ محض قرآن و حدیث پر چلنا چاہئے اور استنباط
مسائل میں عقل کو استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ نصوص شرعیہ اس سلسلے میں کافی
ہیں اس طبقے کو اخباری یا غیر اصولی کہا جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ جسے اصولی کہا جاتا ہے

اجتہاد کا قائل ہے اس کے مطابق قرآن و حدیث سے بھی احکام کو محض عقل ہی کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے اور خاص طور پر ایسے پیش آمدہ مسائل جن کا کوئی جواب نصوص شرعیہ میں موجود نہیں ان کے لئے تو لازماً عقل ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔ بغیر استعمال عقل استنباط مسائل بھی ممکن نہیں اور نہ ہی تفہیم مسائل ممکن ہے۔ اس بارے میں اصولی علماء کے موقف کا اظہار کرتے ہوئے علامہ ابو زہرہ مصری کہتے ہیں۔

”وان الامامیہ کما تری یقررون ان ما امر به العقل
یکون مطلوباً ومانہی عنہ العقل یکون منہیا عنہ
ولکنہم یاخذون بذلک علی اساس ان العقل فی
ذاتہ غیر آمر او ناہ و لکنہ کاشف عن امر اللہ تعالیٰ
ونہیہ و بالتالیٰ کاشف عن رای الامام فی الامر وان
ذلک لایمکن ان یکون الا بعد ان امر اللہ تعالیٰ ونہی
فی کتابہ و علی لسان رسولہ النبی الامین“ ۳۵۲

”آپ نے دیکھا کہ امامیہ کے نزدیک یہ مقرر ہے کہ جس چیز کا حکم عقل کرتی ہے وہ شرعاً مطلوب ہے اور جس چیز سے عقل منع کرتی ہے وہ چیز شرعاً بھی منع ہی ہوگی۔ لیکن وہ یہ اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ عقل فی ذاتہ نہ حکم کرنے والی ہے اور نہ ہی منع کرنے والی لیکن اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کو واضح کرنے والی ہے اور اسی کے تحت حکم کے بارے میں امام کی رائے کو بھی واضح کرنے والی ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اللہ کا حکم یا نہی اس کتاب میں (قرآن میں) موجود نہ ہو یا رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لسان صدق ترجمان پر جاری نہ ہو۔“

مذہب امامیہ میں عقل پر بہت زور دیا گیا ہے جو اجتہاد کی بنیاد ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ احادیث ائمہ علیہم السلام کے پہلے بڑے مجموعے الکافی (جس کے مصنف ثقہ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینیؒ ہیں) کی ابتداء کتاب العقل والہل سے ہوتی ہے نیز ”الوائی“ (محسن فیض الکاشانی) اور بحار الانوار (علامہ مجلسیؒ) کی ابتداء بھی کتاب العقل والہل ہی سے ہوتی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت آپ کی تعلیمات اور آپ کے فقہی مدرسے و معاصرین کا شخصی و فکری جائزہ مختصراً ہم لے چکے۔ ان موضوعات پر جس قدر لکھا جائے کم ہے۔

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

لیکن کتاب کی طوالت اس کی اجازت نہیں دیتی لہذا اس موضوع کو ہم اس مقام پر ختم کرتے ہیں۔



امام جعفر صادقؑ اور طبعی علوم

جہاں تک علوم دینیہ کا تعلق ہے تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ اکابر علمائے اسلام نے علوم دینیہ میں آپ کو اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم اور امام مانا ہے اور امام ابو حنیفہ و امام مالک کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات ہمہ جہت تھی، علوم عقیدہ اور علوم طبیعیہ میں بھی ہم آپ کو ایک ایسے مرتبے اور مقام پر دیکھتے ہیں کہ جس تک کوئی دوسرا عالم نہ پہنچ سکا۔ ذیل میں ہم امام علیہ السلام کی شخصیت کے اس پہلو پر مختصراً گفتگو کریں گے جو علوم طبیعیہ سے متعلق ہے۔

لوگ اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ائمہ علیہم السلام فزکس، کیمسٹری، ریاضیات وغیرہ دیگر علوم کے عالم تھے؟ اس کا جواب نفی یا اثبات میں دینا کچھ تفصیل طلب ہے لیکن ہر اس شخص پر جس نے ائمہ علیہم السلام کی سیرتوں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کو کسی مسئلے کا جواب دینے میں مہلت درکار نہ ہوئی خواہ وہ سوال کسی بھی شعبے سے متعلق ہو ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ پوچھنے والے نے اپنا سوال مکمل کیا اور امامؑ نے جواب دے دیا۔ یہ کسی ایک امام کی خصوصیت نہیں یہی جلوہ ہمیں ہر امام کا نظر آتا ہے۔ اسی طرح ہم اخبار بالغیب کو دیکھتے ہیں کہ ہر امام نے مستقبل کے کسی اہم واقعے کی نشاندہی کی ہے اور وہ حرف بہ حرف پورا ہوا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر امام علی رضا

علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ ”سوف لا یحجج من ملوک بنی العباس احد بعد ہارون“ بنو عباس کے حکمرانوں میں سے ہارون کے بعد اب کوئی حج نہیں کرے گا۔ اور یہی ہوا۔ اسی طرح آپؐ نے کہا تھا کہ ”ہارون وانا کھاتین۔ وضم اصبعیہ“ ہارون اور میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر اشارہ کیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب امامؑ کی شہادت ہوئی تو ہم اس کا مطلب سمجھتے یعنی میں اور ہارون برابر برابر دفن کئے جائیں گے۔

ان واقعات کے علم کے بارے میں دو باتیں کہی جاسکتی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ یہ وہ علم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو منتقل کیا جس کے بارے میں خود حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر علم کے ہزار باب کھولے جس کے ہر باب سے میرے لئے مزید ایک ایک ہزار باب کھل گئے۔ یا دوسرے مقام پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ : جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہو پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ رہوں۔ یہ علم کا خزینہ ہے۔ یہ لعاب رسولؐ ہے۔ یہ وہ علم ہے جو رسول اللہؐ نے مجھے اس طرح بھرایا تھا جس طرح طائر اپنے بچے کو بھراتا ہے۔ اسی طرح ایک مقام پر امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے : مجھ سے پوچھ لو کیونکہ میرے پاس اولین کا بھی علم ہے اور آخرین کا بھی۔ اسی طرح کی اور بھی روایات ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے معلم اول تھے اور آپ کے علوم دیگر ائمہ علیہم السلام کو منتقل ہوئے۔

(۲) دوسری توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ یہ سب کچھ علم الہامی تھا جسے ہم محتاط الفاظ میں علم لدنی کہہ سکتے ہیں۔ یہ الہامی یا اکتشافی علم نہایت قابل اعتماد ہے اور اس نے انسانی زندگی کے بہت بڑے بڑے مسائل کو حل کیا ہے۔ علوم جدیدہ کی تاریخ پر ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تحقیق کرنے والے ڈاکٹر کو اچانک اپنے مسئلے کا حل سمجھ میں آیا ہے یا اس نے خواب میں بھی اپنے کو طبیعات و ریاضی کے اہم مسائل حل کرتے ہوئے دیکھا جس کے حل کے لئے وہ ایک مدت دراز سے محنت کر رہا تھا یا اسی طرح بہت سے آلات، کیمیائی ترکیبیں، دوا کے عناصر خواب میں معلوم ہوئے ہیں یا اچانک ان کا الہام ہوا ہے۔

حدیث میں ہے ”العلم نور یقذفہ اللہ فی قلب من یشاء“ علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ جس شخص کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ علم محض مادی علم نہیں بلکہ اس کا تعلق دوسری طرف روحانیت، تزکیہ نفس، معارف الہیہ و فلسفہ الہیہ سے بھی ہے۔ مخلوق اللہ کی عیال ہے اور جو اس کے عیال کی پریشانیاں کم کرنے کی فکر کرتا ہے اللہ اس کی اعانت بھی فرماتا ہے۔ اس کا تعلق تزکیہ نفس اور اعمال صالحہ سے بھی ہے۔ یہ کون، حیات اور وجود کا علم ہے۔ اسی کو ایک حدیث میں فرمایا گیا۔ ”ان من احب عباد اللہ الیہ عبدا اعانہ اللہ علی نفسه“ فاستشعرا الحزن و تجلب الخوف فزهر مصباح الہدی فی قلبہ“ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ جو بندہ محبوب ہوتا ہے اللہ اس کے نفس کے معاملے میں اس کی اعانت فرماتا ہے پس وہ اپنے اعمال پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ خوف خدا اس میں پیدا ہو جاتا ہے اور چراغ ہدایت اس کے دل میں روشن ہو جاتا ہے۔ یہ وہ علم

ہے جو اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو دن کی ابتداء ہی اللہ کے خلوص سے کرتا ہے حدیث میں وارد ہے۔ ”من خلص لله اربعین صباحا جرت من قلبه علی لسانه ینابیع الحکمہ“ جو اللہ کے لئے اپنی چالیس صبحیں خالص کر لیتا ہے اس کے قلب سے حکمت کے چشمے نکل کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ جب عام افراد کا یہ حال ہے تو جو لوگ ایمان کی راہیں، حقائق کی کانیں، خلافت کے شفیع، رحمت الہی کی کنجیاں اور اس کی مغفرت کے ہار، اس کی رضا کے ابرگہر، اس کے قصر ہدایت کے چراغ، اس کی فرقان کے عالم اور اس کے رازوں کے امین ہیں ان کی زبانوں پر جاری ہونے والے علوم کا کیا حال ہوگا؟ ذیل میں ہم بعض اہم واقعات کا تذکرہ کریں گے جن کا تعلق ایک طرف تو الہام سے ہے اور دوسری طرف ایجاد سے۔

البرٹ آئن سٹائن کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے وہ نشوونما اور بولنے میں دوسرے بچوں سے کم تر تھا اور کند ذہن بھی لہذا اس کے والد آئن سٹائن کے لئے مختلف کھیلوں کا سامان لا دیتے تھے تاکہ اس کا ذہن کچھ کام کرے۔ وہ بچوں میں بھی گھلتا و ملتا نہیں تھا۔ اس نے اللہ کی عظمت اور دعا و استغفار پر مشتمل ایک قصیدہ یاد کر رکھا تھا بس وہ اسے پڑھتا رہتا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ طبیعیات اور ریاضیات کا اتنا بڑا ماہر بن گیا کہ عقل دنگ ہے۔ وہ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ : ”ایک بجلی سی میرے دماغ میں کوندتی ہے اور مجھ پر بڑے بڑے انکشافات کر جاتی ہے۔“

انسولین کا موجود مشہور عالم سائنس دان باتنہینگ ذیابیطس کا علاج کرنا چاہتا تھا لیکن وہ دوا کی ایجاد سے مایوس ہو گیا۔ وہ کہتا ہے کہ رات میں دیر تک اپنے مشن میں لگا رہا پھر جب سونے کے لئے لیٹا تو نیم غنودگی میں محسوس ہوا جیسا کہ کوئی

کہہ رہا ہے کہ کتے میں تلی کی جھلی لگا کر سات سے آٹھ ہفتے کے لئے چھوڑ دو پھر اس کے جوس سے دوا بنائو۔ باتنینگ کہتا ہے کہ میں جب صبح اٹھا تو ٹورنٹو یونیورسٹی کے شعبہ طب کے مشہور پروفیسر میکلوڈ کے پاس گیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا تو وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ یہ بے تکا خواب ہے۔ لیکن باتنینگ کے بے حد اصرار پر اس نے اجازت دیتے ہوئے کہا کہ دسیوں کتے موجود ہیں تم اپنے تجربات کرو۔ اس نے اپنے خواب کی ہدایات پر عمل کیا اور بالآخر ۲۷ جولائی ۱۹۳۱ء کو وہ اپنے تجربات میں کامیاب ہو گیا۔

جانسن اپنی کتاب "المسالہ الکبریٰ" میں لکھتا ہے کہ مشہور موسیقار دی لیفڈ کے جو دو مشہور سر "لحن السماء" اور "اغنیہ العمیانی" ہیں وہ اس نے خواب میں سن کر ایجاد کئے تھے۔ حالت خواب ہی میں اس نے یہ سریا دکر لئے وہ کہا کرتے تھا کہ یہ دونوں سر اس کی ایجاد نہیں ہیں۔ ریاضی کا ایک مشہور عالم ہنری پوانکارہ گزرا ہے وہ کہا کرتا تھا ہم ماہرین ریاضیات ہیں ہم فزکس اور فلسفے کے لئے کام کرتے ہیں۔ لیکن معادلات جبریہ کے حل کے عمومی قانون کو وہ حل نہ کر سکا تو اسے اس کا مکمل حل حالت خواب میں لکھا ہوا نظر آیا۔

اسی طرح یہ بات تو بہت ہی مشہور ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے مشہور سائنس دان و ریاضی دان ڈاکٹر جیمس گریگوری کے بیشتر علمی اکتشافات اسے نیند کے دوران ہی پتہ چلے۔

علم کے یہ دونوں چشمے یعنی فیضان علم رسولؐ اور امام ربانی امام جعفر صادق علیہ السلام میں موجزن تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو ہم آپ کو قرآن

حدیث اور فقہ کے نکات حل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور دوسری طرف فلسفہ اور منطق نیز علوم طبی و طبعی کی نازک بحثوں کو آپ کی لسان صدق سے جاری ہوتے دیکھتے ہیں تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے ”بہم عیش العلم و موت الجہل“ انہیں کے ذریعے سے علم زندہ ہوتا ہے اور جہل نابود۔

لوگوں کو یہ حیرانی ہے کہ مدینے جیسے بعید از علم مقام میں رہنے والے شخص نے جابر بن حیان کو فن کیمیا میں کیسے طاق کیا انہیں حدیث مقفل بن عمرو اور حدیث اہلیلجہ کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ کس طرح امام علیہ السلام نے علوم کا سمندر کو زے میں سمویا ہے۔

سردست اس عنوان پر ہم تفصیلی گفتگو کرنا نہیں چاہتے بلکہ صرف ایک پہلو کو پیش کرنا چاہتے ہیں جسے تعصب نے معرض بحث میں لاکھڑا کیا ہے اور وہ ہے جابر بن حیان اور فن کیمیا کا مسئلہ۔

امام صادقؑ اور جابر بن حیان

علامہ جنابذی نے معالم العترة الطاهرة میں صالح بن اسود کی روایت درج کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کو کہتے ہوئے سنا۔

”سلونی قبل ان تفقدونی فانہ لا یحدثکم احد بعدی بمثل حدیثی“

”جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے تم مجھے نہ پاؤ کیونکہ جو گفتگو

میں تم سے کرتا ہوں وہ میرے بعد کوئی دوسرا تم سے نہ کرے گا۔“

جابر بن حیان کی شخصیت خاصی متنازع ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا

کوئی وجود نہیں بعض اسے تاریخی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ہاشمی نے اس سلسلے میں ایک اہم کتاب ”الامام الصادق : ملہم الکیمیاء“ لکھی ہے جو اس موضوع پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی ہے اور اب تحقیق نے اس بارے میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے کہ جابر بن حیان امام صادق کا شاگرد تھا۔ اور امام صادق علیہ السلام نے اسے کیمیاء پر پانچ سو رسائل املاء کرائے۔ مشہور مستشرق اور سائنس دان روسکا کہتا ہے کہ :

”انه لمن المستحيل على جعفر ان يكون
کیمیائیا فلیس من الممكن ان يتعاطى تلك
الصنعه سواء كان نظریا ام عملیا وهو فی المدینہ“
(ملہم الکیمیاء ص ۳۷)

”جعفر صادقؑ کے لئے یہ محال ہے کہ وہ ماہر کیمیاء ہوں اور اسی طرح یہ
نہی ممکن نہیں کہ مدینہ میں رہنے والا شخص نظری (Theoretically) یا
عملی (Practically) طور پر اس صنعت کا موجد ہو۔۔۔۔۔“

اس قسم کی باتیں کہنا نہ صرف یہ کہ تاریخ طبیعیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں مشہور سائنس دانوں کے الہام کے واقعات لکھ آئے ہیں۔ بلکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے جو چیز مجسم طور پر آپ کے سامنے موجود ہو وہ از حد محیر العقول ہونے کے باوجود بھی لائق اثبات ہی ہے اس کی تردید ایک بے تکی سی بات ہے جب کہ ہمیں علماء و مفکرین کی ایک بڑی تعداد اس امر کا اظہار کرتی نظر آتی ہے کہ جابر بن حیان امام صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا اور کیمیاء میں اس کی مہارت امام علیہ السلام ہی کے طفیل تھی۔ دوسری بات یہ کہ خود جابر نے

اپنے رسائل میں بار بار اس کا اظہار کیا ہے اس قوی ترین داخلی شہادت کے بعد کوئی وجہ تردید نہیں رہ جاتی۔ ذیل میں ہم دونوں پہلوؤں سے اس پر گفتگو کریں گے۔

(۱) مشہور سائنس دان ہولیمارڈ کہتا ہے کہ : جابر امام صادق علیہ السلام کا شاگرد تھا یا دوست تھا اور اس نے اپنے اس امام کو اپنے لئے 'سند'، 'مددگار'، 'راہنما'، 'امین' اور ایک ایسا مرجع پایا جس کی صحبت سے وہ مستغنی نہیں ہو سکتا تھا۔ جابر نے اپنے استاد کے حکم سے اسکندریہ میں رہنے والے اس فن کے ماہرین کی کتابوں کو نقل کرنا شروع کیا اور اس میں انتہائی کامیابی حاصل کی اس لئے ضروری ہے کہ اس کا نام اس فن کیمیاء کے بزرگ ترین ماہرین کے ساتھ لیا جائے۔ (الامام الصادق : ملخص الکیمیاء ص ۳۷)

(۲) الاستاذ محمد صادق نشات لکھتے ہیں : جابر بن حیان نے امام علیہ السلام سے سن کے سینکڑوں رسائل لکھے جن میں سے پانچ سو رسائل آج سے تین صدی قبل جرمنی میں شائع ہوئے تھے ان میں سے اکثر برلن اور پیرس کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ جابر کی تصانیف کی تعداد تین ہزار نو سو تک پہنچتی ہے۔ (الدلائل والمسائل ص ۵۲) فرست ابن ندیم میں جابر بن حیان پر ایک پورا باب ہے اس کا مکمل مطالعہ قارئین کے لئے مفید ہوگا۔

(۳) شمس الدین احمد بن ابی بکر بن خلکان المتوفی سنہ ۶۸۱ھ میں امام صادق علیہ السلام کے حالات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وکان تلمیذہ ابو موسی جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی قد الف کتابا یشتمل علی الف ورقہ تتضمن رسائل جعفر الصادق

وہی خمس مائہ رسالہ“ (وفیات الاعیان ۱/۲۹۱) یعنی ان کے شاگردوں میں ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی ہے جس نے ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے جس میں امام جعفر صادقؑ کے رسائل ہیں ان کی تعداد پانچ سو ہے۔

(۳) پطرس بتانی نے لکھا ہے : ”ولقب بالصادق لصدقه فی مقالته وفضله عظیم وله مقالات فی صناعه الکیمیاء“ (دائرة المعارف ۶/۴۷۸) آپ اپنی سچائی کی وجہ سے صادق کے لقب سے لقب ہوئے آپ کی فضیلت عظیم ہے اور آپ کے بعض رسائل صنعت کیما میں ہیں۔

(۵) استاذ محمد صادق ثنات لکھتے ہیں : ”ان کتب العملاق العربی (جابر بن حیان) تترجم الی اللاتینیہ حال الحصول علیہا وان الکیمیائی الانکلیزی بریستلی یتعلم اللغہ العربیہ یطلع بنفسه علی روائع جابر بن حیان“ (اشع من حیاة الصادق - ص ۳۶) اس عرب دانشور جابر بن حیان کی کتابیں لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئیں تاکہ ان تک رسائی ہو سکے اور انگریز کیما دان بریستلی نے عربی زبان سیکھی تاکہ وہ جابر بن حیان کے کارناموں کو خود مطالعہ کر سکے۔

(۶) علامہ خیر الدین زرکلی نے امام صادق علیہ السلام پر گفتگو کرنے کے بعد لکھا ہے کہ : ”وصنف تلمینہ جابر بن حیان کتابا فی الف ورقہ یتضمن رسائل الامام جعفر الصادق وہی خمسہ رسالہ“ (الاعلام ۱/۱۸۶) اور آپ کے شاگرد جابر بن حیان نے ایک ہزار صفحے کی

کتاب لکھی ہے جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ سو رسائل شامل ہیں۔

(۷) ڈونالڈ سن نے لکھا ہے کہ : جابر بن حیان امام صادق کا شاگرد تھا تاریخ ادب (ہوارٹ) میں یہی لکھا ہے نیز یہ کہ جابر بن حیان نے اپنے استاد امام جعفر صادق علیہ السلام کے عمل کیا پر دو ہزار صفحے لکھے ہیں۔ (حیاء الصادق للسیبیتی ص ۲۹)

(۸) عبد اللہ بن اسعد الیافعی جو مشہور صوفی، مورخ اور عالم گزرے ہیں اپنی کتاب میں امام صادق کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ”قد الف تلمیذہ جابر بن حیان الصوفی کتابا یشتمل علی الف ورقہ ینضمن رسائلہ وہی خمس مائہ رسالہ“ (مرآۃ الجنان ۱/ ۳۰۴) ان کے شاگرد جابر بن حیان نے آپ کے رسائل پر مشتمل ایک کتاب ہزار صفحے کی تالیف کی اس میں آپ کے پانچ سو رسائل جمع ہیں۔

(۹) ہالینڈ کا سائنس دان فانڈیک کہتا ہے : جابر عرب کا مشہور ترین کیمیاء دان ہے اس نے امام صادق کی شاگردی اختیار کی تھی۔ (اشع من حیاء الصادق ص ۳۹)

(۱۰) محمد فرید وجدی جیسے عالم اجل نے لکھا ہے کہ ”ولہ مقالات فی صناعہ الکیمیاء وکان تلمیذہ ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی فی الطرسوسی قد الف کتابا یشتمل علی الف ورقہ یتضمن رسائل جعفر وہی خمس مائہ رسالہ“ صنعت کیمیاء میں بھی آپ کے رسائل ہیں اور آپ کے شاگرد ابو موسیٰ جابر بن حیان الطرسوسی نے ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب لکھی جس میں آپ کے

پانچ سو رسائل جمع ہیں۔ (دائرة معارف القرآن الرابع عشر ۱۱۰/۳)

(۱۱) یوسف یعقوب مسکونی نے لکھا ہے : ”ہذا الامام الذی اشتہر علاوة علی دینہ و تقواه بامور صناعہ الکیمیاء فکان مثالا لامام“ (الامام الصادق معلم الکیمیاء ص ۴۰) یہ وہ امام ہیں کہ جو اپنے دین اور تقویٰ کے علاوہ فن کیمیاء میں بھی مشہور ہیں آپ امام کے لئے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۲) مشہور مصری عالم و فقیہ ابو زہرہ نے اس مسئلے پر طویل بحث کی ہے اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں : ”ان الامام الصادق کان یلم بالعلوم الکونیہ و الطبیعیہ لانہ کان یحکم علیہا۔۔۔ ای رسائل جابر۔۔۔ بالصّدق احیاناً و بالغموض احیاناً۔ وان ذلک بلاریب تصرف العارف بموضوعها و لیس بتصرف الجاهل بغموضها“ (الامام الصادق لابو زہرہ ص ۱۰۲) یعنی امام صادق علوم کونیہ و طبیعیہ کو بھی گہرائی تک جانتے تھے کیونکہ وہ جابر کے رسائل پر حکم لگاتے تھے کبھی تصدیق کرتے اور کبھی پڑھتے ہوئے خاموش آگے گزر جاتے۔ بلاشبہ یہ ایک ایسے شخص کا تصرف ہوتا جو موضوع سے کماحقہ واقف ہو اور آپ کی خاموشی جاہل کی خاموشی نہ ہوتی جو اس کے اسرار و غموض کو جانتا ہی نہ ہو۔

ان حوالوں سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ جابر بن حیان امام صادق علیہ السلام کے شاگرد اور ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے فن کیمیاء میں آپ امام سمجھے جاتے تھے اور یہ سب امام صادق علیہ السلام کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ جابر نے بے پناہ لکھا۔ تین ہزار نو سو کتابیں ان سے منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے کیماوی اجزاء

کی دریافت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ ہم سر دست اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتے خدا نے توفیق دی تو کم از کم سو صفحے کی کتاب جابر اور ان کے کارناموں پر لکھیں گے۔ اب ہم جابر کے بارے میں ابن ندیم و راق کا مقالہ بعینہ پیش کرتے ہیں۔

ابن ندیم لکھتا ہے کہ۔

ابو عبد اللہ جابر حیان بن عبد اللہ کو فی معروف بہ صوفی ہیں ان کے بارے میں لوگوں کی آراء مختلف ہیں۔ شیعہ اس کو اپنے اکابر اور ابواب میں سے گردانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ جعفر صادق کا صحبت یافتہ تھا اور کوفے کا باشندہ تھا۔

فلاسفہ کا ایک گروہ اس کو اپنی جماعت کا فرد قرار دیتا ہے اور منطق و فلسفے سے متعلق کتب کا اسے مصنف قرار دیتا ہے، سونا چاندی بنانے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ اپنے زمانے میں یہ شخص اپنے فن کا امام تھا۔ مزید تفصیلات پردہ خفاء میں ہیں کہتے ہیں حکومت کے دُور سے یہ ہمیشہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتا رہتا تھا اور کسی جگہ مستقل قیام نہ کرتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ برا مکہ سے تعلق رکھتا تھا۔ انہیں کے ساتھ وابستہ تھا نیز یہ کہ جعفر بن یحییٰ سے اسے خصوصی تعلق تھا۔ جو لوگ اس نظریے کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ جب اپنے آقا جعفر کا ذکر کرتا تھا تو اس سے جعفر برکی مراد ہوتا تھا مگر شیعہ علماء کے نزدیک اس سے مراد امام جعفر صادق ہوتے ہیں۔

صنعت کیمیاء کے ایک ماہر و ثقہ آدمی نے مجھے بتایا کہ یہ شارع باب الشام کے ایک کوچے میں آکر قیام کرتا تھا جو ”درب الذہب“ کے نام سے مشہور تھا اس شخص نے مجھے بتایا کہ اکسیر سازی میں کامیابی کے لئے کوفی کی آب و ہوا

چونکہ مناسب تھی اس لئے جابر زیادہ تر کوفے میں اکسیر بنانے میں مصروف رہتا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ کوفہ کی ایک مستطیل عمارت کو دیکھا گیا تو وہاں سے دو سو رطل کے وزن کا ایک ہاون ملا۔ اسی شخص کا بیان ہے کہ جابر بن حیان کا گھر اسی جگہ تھا اور یہاں سے ہاون کے علاوہ اور کوئی شے نہیں ملی اور جابر نے یہاں ایک اور مقام تحلیل و تعقید کے لئے بنا رکھا تھا (Analization and composition) یہ واقعہ عزالدولہ بن معز الدولہ کے عہد کا ہے۔ مجھے خود ابو سبکینگین ستاردار نے بتایا کہ وہ اس کوچہ میں گیا اور ہاون لے لیا۔ اہل علم اور اکابر و راقین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس شخص یعنی جابر کا کوئی وجود نہیں۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ واقعاً اگر اس کا کوئی وجود تھا تو کتاب الرحمہ کے سوا اس کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ یہ کتابیں دوسرے لوگوں کی تصنیفات ہیں جو انہوں نے اس کی طرف منسوب کر دیں۔

میں (ابن ندیم) کہتا ہوں کہ ایک فاضل شخص تصنیف و تالیف کی غرض سے بیٹھتا ہے، محنت کرتا ہے اور تقریباً دو ہزار صفحے کی کتاب معرض وجود میں لے آتا ہے جس کی ترتیب و تدوین اس نے اپنے ذہن و فکر کو تھکا دیا ہے اور جسم و ہاتھ کو انتہائی مشقت میں ڈالا ہے کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ یہ شخص اپنی اس محنت کو زندہ یا مردہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کر دے ایسا فرض کرنا سراسر جہالت ہے جس کی کسی بھی ایسے شخص سے توقع نہیں ہو سکتی جو ایک ساعت کے لئے بھی زیور علم سے آراستہ ہو۔ آخر اس کو اس حرکت سے کیا فائدہ اور حاصل؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص موجود ہے اس کی سرگرمیاں ظاہر اور آشکار ہیں

اس کی تصانیف اہمیت و عظمت کی حامل اور کثیر ہیں۔ مذاہب شیعہ کے بارے میں بھی اس نے کتابیں تصنیف کیں جن کا ذکر میں (ابن ندیم) نے مناسب مقام پر کیا ہے دیگر مختلف علوم سے متعلق بھی اس نے کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ کتاب کے اصل مقام پر کیا جا چکا ہے۔ کہتے ہیں یہ خراسانی الاصل ہے۔ رازی اپنی ان تصانیف میں جو فن کیمیاء کے موضوع پر ہیں ان کا تذکرہ ان الفاظ سے کرتا ہے۔ ہمارے استاد ابو موسیٰ جابر بن حیان اس طرح فرماتے ہیں۔

اس کے تلامذہ

خرقی مدینہ میں سکھ خرقی اسی کی طرف منسوب ہے ابن عیاض مصری اور اغمشی۔

ان الفاظ کے بعد ابن ندیم نے جابر کی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے خود دیکھیں یا قابل اعتماد لوگوں نے دیکھیں اور انہیں بتائیں ہم خوف طوالت سے اس فہرست کو ترک کرتے ہیں۔ جابر بن حیان کی شخصیت پر علیحدہ کتاب میں ان پر بحث کریں گے۔ (ابن ندیم ص ۲۳-۸۲)



حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حکمران وقت

”قال الامام الصادق : اوصيكم بتقوى الله واجتناب معاصيه واداء الامانه لمن ائتمنكم و حسن الصحابه لمن صحبتموه وان تكونوا النادعاء صامتين“

”امام جعفر صادقؑ نے فرمایا : میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے اور اس کو امانت لوٹانے جو تمہارے پاس امانت رکھوائے اور جو تمہاری صحبت اختیار کرے اس سے اچھی صحبت اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں تمہیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ ہمارے خاموش مبلغ بنو۔“

امام ہادی ہوتا ہے، راہنما ہوتا ہے، وہ لوگوں کو ظلمت کدو سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت گاہوں میں لانے والا ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن کی قرات ٹھیک کرنے اور محض نماز پڑھانے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اتباع رسولؐ میں وہی فرائض انجام دے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انجام دیتے تھے یعنی تلاوت آیات کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس۔ ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے نبی اور امام دونوں کی ذات ایک ہمہ گیر معلم کی بن جاتی ہے اور کیونکہ سیاست بھی ہمارے معاشرے کی ایک اہم خصوصیت ہے اس لئے ہمیں اس میدان میں صحیح روش اختیار کرنے کے لئے سیاسی معاملات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روش کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

امام جعفر صادقؑ اموی عہد میں

یوں تو اموی دور حکومت کی ابتداء حضرت عثمانؓ کے عہد سے ہوتی ہے اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ انہیں کے عہد میں بنو امیہ کو بساط اسلام پر اپنا کھیل کھیلنے کا نہ صرف یہ کہ موقع ملا بلکہ بنو امیہ نے انہیں کے عہد میں اپنی جڑیں مضبوط کیں اور گویا شجر اسلام کو اکھاڑ کے اسی زمین میں اپنا درخت لگا دیا۔ حضرت عثمانؓ نے جس طرح عمر رسیدہ صحابہ کو معزول کر کے بنو امیہ کے نو عمر لڑکوں کو حاکم بنایا وہ تاریخ اسلام کا ایک ناپسندیدہ باب ہے، بہر حال واقعات پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پابند نہیں۔ جو ہوا وہ غیر دانستہ طور پر نہیں بلکہ دانستہ طور پر ہوا۔ ہمیں سردست اس کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں لیکن ذیل میں ہم آل ابوسفیان سے اقتدار کی بحکم (یعنی بنو مروان) کو منتقلی پر بحیثیت پس منظر کے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

آل ابوسفیان سے آل مروان کو اقتدار کی منتقلی

یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کا اقتدار ۶۸ھ میں ختم ہو گیا گویا ظلم و بربریت کی سیاہ رات میں ذرا سی دیر کے لئے سپید صبح نمودار ہوا کیونکہ اس کا بیٹا معاویہ بن یزید بن معاویہ سریر آرائے سلطنت ہوا لیکن وہ زیادہ عرصے حکمران نہ رہا اور حکومت چھوڑ کے علیحدہ ہو گیا۔

معاویہ بن یزید بن معاویہ کی کنیت ابو عبد الرحمن، ابو یزید اور ابو لیلیٰ تھی یہ اپنے ملعون باپ کے بعد ربیع الاول ۶۸ھ میں تخت پر بیٹھا۔ تذکرہ نگاروں، مؤرخوں اور علماء کے نزدیک وہ ایک صالح نوجوان تھا اس کی مدت خلافت صرف

چالیس دن تھی۔ وہ اقتدار میں آیا تو اس نے ایک خطبہ دیا جس کے الفاظ ہم مشہور
محدث ابن حجر مکی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں :

”ان هذه الخلافة حبل الله وان جدی معاویہ نازع
الامر اهلہ ومن هو احق به منه علی بن ابی طالب
(علیہ السلام) و رکب بکم ما تعلمون حتی اتيه
منيته فصار فی قبره رھینا بذنوبه ثم قلد ابی
الامر و کان غیر اهل له و نازع ابن بنت رسول الله
(صلی الله علیہ و آلہ وسلم) فقصف عمره و ابتتر
عقبه و صار فی قبره رھینا بذنوبه۔۔۔ ثم بکی و
قال : ان من اعظم الامور علینا علمنا بسوء
مصرعه و بس منقلبه و قد قتل عترۃ رسول الله
(صلی الله علیہ و آلہ وسلم) و اباح الخمر و خرب
الکعبۃ و لم اذق حلاوة الخلافة فلا اتقلد مرارتھا
فشانکم امرکم و الله لان کانت الدنیا خیر افقدنلنا
منھا حظا و لان کانت شر افکفی ذریہ ابی سفیان
ما اصابوا منها“۔۔۔ ۲۵۲

”بے شک یہ خلافت اللہ کی رسی ہے اور بے شک میرے دادا معاویہ
نے اس امر کے بارے میں اس کے اہل سے جھگڑا کیا اور جو شخص
خلافت کا اس سے زیادہ اہل تھا وہ ذات علی بن ابی طالب (علیہ السلام)
کی تھی اور تم پر وہ جس طرح مسلط ہوا وہ تمہیں معلوم ہی ہے یہاں تک

کہ اس کو موت آگئی اور وہ اپنے گناہوں کا اسیر ہو کر اپنی قبر میں چلا گیا۔ پھر میرے باپ نے خلافت کے قلاوے کو پہن لیا حالانکہ وہ بھی اس کا اہل نہ تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کی عاقبت ایتر ہو گئی اور وہ بھی اپنے گناہوں کا بوجھ لئے اپنے قبر میں چلا گیا۔ پھر معاویہ بن یزید رونے لگا اور کہا۔ جو بات ہمارے لئے سب سے بڑھ کر ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس کے انجام بد اور بری حالت میں اللہ کی طرف پلٹنے کو جانتے ہیں۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کو قتل کیا، شراب کو جائز قرار دیا اور کعبے کو خراب کیا۔ لیکن میں نے اس خلافت کی مٹھاس نہیں چکھی اور نہ ہی اس رسی کو اپنے گلے میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ پس تم لوگ جو چاہو کرو۔ قسم بخدا اگر دنیا داری میں کوئی بھلائی نہ تھی تو ہم نے اس میں سے اپنا حصہ پالیا اور اگر یہ سراسر برائی تھی تو اولاد ابو سفیان کو جتنی یہ مل چکی وہی کافی ہے۔“

اس خطبے کے بعد وہ لوگوں سے کبھی نہ ملا اور نہ ہی اس نے کوئی کام کیا نہ ہی وہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ اس کا انتقال ۲۱ سال کی عمر میں اور بعض مؤرخین کے مطابق ۲۳ سال کی عمر میں ہوا۔ دمشق میں باب الصغیر کے مقابر میں اسے دفن کیا گیا۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب اس کا وقت وفات قریب آیا تو اس سے لوگوں نے کہا کیا تم کوئی وصیت کرنا پسند کرو گے؟ معاویہ بن یزید نے جواباً کہا کہ میں اس رسی کو اپنی زاد راہ قرار نہیں دیتا اور اس کا پھندا ہوا میہ کے لئے چھوڑتا ہوں۔ جب اسے دفن کرنے لگے تو مروان وہاں پہنچ گیا اور کہا کیا تم جانتے

ہو کہ تم کسے دفن کر رہے ہو، لوگوں نے کہا ہاں معاویہ بن یزید کو ہم دفن کر رہے ہیں۔ مروان نے یہ سن کر کہا یہ وہی ابو لیلیٰ ہے جس کے بارے میں الفراری کہتا ہے۔

انی اری فتنہ تغلی مراجلہا
والملک بعد ابی لیلیٰ لمن غلبا
”میں ایک فتنہ دیکھ رہا ہوں جیسے دیگ کا ابال اور ابو لیلیٰ کے بعد حکومت تو اس کی ہوگی جو غلبہ پالے گا۔“

گویا یہ شعر بڑھ کر مروان نہ صرف آنے والے فتنوں کی نشاندہی کر رہا تھا بلکہ اپنے غلبے کے لئے اپنی کوششوں کی طرف بھی اشارہ کر رہا تھا چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ مروان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور خلافت اس کی طرف منتقل ہو گئی۔ یہ بہت پر آشوب عہد تھا۔ ہر طرف فتنہ و فساد، تعصب و نفرت پھیلی ہوئی تھی اور جنگ کے شعلے ہر سمت بھڑک رہے تھے۔ مروان نے حکومت تو حاصل کر لی لیکن وہ زیادہ عرصے حکمران نہ رہ سکا اور سن ۶۵ھ میں اس کی بیوی ام خالدہ بن یزید نے اسے قتل کر دیا اس کا شمار ان لوگوں میں ہو تا ہے جو عورتوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

مروان کے بعد اس کے بیٹے عبد الملک بن مروان نے زمام حکومت سنبھالی۔ حالات بہت دگرگوں تھے، ہر طرف بنو امیہ کی بد اعمالیوں کی وجہ سے فتنہ و فساد اور چھوٹی بڑی بغاوتیں موجود تھیں۔ عبد اللہ بن زبیر کا خروج، مختار بن ابوعبیدہ ثقفی نے خون امام حسین علیہ السلام کا بدلہ اسی کے عہد میں لیا۔ لیکن عبد الملک تاریخ کے جابر ترین اور سفاک حکمران کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جس کی تلوار سے

خون ٹپکتا رہتا تھا اور ”گردن مار دو“ جس کا نکیہ کلام تھا۔ اسی کے عہد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ وہ عہد تھا کہ قسی القلب حکمران مسلمانوں پر مسلط تھے۔ فساد کے داعی ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، راہبران جوہر کی حکومت تھی اور وہ لوگ سریر آرائے سلطنت تھے جو اپنے رہبروں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انسانی لاشیں تحفتا بھیجتے تھے۔ الامان من اللہ الحفیظ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی نشوونما اپنے دادا امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام کی آغوش تربیت میں ہوئی جن کا سایہ قریباً ۱۲ سال تک آپ کے سر پر رہا یا بعض روایات کی بناء پر ۱۵ سال تک آپ اپنے جد نادر کے فیوض سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے انتقال کے بعد آپ کی تربیت امام محمد باقر علیہ السلام نے کی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس ماحول میں پرورش پائی وہ اہل بیت اور دوستداران اہل بیت علیہم السلام کے لئے انتہائی سخت عہد شمار ہوتا ہے جس میں نہ انسانوں کی حرمت باقی تھی نہ دین کی کوئی قدر و قیمت تھی نہ عوام کی کوئی شنوائی تھی بلکہ صرف اور صرف شخصی قانون چلتا تھا۔ یہ عہد حضرت علی علیہ السلام پر منبروں سے سب و شتم کا عہد تھا اور اہل بیت علیہم السلام ان تمام نا انصافیوں کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کر رہے تھے۔

اسی عہد میں جناب زید بن علی یعنی آپ کے چچا نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا اور انتہائی بے دردی سے شہید کئے گئے۔ امام صادق علیہ السلام نے شہادت کی خبر سنی تو آپ کے قاتلوں پر لعنت کی۔ اس خروج نے اہل بیت پر عرصہ حیات تنگ کرنے میں واضح کردار ادا کیا۔ اور اسی کے بعد ہشام نے حکم دیا

کہ اہل بیت پر زندگی دشوار اور جیلوں کو ان سے بھردیا جائے۔ ہوا داران اہل بیت پر اس کے ظلم و تشدد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے مورثر یوسف بن عمر الشافعی کو حکم دیا کہ جناب زید کا مریض لکھنے والے شاعر کیت بن زیاد کی زبان اور ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اسی طرح اس الزام کے تحت کہ اہل مدینہ زید بن علی کی طرف میلان رکھتے ہیں ان کا وظیفہ بند کردیا۔ نیز ظلم و جور کے ذریعے آل ابی طالب کو مجبور کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ جناب زید بن علی سے برات کا اظہار کریں۔ جناب زید کے خروج کے بعد ان کے قاتلوں پر ائمہ علیم السلام کی لعنت مختلف کتابوں میں ملتی ہے لیکن کیا جناب زید کو بخروج کے سلسلے میں ائمہ علیم السلام کی تائید حاصل تھی؟ یا مجموعی طور پر جناب زید کے رویے کی ائمہ علیم السلام نے کس حد تک تائید کی؟ یہ ایک متنازع بحث ہے جسے ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن یہ بات درست ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت کو سب سے زیادہ نقصان جناب زید کے خروج کے بعد پہنچایا گیا۔

ان تمام سختیوں کے باوجود اہل بیت کی دعوت و ارشاد جاری رہا اور اندر ہی اندر بنو امیہ کے خلاف ان کی ناشائستہ اور بے تکی حرکتوں کی وجہ سے مواد پکٹا رہا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جو مدرسہ قائم کیا تھا، وہ عالم اسلام کے مختلف اطراف و اکناف کو بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر متاثر کر رہا تھا۔ طے شدہ بات ہے کہ خواص کا متاثر ہونا عوام کے متاثر ہونے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ خواص ہی عوام کا مزاج بناتے اور بدلتے ہیں۔ جو شخص بھی امام علیہ السلام کے حلقہ درس میں آتا تھا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور جیسا کہ آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ امام علیہ السلام نے اپنے حلقہ درس سے کیسے کیسے اکابر کو متاثر کیا اور وہ کس طرح امام کی خوشہ

چینی کرتے رہے۔ حالات و واقعات یہ بتاتے ہیں کہ واقعہ کربلا اور پھر جناب زید بن علیؑ کے خروج کے بعد ائمہؑ نے اس بات کو پوری طرح محسوس کیا کہ بنو امیہ کے ظلم و جبر اور قوت و استبداد کے آگے عوام ہماری حمایت نہیں کر سکتے لہذا علمی و تبلیغی جہاد کا راستہ اپنایا گیا۔ تلواریں لوگوں کو خوف زدہ و ہراساں تو کر سکتی ہیں لوگوں کے قلوب کو موثر نہیں سکتیں اور جس حمایت کی بنیاد قلب کی بجائے خوف و ہراس پر ہو وہ کبھی پائیدار نہیں ہوتی لہذا امام صادق علیہ السلام نے مسند علم و ارشاد کو زینت بخشی اور اپنے گھر ہی میں اسلامی یونیورسٹی قائم کر کے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے کی راہ اپنائی اور تاریخ شاہد ہے کہ اس حکمت عملی میں آپ کامیاب بھی ہوئے اور بنو امیہ کا تخت جلد ہی الٹ گیا۔ امام صادق علیہ السلام کیونکہ زیادہ تر مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے لہذا اہم اموی عہد کے ان گورنروں کا ذکر مختصراً کریں گے جو مدینہ پر یکے بعد دیگرے امام صادقؑ کے عہد میں مسلط کئے گئے۔

(۱) ہشام بن اسماعیل

اس کا پورا نام ہشام بن اسماعیل بن ولید المخزومی ہے اس کا انتقال ۸۸ھ میں ہوا۔ عبد الملک بن مروان نے اسے ۸۲ھ میں مدینہ کا والی بنایا۔ یہ اہل بیت علیہم السلام سے شدید بغض رکھتا تھا اور امام زین العابدین علیہ السلام کو اذیتیں دیتا تھا۔ جب عبد الملک نے اپنے بعد اپنے بیٹے ولید اور سلیمان کے لئے بیعت لینی چاہی تو مشہور فقیہ سعید بن المسیب نے انکار کر دیا۔ اس پاداش میں ہشام نے انہیں ساٹھ کوڑے مارے اور بالوں کا لباس پہنا کر اونٹ پر بٹھا کر

پورے مدینے میں پھرایا۔ یہ واقعہ ۸۵ھ کا ہے۔ جب عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے اس فعل پر اس کی مذمت کی لیکن ہشام نے کہا : اس پر لازم ہے کہ بیعت کرے ورنہ میں اس کی گردن اتار دوں گا اور قصہ پاک کردوں گا۔ ۳۵۴ھ سن ۸۷ھ میں ولید بن عبدالملک نے اسے معزول کر کے دار مروان کا داروغہ بنادیا کیونکہ اس نے اہل مدینہ پر ظلم کئے تھے۔ ۳۵۵ھ۔ یہ دروازے پر کھڑا رہتا تھا اور اپنے گزشتہ مظالم کی وجہ سے لوگوں سے ڈرتا تھا۔ اس نے اپنے عہد میں امام زین العابدین علیہ السلام کو سب سے زیادہ ستایا تھا لہذا سب سے زیادہ انہیں سے ڈرتا تھا لیکن امامؑ نے اپنے ہواداروں کو منع کر رکھا تھا کہ اسے ایک جملہ بھی نہ کہیں۔ چنانچہ جب امامؑ اس کے سامنے سے گزرتے تو یہ آیت پڑھتا : ”اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔“ ۳۵۶ھ۔

(۲) عمر بن عبدالعزیز

یہ حبان اہل بیت میں سے خدا ترس، متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ ۸۷ھ میں ان کا تقرر ہوا اور ۹۳ھ تک مدینہ کے گورنر رہے۔ لیکن ولید نے اس بناء پر کہ انہوں نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی تھی گورنری سے معزول کر دیا چنانچہ حجاج ہی کے مشورے پر خالد بن عبداللہ القسری کو مکہ کا اور عثمان بن حیان کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا۔ عمر بن عبدالعزیز ہی نے فدک اہل بیتؑ کو واپس کیا اور حضرت علیؑ پر تبراء بند کروائی۔

(۳) ولید اور بغض اہل بیتؑ

ولید کے ہی حکم پر ۸۸ھ میں عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبویؐ کی توسیع کروائی

بظاہر یہ اقدام مسلمانوں کے لئے دل خوش کن تھا لیکن اسکا پس منظر ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے آپ کو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ولید بغض اہل بیت میں کس قدر بڑھ کے تھا۔ ہوا یوں کہ ولید حج کر کے نکلا تو مدینہ گیا اور وہاں اسکا گزر مسجد نبوی پر ہوا۔ پس یہ مسجد میں چلا گیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک گھر بنا ہوا ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر کہا : یہ گھر یہاں کیوں بنا ہوا ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا گھر ہے جسے رسول اکرمؐ نے باقی رکھا تھا جب کہ دیگر صحابہ کے گھر بند کرادیئے تھے۔ ولید نے یہ سن کر کہا : ایسا شخص جس پر ہم ہر جمعے کو منبروں سے لعنت بھیجتے ہیں (یعنی حضرت علیؑ) پھر اسکا دروازہ مسجد نبوی میں کھلا رکھیں یہ تو عجیب بات ہے۔ اے غلام اسے ڈھا دو۔ اسے مشورہ دیا گیا کہ ایسا نہ کریں جب تک کہ شام نہ پہنچ جائیں۔ شام پہنچنے کے بعد آپ مساجد کی توسیع کا فرمان جاری کیجئے اور دمشق میں بھی ایک مسجد کی تعمیر شروع کیجئے اور اس طرح مسجد نبوی کی توسیع میں حضرت علیؑ کا گھر بھی شامل کر لیجئے۔ چنانچہ اس رائے کو قبول کیا گیا اور یوں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بہانے حضرت علیؑ کا گھر جس کو باقی رکھنے کا آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا منہدم کر دیا گیا۔ ۳۵۷۔ ولید کا تعلق خاندان امیہ سے تھا لہذا اس نے حضرت عثمان کا گھر منہدم نہیں کروایا لیکن جب بنو عباس کو اقتدار ملا تو منصور کے زمانے میں حسن بن زید نے حضرت عثمان کا گھر بھی گرا دینے کی کوشش کی لیکن منصور نے اسے ڈانٹ دیا۔ ۳۵۸۔

توسیع مساجد کے بارے میں ولید نے انتہائی شدت کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے ارد گرد جو گھر ہیں انہیں خرید لیا جائے اور جو اپنا گھر بیچنے پر راضی نہ ہو اس کا گھر اسی پر گرا دیا جائے۔ ۳۵۹۔

اہل مدینہ مسجد نبوی کا اس طرح انہدام یزداشت نہ کر سکتے تھے چنانچہ کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ کے دس فقہاء نے اس کے خلاف شور بھی مچایا اور عمر بن عبدالعزیز نے ولید کو ان فقہاء کے فتوے سے آگاہ بھی کیا لیکن ولید نہیں مانا اور جس وقت مسجد کو منہدم کیا جا رہا تھا مدینہ کے اکابر و بنو ہاشم اسی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے جس طرح وہ آنحضرتؐ کے وصال کے روز روئے تھے۔ ۳۶۰۔ تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مدینے کے کسی مزدور نے مسجد نبویؐ کو منہدم کرنے کی جرات نہیں کی لہذا اسے روم اور قبط سے چالیس چالیس مزدور منگوائے پڑے۔ ۳۶۱۔

(۴) عثمان بن حیان

عثمان بن حیان المری مولیٰ ام الدرداء یا پھر مولیٰ عتبہ بن سفیان ہے۔ یہ بہت ظالم و جابر آدمی تھا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ علماء جو مدینہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مصروف تھے ان کے اوپر چند افراد کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان علماء کو مارا پیٹا۔ جیسا کہ امام مالک بن انس نے کہا ہے۔ ۳۶۲۔ اس نے ان عراقیوں کو جو مدینہ میں ہجرت کر کے آباد ہوئے تھے اور لوگوں کو حجاج بن یوسف کی سنگری بتاتے تھے مدینہ سے نکال دیا اور ان کو پناہ دینے والوں کو ڈرایا دھمکایا اور کہا کہ جو لوگ شیعین آل ابی طالب پائے گئے ان کے گھر ڈھادیئے جائیں گے اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جس کے وہ اہل ہیں۔ ۳۶۳۔

(۵) ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزم المتوفی ۱۲۱ھ

ابن القیسرانی نے اس کا پورا شجرہ یوں دیا ہے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم بن زید بن لؤذان بن حارث بن محمد بن زید بن خلہ بن زید بن مناة بن مالک بن جشم بن الحزرج۔ ۳۶۴۔ یہ سلیمان اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قاضی مدینہ تھا عثمان بن حیان نے اسے قید کر کے پڑانا جاہا لیکن سلیمان کا حکم پہلے پہنچ گیا جس کی رو سے عثمان کو معزول اور ابو بکر کو گورنر بنا دیا گیا۔ تواریخ میں یہ بھی ہے کہ وہ ابو بکر بن محمد کی داڑھی اور سرمندوانا چاہتا تھا۔ ابو بکر ۹۶ھ سے ۱۰۱ھ تک مدینے کا گورنر رہا۔ پھر زید نے اسے معزول کر کے عبدالرحمن بن ضحاک الفہری کو گورنر بنا دیا اب ابو بکر پر سختیاں ہونے لگیں اور شدید عذاب سے گزرنا پڑا۔ ان کا شمار صحاح ستہ کے رجال میں ہوتا ہے بخاری اور مسلم نے ان سے روایت کی ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رجال صحیح بخاری ج ۲۔ ص ۸۲۶، الکلاباذی و رجال صحیح مسلم ج ۱۔ ص ۱۰۵ ابن منجیہ الاصفہانی، التقریب ۲/۳۹۹، التہذیب ۱۳/۳۸، الکاشف ۳/۷۷، التہذیب ط قاہرہ و مشاہیر علماء الامصار لابن حبان ص ۷۶ ط بیروت) واقدی نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا اس وقت ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔ ۳۶۵

(۶) عبدالرحمن بن ضحاک بن قیس الفہری

یہ ۱۰۱ھ میں مدینے کا گورنر بنایا زید بن عبدالملک نے ابو بکر بن حزم کی جگہ اسے گورنر بنایا۔ پھر ۱۰۴ھ میں اسے معزول کر کے عبدالواحد بن عبداللہ بن بشر الفہری کو حاکم بنایا اور اسے حکم دیا کہ عبدالرحمن کو خوب عذاب دے اور اسے کوڑے

مارے اور ایک ہزار دینار جرمانہ کر دے۔ عبدالواحد نے یہ سب کچھ کیا اور اس کا تمام مال ضبط کر لیا یہاں تک کہ صوف کے ایک جے کے سوا اس کے پاس کچھ نہ رہا اور وہ لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔ اس نے جو سلوک ابو بکر کے ساتھ کیا تھا وہی اس کے ساتھ عبدالواحد نے بھی کیا اور ابو بکر کو بھی نہ چھوڑا اس پر لوگ اس سے خفا ہو گئے اور بعض شعراء نے اس کی بھوکھی ۳۶۶۔

(۷) عبدالواحد النفری

عبدالواحد بن عبداللہ بن بسر النفری یہ مکہ، مدینہ اور طائف کا والی ۱۰۴ھ میں بنا۔ اور ہشام بن عبدالملک نے اسے ۱۰۶ھ میں معزول کر دیا اور اس کی جگہ ابراہیم المخزومی کو گورنر بنایا۔ یہ اہل مدینہ کے نزدیک نیک سیرت تھا اور اپنا ہر کام مشہور عالم قاسم بن محمد بن ابی بکر سے پوچھ کے کرتا تھا۔

(۸) ابراہیم بن ہشام

ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل الخزومی کو ہشام بن عبدالملک نے مکہ، مدینہ اور طائف کا والی بنایا وہ ہشام کا خالو تھا۔ ۱۰۶ھ سے ۱۱۳ھ تک گورنر رہا۔ جب اس نے لوگوں کے ساتھ ۱۱۰ھ میں حج کیا تو وہاں خطبہ دیتے ہوئے کہا: ”جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھ لو کیونکہ پوچھنے کے لئے تمہیں مجھ سے بڑھ کر عالم نہ ملے گا۔“ یہ سن کر ایک عراقی کھڑا ہوا اور پوچھا زیچہ واجب ہے یا نہیں؟ ابراہیم اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

(۹) خالد بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم بن ابی العاص

یہ ۱۱۳ھ میں مدینہ کا گورنر بنا اور ۱۱۸ھ تک گورنر رہا پھر اس کے بعد ابراہیم

بن ہشام کے بھائی محمد بن ہشام کو گورنر بنایا گیا۔ خالد بن عبد الملک منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علیؓ کی شخصیت و کردار پر حملے کیا کرتا تھا ایک روز داؤد بن قیس کھڑا ہوا اور اس نے اس پر حملہ کر کے اس کی دونوں رانوں کو زخمی کر دیا اور کہتا جاتا تھا : تو نے جھوٹ بولا، تو نے جھوٹ بولا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔ ۳۶۷ھ

(۱۰) محمد بن ہشام بن اسماعیل الحزمی

یہ بھی ہشام کا خالو تھا۔ یہ ۳۱۸ھ سے ۳۲۵ھ تک مدینہ کا والی رہا پھر اسے ولید فاسق نے معزول کر کے اپنے خالو یوسف بن محمد بن یوسف الشقفی کو والی مدینہ بنایا اور مکہ و طائف بھی اس کے سپرد کر دیا۔ ولید نے ابراہیم اور محمد دونوں بھائیوں پر بہت ظلم ڈھائے اور انہیں جیل میں بند کر دیا بعد ازاں ان دونوں کو یوسف بن محمد کے حوالے کیا پھر ان کو عامل عراق یوسف بن عمر کے پاس بھیجا۔ اس نے ان دونوں بھائیوں پر بہت ظلم کئے یہاں تک کہ دونوں مر گئے۔ ۳۶۸ھ

(۱۱) یوسف بن محمد بن یوسف الشقفی

یہ مشہور ظالم و جابر حجاج بن یوسف کا بھتیجا اور ولید فاسق کا خالو تھا۔ یہ ۳۲۵ھ میں حاکم مدینہ ہوا اور ۳۶۱ھ تک رہا اس دوران پورا حجاز اس کا زیر نگین تھا۔ یزید بن ولید نے بھی اسے باقی رکھا پھر اسے معزول کر کے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز کو حاکم بنایا جو ۳۶۹ھ تک والی رہا پھر اسے مروان الحمار نے معزول کر کے عبدالواحد بن سلیمان بن عبد الملک بن مروان کو حاکم بنایا وہ اموی گورنروں میں حجاز کا آخری گورنر تھا۔

محمد بنو امیہ و بنو عباس میں خاندان اہل بیت میں سے جن افراد نے شہرِ کربلا
 ان سب کو محض ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ان میں سے اہم ترین واقعات میں جناب زید
 بن علی کا واقعہ، جناب یحییٰ بن زیدؑ، جناب عیسیٰ بن زیدؑ المعروف موسیٰ بن النضرؑ،
 حسین بن زیدؑ، محمد بن عبد اللہ بن الحسن المثنیٰ المعروف بہ نفس زکیہؑ، قتلِ محمد
 ابراہیم پسرانِ عبد اللہ، داؤد بن الحسن بن الحسن کی شہادت وغیرہ اہم ہیں۔ ان تمام
 واقعات کے بارے میں امام صادق علیہ السلام کا طرزِ عمل کیسا تھا؟ اس کا جواب
 معتبر تواریخ سے تفصیلاً ممکن نہیں جو کچھ مختلف ماخذ سے منقول ہے ان میں سے
 بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ جن کی وثاقت پر بہت کچھ نقد و جرح کی گنجائش ہے
 بس ایک بات جس سے مجالِ انکار کسی کو نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ امام صادق علیہ
 السلام نے ان مہموں میں شرکت نہیں کی اور نہ ہی اپنے اصحاب کو ان کی نصرت پر
 آمادہ کیا لیکن اس عہد میں ان بڑے واقعات کے علاوہ بنو حسن اور اولادِ رسولؐ پر
 جو مظالم توڑے گئے ان سے امام کو دکھ نہ پہنچا ہو یہ امر گمان سے بالا ہے۔ بنو حسن
 پر خاص طور پر جو مظالم ہوئے ان کے تذکرے سے تمام معتبر تواریخ کا دامن سرخ
 ہے اور ان کا تذکرہ باعثِ طوالت۔ لیکن اس کا ایک نمونہ ہم آپ کی خدمت میں
 پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اولادِ حسن کو قید کرنا کے منصوبہ کو اچلا گیا۔ جب وہاں سے واپس ہوا تو
 مدینے کی بجائے اس کے نواح میں ربذہ چلا گیا وہاں والی مدینہ ربیع حاضر خدمت
 ہوا۔ منصور نے اسے حکم دیا کہ اولادِ حسن جو قید ہے اور ان کے ساتھیوں کو حاضر
 کیا جائے۔ ان کے ساتھیوں میں حضرت عثمانؓ کے پوتے محمد بن عبد اللہ بن عمرو
 بن عثمانؓ بھی تھے۔ جب یہ لوگ ربذہ پہنچے تو سب سے پہلے انہیں محمد بن عبد اللہ

العثمانی کو منصور کے سامنے لایا گیا ان کے جسم پر ایک مہین قبیض اور ازار تھی جب وہ منصور کے سامنے پہنچے تو منصور نے کہا اے دیوث (دیوث وہ شخص جو اپنی بیٹی کو دوسرے کو پیش کرے اور اس کی اجرت کھائے) محمد بن عبد اللہ نے کہا سبحان اللہ تو مجھے جانتا ہے کہ میں دیوث نہیں ہوں۔ منصور نے کہا پھر تیری بیٹی رقیہ حاملہ کیونکر ہوئی (جناب رقیہ امام حسنؑ کے پروتے ابراہیم بن عبد اللہ بن الحسن بن الحسنؑ کے نکاح میں تھیں اور منصور نے محمد بن عبد اللہ (حضرت عثمانؑ کے پروتے) کو مجبور کیا تھا وہ یہ عہد کریں کہ ابراہیم کو ان کے پاس نہ آنے دیں گے) منصور نے کہا : تو نے تو مجھ سے قسم کھائی تھی کہ تو مجھے دھوکہ نہ دے گا اور میرے خلاف کسی دشمن کی مدد نہ کرے گا تو دیکھتا ہے کہ تیری بیٹی حاملہ ہے اور اس کا شوہر غائب ہے پس دو باتوں میں سے ایک بات سچ ہے یا تو تو قسم توڑنے والا ہے یا پھر دیوث ہے۔ انہوں نے نری سے جواب دیا کہ قسم کی ذمہ داری تو میرے اوپر ہے اور یہ لڑکی اولاد رسولؐ سے ہے (اس پر تمت نہ لگا) میرے علم کے بغیر اس کا خاوند اس کے پاس آیا ہو گا۔ منصور غضبناک ہوا۔ ان کی قبیض اور ازار پھاڑ ڈالی اور انہیں برہنہ کر دیا پھر حکم دیا کہ انہیں ڈیڑھ سو کوڑے مارو۔ چنانچہ جلاد نے کوڑے مارنے شروع کئے ان کا حال بہت برا ہو گیا۔ ایک کوڑا ان کے منہ پر لگا تو محمد بن عبد اللہ العثمانی نے کہا کہ تیرا برا ہو میرے چہرے کو تو چھوڑ دے۔ اتنا کہنا منصور کو برا معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ ان کے سر پر کوڑے مارو تقریباً تیس کوڑے ان کے سر پر لگے ایک کوڑا آنکھ پر لگا تو وہ بہ گئی۔ اس ظلم کی وجہ سے ان کی بری حالت ہو گئی اپنے حسن کی وجہ سے دیباچہ کئے جاتے تھے لیکن مار سے وہ حال ہوا کہ پہچانے نہیں جاتے تھے۔ جب وہ باہر نکلے تو ان کے غلام نے کہا کہ میں

اپنی چادر آپ کے بدن پر ڈال دوں یہ بالکل برہنہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ خدا تیرا بھلا کرے خدا کی قسم تو محبوب ہے۔ یہ کہہ کر اپنے اخیانی بھائی عبداللہ بن الحسن کے برابر کھڑے ہو گئے۔ زخموں سے خون جاری تھا پیاس کی شدت تھی العطش العطش (پیاس، پیاس) پکارتے تھے مگر کوئی پانی دینے والا نہ تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۹۔ ص ۱۹۵ طبع مصر عربی، ابن خلدون ترجمہ اردو ج ۶۔ ص ۶۳) یہ واقعہ تو امام حسنؑ کی اولاد سے محض قرابت رکھنے والے کا ہے اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولاد حسنؑ پر خود کیا کیا ظلم نہ ہوئے ہوں گے۔

منصور یہاں سے چلا تو کوفہ آیا اور حکم دیا کہ پایہ زنجیر اور گلوں میں طوق گراں ڈال کر انہیں کوفہ لے جاؤ وہاں پہنچ کر انہیں قصر ابن ببیرہ میں قید کر دیا۔ کوفہ آکر منصور نے ایک جملہ کہا جو خاندان اہل بیتؑ سے اس کی نفرت کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے اس نے کہا :

”ما اشتفی من هذا الفاسق من اهل بیت فسق“

(تاریخ الامم والملوک : الجزء التاسع - ص ۱۹۵)

”میں اس فاسق گھرانے کی فاسق فرد (نفس زکیہ) سے نجات پانا چاہتا

ہوں۔“

نفس زکیہ کے معنی پاکیزہ نفس کے ہیں۔ یہ لقب ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں عوام نے دیا تھا پھر وہ امام حسنؑ کی اولاد تھے یعنی خاندان رسالت سے تھے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ منصور خاندان رسالت کو خاندان فسق اور نفس زکیہ کو فاسق کہتا ہے۔ اب آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ اس نے اولاد حسنؑ سے کیا سلوک کیا ہو گا۔ ایک دن بھی قیدی منصور کے سامنے پیش کئے گئے اس کی نظر محمد

بن ابراہیم بن الحسن پر پڑی یہ نہایت حسین تھے لوگ دور دور سے انہیں دیکھنے آیا کرتے تھے ابھی ابتدائی جوانی تھی ان کو دیکھ کر منصور نے کہا تو ہی ہے جس کو دیباج اصغر کہتے ہیں انہوں نے کہا ہاں۔ منصور نے کہا میں تجھ کو اس طرح قتل کروں گا کہ جس طرح دنیا میں آج تک کوئی قتل نہ ہوا یہ کہہ کر پتھر کا ایک ستون لانے کا حکم دیا۔ عمارت کا بڑا ستون آیا جسے منصور کے حکم سے دو ٹکڑے کیا گیا اور محمد بن ابراہیم بن الحسن کو اس کے درمیان رکھ کر انہیں زندہ اس میں چنوا دیا۔ (تاریخ طبری ۹/۱۹۸ اردو ترجمہ ۳/۱۶۶) کامل ابن اثیر ج ۵ حصہ اول ص ۱۱۳-۹۹ اردو ترجمہ) یہ ایک ہی قافلے کے دو واقعے میں نے بطور نمونہ بیان کر دیئے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اہل بیت اور اہل بیت سے ذرا سا بھی تعلق رکھنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ظاہر ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ان مظالم پر خوش نہیں تھے اس قافلے کی روایتی کاحال جو مدینے سے ربذہ تک تاریخوں میں درج ہے اس میں امام صادق علیہ السلام کا یہ واقعہ بھی ہے۔

”ریاح والی مدینہ منصور کے حکم سے قیدیوں کو مدینہ سے ربذہ لایا تو حال یہ تھا کہ ان کے پیروں اور گردنوں میں بیڑیاں اور زنجیریں تھیں۔ انہیں محمولوں میں بغیر بچھونے کے سوار کیا گیا جب ریح انہیں مدینے سے لے کر نکلا تو جناب امام جعفر صادق ایک اوٹ سے انہیں جاتا دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ انہیں نہ دیکھ سکتے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام انہیں دیکھ کر زار و قطار روتے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور آپ یہ فرماتے جاتے تھے کہ واللہ ان کے بعد خدا اپنے حرموں کی حفاظت نہ کرے گا۔“ (حرموں سے مراد خانہ کعبہ اور مسجد نبوی

ہیں۔) ۳۶۹

ظاہر ہے کہ جو ذات اقدس ان حضرات کی اس طرح روانگی پر زار و قطار روئے وہ ان کے قتل پر کس طرح خوش ہو سکتی ہے اور کس طرح یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان کے قاتلوں سے غضبناک نہ ہوں گے۔ امام صادق علیہ السلام کے نزدیک ان حضرات کا خروج غلط نہ سی تو خلاف مصلحت اور بے سود ضرور تھا اسی لئے ہم امام کو ان سے کنارہ کش پاتے ہیں۔ لیکن ایک بھی مستند جملہ ان خروجوں کے متعلق مستند ماخذوں میں موجود نہیں ہے۔ اب ہم مختصراً ان مظالم کا ذکر کریں گے جو اس ذات والا صفات پر بنو امیہ اور بنو عباس نے توڑے پھر حیات امام کا ایک انوکھا رخ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔



حضرت امام صادق علیہ السلام پر مظالم

بنو امیہ کے خلاف بنو عباس نے جو تحریک چلائی تھی وہ بنو فاطمہؑ کے نام پر تھی یعنی یہ کہ حکومت کا حق حضرت فاطمہؑ زہراء صلوٰۃ اللہ علیہا کی اولاد کو ہے۔ اس طرح بنو حسنؑ اور بنو عباس ایک ہو گئے تھے لیکن عام خیال یہ تھا کہ غلبہ پانے کے بعد بنو حسن میں سے محمد بن عبد اللہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا جائے گا لیکن امام صادق علیہ السلام نے خبردار کر دیا تھا کہ خلافت ابو العباس السفاح اور اس کے بھائی منصور کو پہنچے گی۔

مختلف معتبر کتابوں میں مروی ہے کہ بنی ہاشم کی ایک جماعت مقام ابواء میں جمع ہوئی جس میں ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس، ابو جعفر منصور، عبد اللہ بن حسن اور محمد و ابراہیم کی اولاد تھی ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ اپنوں ہی میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ عبد اللہ نے کہا یہ جو میرا فرزند محمد ہے یہی مہدی ہے اور اس کام کا سب سے زیادہ حقدار بھی۔ اسی دوران کہا گیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا جائے۔ عبد اللہ بن حسن نے کہا کہ انہیں نہ بلانا ورنہ وہ تمہارا سارا کام خراب کر دیں گے۔ غرض امام تشریف لائے تو آپ نے پوچھا تم لوگ کس لئے جمع ہوئے ہو۔ عبد اللہ بن حسن نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ بنو امیہ نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے لہذا ہم چاہتے ہیں کہ اس نوجوان کی سب بیعت کریں (یعنی اپنے بیٹے محمد کی) امام صادق علیہ السلام نے فرمایا آپ ہمارے بزرگ ہیں ہم

آپ کی بیعت تو کر سکتے ہیں لیکن آپ کے بیٹے کی نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں انکار نہیں کرتا لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ یہ سن کر عبد اللہ کو غصہ آگیا اور کہا کہ تم نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ تم میرے بیٹے سے حسد کرتے ہو۔ امامؑ نے فرمایا حسد میں نہیں کرتا اور بخدا میں نے یہ بات حسد میں نہیں کہی لیکن یہ حکومت۔۔۔ یہ کہہ کر ابو العباس سفاح کے شانے پر ہاتھ مارا۔۔۔ تو اس کے بھائیوں اور بیٹوں کے لئے ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لے آئے۔ عبدالصمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس (منصور کا چچا) کہتا ہے کہ منصور نے حضرتؑ کے منہ سے یہ بات سنی تو پیچھے پیچھے باہر آیا اور امامؑ سے پوچھا : کیا آپؐ نے یہ بات سچ فرمائی ہے؟ فرمایا ہاں ایسا ہی ہوگا اور اس پر مجھے یقین ہے۔ مقاتل الطالیبیین کی دوسری روایت میں ہے کہ امامؑ نے السفاح کے شانے پر ہاتھ مار کے کہا : خلافت اس کی قسمت میں ہے پھر اس کے بھائی منصور اور اس کی اولاد کی قسمت میں یہاں تک کہ بچے حکومت کریں گے اور عورتوں سے مشورہ لیا جائے گا۔ عبد اللہ نے وہی حسد والی بات کہی جو اوپر گزری تو یہ سن کر امامؑ نے فرمایا : قسم بخدا میں یہ بات حسد میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ شخص (منصور) اسے (محمد بن عبد اللہ کو) اجارہ الہیت میں قتل کرے گا اور اس کے بھائی کو ”طفوف“ میں اور اس کے گھوڑے کے پیر اس وقت پانی میں ہوں گے۔ امامؑ یہ باتیں کہہ کر غصے کی حالت میں باہر نکلے کہ آپؐ کی روا زمین پر نہ کھینچی جاتی تھی۔ منصور کہتا ہے کہ میں نے اسی وقت سے خلافت کی تیاریاں اور عمال کی فہرست مرتب کرنی شروع کر دی تھی۔ (مقاتل الطالیبیین) (فارسی ترجمہ سرگزشتہ کشتہ شدگان از فرزندان ابوطالب) ص ۴۳ تا ۲۴۱ الخراج والخراج

علامہ راوندی، بحار الانوار ج ۱۱ طبع کپانی، بحار الانوار ج ۸ - ص ۱۳۳ و ۱۳۱ اردو ترجمہ مطبوعہ محفوظ بک ایجنسی کراچی)

یہی منصور جس کی حکومت کی حضرت نے پیش گوئی فرمائی تھی برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے آل محمد کے درپے ہو گیا۔ حصول حکومت سے پہلے تو بنو فاطمہ (بنو علی) اور بنو عباس ایک ہی تھے لیکن حکومت کے بعد رنگ بدل گیا اور بقول علامہ جلال الدین سیوطی :

”والمنصور اول من وقع الفتنه بين العباسيين والعلويين وكانوا شيئا واحدا“ (تاریخ الخلفاء ص ۱۰۲)

منصور پہلا شخص ہے جس نے عباسیوں اور علویوں کے درمیان فتنہ ڈالا حالانکہ یہ دونوں متحد تھے۔

امام صادقؑ اور منصور عباسی

اب ہم اپنا روئے سخن ان سازشوں اور مظالم کی طرف موڑتے ہیں جو امام علیہ السلام کے لئے منصور نے تیار کیں اور انہیں آپ کے خلاف روا رکھا۔ تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ منصور نے متعدد مرتبہ آپ کو زبردستی حاضر ہونے کے لئے دتے بھیجے۔

منصور نے ۱۷۷ھ میں حج کیا تو اس کا ایک مقصد امام صادق علیہ السلام کو قید کرنا بھی تھا لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ ۳۷۰ھ

لیکن یہ سوال تشنہ تحقیق ہے کہ آیا منصور نے امام کو قید بھی کیا یا نہیں؟ یا صرف اتنا ہی تھا کہ وہ آپ کو طلب کرتا تھا لیکن نہ گرفتار کر پاتا تھا اور نہ ہی کوئی

ایذا دے سکتا تھا کیونکہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ منصور نے امام صادق علیہ السلام کو قید کر دیا تھا۔ اے سو۔ لیکن بعض دوسرے مورخین نے قید کرنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے مسلمانوں کی تاریخ زیادہ تر حکمرانوں کی عیاشیوں اور جنگوں سے بھری ہوئی ہے اہل علم و ادب کا حال نہ ہونے کے برابر تحریر ہوا ہے اس لئے حیاتِ ائمہؑ کے کئی گوشے ایسے ہیں جن پر سرے سے ان تاریخوں سے روشنی ہی نہیں پڑتی۔ پھر بھی ہم حیاتِ امام صادقؑ کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے۔

منصور کا حاجب ربیع کہتا ہے کہ منصور کی خلافت کو جب استقرار نصیب ہوا تو منصور نے مجھ سے کہا کہ جا کر جعفر بن محمد (امام صادقؑ) کو تو بلا لاؤ۔ ربیع کہتا ہے کہ میں ان کے پاس گیا اور کہا کہ منصور نے آپ کو بلایا ہے پس آپ چلنے کے لئے کھڑے ہو گئے جب ہم منصور کے دروازے کے قریب آئے تو امام صادقؑ کھڑے ہو گئے اور اپنے ہوش ہلانا شروع کئے۔ پھر آپ داخل ہوئے تو سلام کیا۔ منصور نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا پھر سر اٹھا کر کہا۔ اے جعفر کیا تم ہی نے علی کو بغاوت پر بھڑکایا ہے۔ امامؑ نے انکار کیا اور اپنے کو معذور بتایا یہاں تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو امام صادقؑ سے کہا تشریف رکھئے! پھر اس نے انتہائی قیمتی عطر طلب کیا وہ اس سے کھیلتا رہا یہاں تک کہ عطر اس کی انگلیوں سے ٹپکتا تھا پھر کہا اے ابو عبد اللہ (امام صادقؑ کی کنیت) اب آپ جا سکتے ہیں اور ربیع سے کہا کہ تم ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور ان کا وظیفہ بڑھا کر انہیں پہنچا دینا۔

ربیع کہتا ہے کہ جب ہم واپس ہوئے تو میں نے امامؑ سے عرض کی : میں نے

اس وقت وہ بات دیکھی جو کسی نے نہیں دیکھی اور وہ کچھ سنا جو کسی نے بھی نہیں سنا۔ میں نے دیکھا کہ آپ داخلے کے وقت کچھ پڑھ رہے تھے کیا کوئی دعا ہے جو آپ کے آباء سے منقول ہے؟ فرمایا کہ میرے والد نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے جد سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی مہم پیش آتی تو یہ دعا پڑھتے "اے دعائے فرج کہتے ہیں اس کا پہلا جملہ ہے :

"اللہم احرسنى بعينک التی لاتنام۔۔۔۔۔"

"اے اللہ میری نگہبانی اس نگاہ سے فرما جو کسی وقت سوتی

نہیں۔۔۔۔۔" ۳۷۲۔

یہ ربیع امام علیہ السلام کا ماننے والا تھا لیکن منصور سے اپنا حال چھپائے رکھتا تھا۔ یہی ربیع کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اور ایسا ہی ہوا کہ منصور کو امام کے خلاف کچھ باتیں پہنچیں تو منصور نے مجھے روانہ کیا کہ امام کو اس کے پاس لے کر آؤں۔ جب میں امام کے پاس پہنچا تو میں نے کہا اللہ آپ کو اس ظالم و جابر کے ظلم و ستم سے بچائے اس سے آپ کو شدید ضرر پہنچے گا۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے میری حفاظت کا مضبوط انتظام کیا ہوا ہے وہی ڈھال میرے کام آئے گی تم منصور سے داخلے کی اجازت لے لو۔ جب امام علیہ السلام داخل ہوئے تو ان دونوں کے درمیان طویل گفتگو ہوئی۔ منصور جھوٹے الزامات آپ پر لگاتا تھا اور امام علیہ السلام ان کا جواب دیتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کا غصہ فرو ہوا اور قوت ایمانی کے سامنے جھک گیا۔ پھر امام علیہ السلام سے کہا میں نے آپ کو معاف کیا اور آپ کی سچائی کی وجہ سے آپ سے درگزر کیا۔ اب آپ مجھے ایک حدیث ایسی سنائیے جو میرے لئے فائدہ مند ہو

اور برائیوں سے بچانے والی بھی چنانچہ آپ نے اسے نصیحت کی اور فرمایا :

تم پر حلم (بردباری) واجب ہے کیونکہ وہ علم کا ایک رکن ہے اور جب کسی پر قدرت پاؤ تو اپنے نفس کو قابو میں رکھو کیونکہ اگر تم وہ سب کچھ کر گزرے جس پر تمہیں قدرت ہے تو گویا تمہاری مثال ایسی ہوگی جس نے اپنے غصے کو پورا اور کینے کو ٹھنڈا کیا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ تم اپنی زیادتیوں کو یاد رکھو اور تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم نے مستحق سزا کو سزا دے دی تو صرف عادل کھلاؤ گے حالانکہ اس سے بڑی بات یہ ہے کہ جس چیز پر شکر واجب ہے وہ اس چیز سے افضل ہے جس پر صبر ضروری ہے (یعنی اگر تم مجرم کو سزا دو گے تو وہ اس پر صبر کرے گا اور لوگ تمہیں محض عادل کہیں گے اور سزا مستلزم ہے صبر کو جب کہ اگر معاف کر دو گے تو وہ شکر ادا کرے گا اور موجب شکر موجب صبر سے بہتر ہے گویا تمہارا معاف کرنا سزا دینے سے بہتر ہے) منصور نے یہ سنا تو کہا : آپ نے بہترین وعظ و نصیحت کی اور جو کہا گیا آپ نے اس کا حق ادا کر دیا۔

تو اربعہ و تہذیبوں سے پتہ چلتا ہے کہ منصور جب بھی مدینہ آتا تھا اس کا ایک اہم کام یہی ہوتا تھا کہ وہ مختلف طریقوں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کو طلب کرے اور تنگ کرے لیکن امام اس کی ان ناپسندیدہ حرکتوں پر اپنی قوت ایمانی سے قابو پاتے اور صبر فرماتے تھے۔

ربیع ہی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اور منصور نے مجھ سے کہا جتنی جلدی اور تیز رفتاری سے جاسکو (امام) جعفر (صادق) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تمہارے چچا زاد بھائی (مراد منصور) نے تمہیں سلام کہا ہے اور اسی وقت طلب کیا ہے۔ اگر وہ آسکیں تو لے آؤ ورنہ اگر کوئی عذر کریں تو معاملہ ان پر ہی چھوڑ دینا۔

ربیع لیتا ہے کہ میں آپ کے دروازے پر پہنچا اور گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ تنہا ہیں آپ کے رخسار مبارک مٹی پر لگے ہوئے ہیں اور آپ ہاتھ بلند کر کے دعا فرما رہے ہیں اور آپ کی پیشانی، رخساروں اور ہاتھوں پر مٹی کا اثر نمایاں ہے۔ میں نے اس حال میں ان سے کچھ کہنا برا محسوس کیا حتیٰ کہ آپ نماز اور دعا سے فارغ ہو گئے پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے میں نے سلام کیا۔ آپ نے جواب دے کر فرمایا کہو کیسے آنا ہوا؟ میں نے آپ کو پوری بات بتادی۔ آپ میری بات سن کر فرمایا : اے ربیع : اور سورہ حدید کی آیت (نمبر ۱۹) تلاوت فرمائی۔

”الْمَيَانِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسْقُونَ“

”کیا ابھی تک مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے کے وقت اور قرآن جو خدائے برحق کی طرف سے پہلے نازل ہوا ہے اس کو سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔“

اے ربیع تم پر وحی ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

”اَفَاَمِنْ اَهْلِ الْقُرَىٰ اِنْ يَاتِيهِمْ بَاسٌ نَّاسِئًا وَّهَمَّ نَاسِئُونَ- اَوْ اَمِنْ اَهْلِ الْقُرَىٰ اِنْ يَاتِيهِمْ بَاسٌ نَّاسِئًا وَهَمَّ وَهَمَّ يَلْعَبُونَ- اَفَاَمِنْ اَمَّا مَكَرُ اللّٰهِ فَلَا يَمُنُّ مَكَرُ اللّٰهِ اَلَا

القوم الخسرون

”کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو جب کہ وہ سو رہے ہوں۔ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے نازل ہو جائے اور وہ کھیل رہے ہوں کیا یہ لوگ خدا کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے سن لو کہ خدا کے داؤ سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔“ (سورہ

الاعراف ۷-۹۹-۹۸-۹۷)

ربیع کتا ہے کہ یہ آیات تلاوت فرما کر آپ نماز میں پھر مصروف ہو گئے پھر میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے عرض کی کہ سلام کے بعد بھی کچھ کہنا ہے؟ فرمایا : ہاں! اس سے کہو :

”اقرءیت الذی تولی۔ واعطی قلیلاً واکدی۔ اعنہ

علم الغیب فہویری“

”بھلا تم نے اس کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا۔ تھوڑا سا دیا پھر ہاتھ روک

لیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔“ (سورہ

النجم ۳۵-۳۴-۳۳)

پھر فرمایا اس سے کہو کہ تم نے ہمارے مردوں کو خوفزدہ کر رکھا ہے جس کی وجہ سے ہماری عورتیں بھی خوفزدہ ہو گئی ہیں۔ اگر تم اس سے باز آ جاؤ تو بہتر ورنہ ہم دن میں پانچ مرتبہ تمہارا نام لے کر بددعا کریں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : کہ چار افراد کی دعا اللہ کے پاس پہنچنے سے نہیں رکتی۔ (۱) باپ کی دعا بیٹے کے لئے (۲) بھائی کی دعا بھائی کے حق میں جب کہ وہ موجود نہ ہو

(۳) مظلوم کی دعا (۴) مخلص کی دعا۔ ۳۷۳

ایک اور روایت میں ہے محمد بن الریح کہتا ہے کہ منصور نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ ابھی ابھی جاؤ اور (امام) جعفر (صادق) جس حال میں بھی ہوں انہیں اسی حال میں لے آؤ۔ دروازہ نہ کھٹکھٹانا بلکہ دیوار پھلانگ کے جانا اور جو کوئی ان کے پاس بیٹھا ہو اسے بھگا دینا۔ میں نے جیسا کہا ہے ویسا ہی کرنا۔ محمد بن ریح کہتا ہے میں نے انہیں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے پایا جب آپ نماز پڑھ چکے تو میں نے کہا : چلئے امیر المومنین (منصور) کے پاس چلئے۔ آپ نے فرمایا : اچھا مجھے کپڑے تو بدل لینے دو۔ میں نے کہا نہیں آپ کو اسی حالت میں چلنا ہوگا۔ چنانچہ میں اسی حالت میں انہیں منصور کے پاس لے کر پہنچا۔ اس نے جو آپ کو دیکھا تو نہایت برا فروختہ ہوا اور انتہائی گستاخانہ لہجے میں آپ سے گفتگو شروع کی۔ منصور اس دوران طرح طرح کے بہتان آپ پر لگاتا رہا اور آپ اس کی تردید کرتے رہے۔ منصور کی یہ الزام تراشی آداب سے اتنی عاری ہے کہ اسے نقل کرتے ہوئے قلم کانپ جاتا ہے اور ناقل خود کو مجرم سمجھنے لگتا ہے لہذا ہم اسے قلم انداز کرتے ہیں۔ لیکن امام علیہ السلام نے اپنے لہجے میں کہیں سختی نہیں آنے دی اور آخر کار منصور کو کہنا پڑا کہ ”اظنک صادقاً“ میں آپ کو سچا خیال کرتا ہوں۔

۳۷۴

اسی طرح کے اور بہت سے واقعات منصور کی سخت گیری اور گستاخی کے موجود ہیں جن کو علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں درج کیا ہے۔ ان چند واقعات کو نقل کرنے سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ قارئین کو ان مشکلات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو جائے جن سے اہل بیت علیہم السلام اور خاص طور پر حضرت امام جعفر صادق

علیہ السلام گزر رہے تھے۔ ان حالات میں علوم آل محمدؐ کی تدوین، درس اسلامی کا قیام، ملت کا استحکام کتنا مشکل تھا اس کا اندازہ آپ کو سیاسی حالات سے ہو گیا ہوگا۔

اس پورے عہد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا رویہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو چیزوں پر مبنی ہے (۱) حکومت وقت کے خلاف خروج، بغاوت اور سازشوں سے دور رہنا۔ (۲) علوم اسلامیہ کی تدریس اور اصحاب کی تربیت۔

اہل بیتؑ میں سے جن جن حضرات نے بھی خروج کیا امامؑ ان کی اعلانیہ حمایت سے دست کش رہے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپؑ ان حکمرانوں کو صحیح اور خروج کرنے والوں کو غلط سمجھتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام علیہ السلام کے نزدیک ان حالات میں اس قسم کی باتیں بے نتیجہ تھیں اس کے ساتھ ساتھ امامؑ یہ سمجھتے تھے کہ اس سے حکومت کی مخالف قوتیں مضبوط ہونے کی بجائے مزید کمزور ہو گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ حرف بہ حرف صحیح نکلا اور یہ تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں۔

امامؑ کے نزدیک حکومت کو کمزور کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا یعنی علوم اسلامیہ کی ترویج کے ذریعے عوام کے شعور کو بیدار کرنا تاکہ ہر کس و نا کس امیر المؤمنین بن کر حکمرانی نہ کرنے لگے۔ حکومتی جبر و استبداد کا مقابلہ امامؑ نے جس طرح ترویج علوم اور تربیت اصحاب سے کیا اس کا مختصر جائزہ ہم آئندہ صفحات میں لیں گے۔

ترویج علوم اور تربیت اصحاب

گزشتہ باب کے شروع میں ہم نے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک فرمان

نقل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی یہاں ہم اسے پھر دہراتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے اپنے معتقدین اور پیروکاروں سے فرمایا۔

”اوصیکم بتقوی اللہ واجتناب معاصیہ“ واداء الامانہ لمن ائتمنکم و حسن الصحابہ لمن صحبتموہ وان تکونوا النادعۃ صامتین“

”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے“ اس کی نافرمانی سے بچنے، جو تمہارے پاس اپنی امانتیں رکھوائے اس کی امانت واپس کرنے اور جو تمہاری صحبت اختیار کرے اس سے اچھائی سے پیش آنے کی اور اس کی کہ تم ہمارے خاموش مبلغین جاؤ۔“

یہ وہ اساس ہے جس پر امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کی تربیت کے طور پر اختیار فرمایا۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر آئے ہیں کہ اس وقت کی سیاست ظلم و استبداد پر مبنی تھی جس میں نہ علماء کا خیال کیا جاتا تھا نہ مفکرین کا اور حکمران وقت کے لئے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لئے ہر کام جائز تھا خواہ اس میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و تعلیمات کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ ہو اور حیرت تو یہ ہے کہ ان تمام خلافت شرع حرکتوں کے باوجود حاکم وقت کو ”خليفة الرسول“ اور ”امیر المؤمنین“ ہی سمجھا اور کہا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ امام صادق علیہ السلام اپنی ذات کو اس سیاست کا حصہ نہیں بنا سکتے تھے حالانکہ ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ بات ہمیں صاف نظر آتی ہے کہ بنو امیہ کے خلاف بنو عباس کی تحریک محض اولاد فاطمہؑ کے نام پر چلائی گئی تھی اور اس وقت اولاد فاطمہؑ میں سب سے محترم و مقبول شخصیت امام جعفر صادق علیہ السلام کی

تھی۔ یوں تو اہل بیتؑ میں سے بہت سے افراد حکومت کے حصول کی خواہش رکھتے تھے اور ان میں آپس میں دوستی بھی تھی لیکن امام صادقؑ نے ہمیشہ اپنے کو اس دھڑے بندی سے باز رکھا۔ اسی طرح بنو حسن کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حکومت تمہیں نہیں ملے گی بلکہ بنو عباس کو ملے گی۔ اسی طرح امام صادقؑ کو کئی مرتبہ حکومت کی پیشکش بھی ہوئی لیکن امامؑ نے اسے مسترد کر دیا۔ عباسی تحریک کا روح رواں ابو مسلم خراسانی تھا اس حقیقت کو مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ بنو عباس کی حکومت کا بانی یہی ابو مسلم خراسانی ہے۔ یہ شخص امام علیہ السلام کو حکومت کی دعوت دیتا ہے تو امام اسے یسر مسترد کر دیتے ہیں۔ ابن کاوش عکبری نے اپنی کتاب ”مقاتل العصابہ العلویہ“ میں لکھا ہے کہ : جب ابو مسلم کو امام ابراہیم کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے چند خطوط تجاز بھیجے ان میں سے ایک امام جعفر صادقؑ کو، دوسرا عبداللہ بن حسن کو اور تیسرا محمد بن علی بن الحسین کو بھیجا جس میں ہر ایک کو خلافت کی دعوت دی۔ پسلا خط امام جعفر صادقؑ کے نام تھا۔ آپ نے پڑھا تو اسے نذر آتش کر دیا اور فرمایا یہی اس خط کا جواب ہے۔ دوسرا خط قاصد لے کر عبداللہ بن حسن کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں لہذا یہ امر میرے بیٹے محمد کے لئے زیبا ہے اور وہی مدد بھی ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور امام جعفر صادقؑ کے پاس آئے۔ آپ باہر تشریف لائے اور عبداللہ کے گدھے کی گردن پر ہاتھ کر فرمایا اے ابو محمد آپ نے اس وقت آنے کی زحمت کیوں برداشت کی؟ انہوں نے ابو مسلم کے خط کا حال بتایا آپؑ نے فرمایا : ایسا ہرگز نہ کرنا کیونکہ یہ حکومت تمہیں کبھی نہ ملے گی۔ یہ سن کر عبداللہ بن حسن کو غصہ آگیا اور بولے تمہارے دل میں کچھ

اور ہے اور زبان پر کچھ اور (معاذ اللہ) چونکہ تمہیں میرے فرزند محمد سے حسد ہے اس لئے تم یہ بات کہہ رہے ہو آپ نے فرمایا نہیں حسد کی کوئی بات نہیں اس کے ساتھ ہی ابو العباس السفاح کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ ان کے لئے ہے تمہارے لئے نہیں بلکہ ان کی اولاد اور بھائی کے لئے بھی ہے۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو عبدالصمد بن علی اور ابو جعفر محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس آپ کے پیچھے ہو لئے اور بولے آپ کیا یہی فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! میں یہی کہتا اور یہی جانتا ہوں۔ (المنقب لابن شہر آشوب ج ۳- ص ۳۵۵)

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ میں نے بعض تاریخوں میں پڑھا ہے کہ جب ابو مسلم کا خط امام جعفر صادقؑ کے پاس آیا تو اس وقت رات تھی۔ آپ نے اسے پڑھ کر چراغ کی لو پر رکھ دیا۔ خط لانے والا سمجھا کہ شاید آپ نے اس خوف سے کہ راز افشاء نہ ہو جائے خط احتیاطاً جلا دیا ہے۔ اس نے امامؑ سے پوچھا کہ کیا آپ اس خط کا کوئی جواب دیں گے؟ آپؑ نے فرمایا : جواب وہی ہے جو تم نے دیکھ لیا۔ (منقب ابن شہر آشوب ج ۳- ص ۳۵۶)

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ امام علیہ السلام سیاست وقت سے کس قدر اور کس طرح دور رہے۔ لیکن تربیت و اصلاح کا جو نظام آپ سے ماقبل ائمہ علیہم السلام نے قائم فرمایا تھا اسے آپ نے برقرار رکھا اور اسے دوچند ترقی دی۔

آپ نے اپنے عمل اور تعلیمات کے ذریعے فکری اور عملی انقلاب کا جو پروگرام بنایا تھا اسے عملی جامہ پہنایا اور نہ صرف یہ کہ لوگوں کے فقہی اور علمی مسائل حل کرتے رہے بلکہ ایک اسلامی یونیورسٹی کی بھی بنیاد ڈالی جس کا حال

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ اس طرح آپ کی مساعی کے نتیجے میں ہزاروں علماء و فضلاء پیدا ہوئے۔ فقہ و حدیث کی تدوین و تدریس ہوئی اور یوں فکری انقلاب کی راہیں استوار ہوتی چلی گئیں۔

آپ کا سب سے زیادہ زور تربیت نفس اور ادائے حقوق پر تھا جس کی بنیاد دراصل خوف خدا ہے۔ جیسا کہ آپ اس باب کے ابتداء میں درج کی جانے والی حدیث میں پڑھ چکے کہ امامؑ نے اپنے ماننے والوں اور پیروؤں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے، اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو آخری شریعت اور اس کے رسول کو برحق مانتے ہوئے، قیامت پر عقیدہ رکھتے ہوئے، عذاب و ثواب کا یقین کرتے ہوئے ہر اس کام کو کرنا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ ہر اس حق کو ادا کرنا جو اللہ نے قرار دیا ہے۔ شریعت پر پوری طرح عمل کرنا، عقائد کو درست رکھنا، شریعت میں جن باتوں اور اعمال کی ممانعت ہے ان سے اجتناب کرنا یہ سب تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام تقوے کے بارے میں فرماتے ہیں : میں تمہیں تقوے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس کی کہ تم اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ یہ جملہ بہت اہم ہے تربیت انسانی میں اس کی بہت اہمیت ہے اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس پر تربیت انسانی کی بنیاد ہے۔ آپ نے ایسے بہت سے افراد دیکھے ہوں گے جو بعض اچھائیوں پر عمل کرتے ہیں لیکن بعض دوسری برائیوں کو بھی اختیار کئے رہتے ہیں۔ مثلاً کتنے ہی نمازی ہیں جو رشوت لیتے ہیں۔ کتنے ہی نمازی ہیں جو حقوق الناس اور بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ کتنے ہی روزہ دار آپ کو ایسے ملیں گے جن کی پوری زندگی

معصیت الہی سے بھری پڑی ہے جب ان کی توجہ ان برائیوں کی طرف دلائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نماز روزہ بھی تو کرتے ہیں۔ لیکن انہیں احساس نہیں ہوتا کہ اسلام ان کی زندگی کے ایجابی پہلو کے ساتھ ساتھ سلبی پہلو کی اصلاح پر بھی توجہ دیتا ہے اور جس طرح اچھائیوں پر عمل اسلام کا مطلوب ہے اسی طرح برائیوں اور اللہ کی نافرمانی سے اجتناب بھی اس کا تقاضا ہے دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ اسی لئے امامؑ نے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کے ساتھ فرمایا ”واجتناب معاصیہ“ اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہاں سے پتہ چلا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور معاصی سے بچنا گویا ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک پیہ نہ ہو تو گاڑی بھی نہیں چل سکتی۔

ایک انسان کو دو سرے انسان سے جو شکایتیں پیدا ہوتی ہیں وہ یا تو مالی ہوتی ہیں یا پھر سلوکی۔ یعنی لین دین اور مالی معاملات میں انسان سے خیانت کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے بلکہ اگر اس معاملے میں کسی کو دو سرے کی نسبت پر شک ہو جائے تو برسوں کی رفاقت ٹوٹ جاتی ہے یا منافقت میں بدل جاتی ہے اور بے شمار جھگڑے جنم لیتے ہیں اس سے منع کرتے ہوئے اور ان برائیوں کی بچ کئی کرتے ہوئے امامؑ نے نصیحت فرمائی ”و اداء الامان لمن ائتمنکم“ جس نے امانت تمہارے پاس رکھوائی وہ تم پر ادا کرنا ضروری ہے میں تمہیں اس کی نصیحت کرتا ہوں اور دوسری اہم بات یہ فرمائی کہ ”و حسن الصحابہ لمن صحبتموہ“ اور جس کی صحبت تم اختیار کرو اس سے اچھی طرح پیش آؤ۔ یہ جملہ بھی اپنے اندر معافی کا سمندر لئے ہوئے ہے۔ انسان کی دو ہی حالتیں ہیں یا تو وہ خلوت میں ہو گا یا کسی کی صحبت میں۔ یعنی یا تو وہ تنہا ہو گا یا پھر کسی کے ساتھ۔ اس کی زندگی میں ان

دو حالتوں کے علاوہ تیسری حالت نہیں آتی۔ تنہائی کی حالت کی اصلاح تو تقوے سے ہو جاتی ہے۔ رہی صحبت تو چاہے وہ کسی بھی سلسلے میں ہو قانونی معاملات سے متعلق ہو یا معاشی و معاشرتی معاملات سے۔ سفر ہو یا حضر اگر انسان حسن صحبت کو اپنا وطیرہ اور شعار بنالے تو وہ لازماً ان احکام کی پیروی کرے گا جو اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ لہذا اس کی معاشرتی اور سماجی زندگی کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ اگر انسان اپنی تنہائی پر نظر کرے اور اس بات کا خیال رکھے کہ کوئی فعل تقوے کے خلاف سرزد نہ ہو اور اسی طرح معاشرتی اور سماجی زندگی میں ہر کام سے پہلے وہ یہ خیال کرے کہ یہ ”حسن صحبت“ کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں اگر اس زمرے میں آتا ہے تو اسے اختیار کرے اور اگر اس سے باہر ہے تو اسی ترک کر دے اس طرح اس کی خلوت و جلوت دونوں سدھر جائیں گی۔

مشہور مثل ہے کہ انسان کانوں سے نہیں آنکھوں سے بنتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر مواعظ اتنے اثر انداز نہیں ہوتے جتنے کہ اعمال۔ انسان سب سے زیادہ باکردار آدمی سے متاثر ہوتا اور انہیں کی عزت کرتا ہے آپ برے سے برے آدمی کو دیکھیں گے تو وہ آپ کو شریف و باکردار شخص کی تعریف و عزت ہی کرتا نظر آئے گا۔ بس یہی اصول ہے جسے امام علیہ السلام نے اپنے محبوں کے لئے اس طرح بیان کیا ہے ”والنکونوا السادة صامنین“ اور یہ کہ تم ہمارے خاموش مبلغ بن جاؤ۔

امام علیہ السلام جس سیاسی حالات میں زندگی گزار رہے تھے اس کا ایک معمولی سا خاکہ آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ جہاں بولنا جرم اور بادشاہ وقت کی بجائے اپنی مرجعیت قائم کرنا یا حقوق و فرائض کی تبلیغ ناقابل معافی جرم

تھے ایسے عہد میں امام صادقؑ اگر اپنے داعیوں کو حکم دیتے کہ ملک بھر میں پھیل جاؤ اور لوگوں کو میری امامت کی دعوت دو تو یقیناً آپ کو بھی اسی طرح باغی ٹھہرایا جاتا جس طرح خاندان رسالت کی دوسری فردوں کو ٹھہرایا گیا اور جن کی جدوجہد محض بے نتیجہ رہی۔ ان حالات میں تبلیغ دین اور استحکام امامت کی محض ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ آپ کے اصحاب کردار سازی پر توجہ دیں بالیمان و باعمل بنیں تاکہ لوگ ان کے پیروکاروں اور دوسروں کے متبعین میں واضح فرق محسوس کریں اور یہ بات امامؑ کی طرف لوگوں کی توجہ کا باعث بنے اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے امامؑ نے فرمایا : اور یہ کہ تم ہمارے خاموش داعی بن جاؤ۔ یعنی تمہارا کردار ایسا ہونا چاہئے کہ لوگ خود متاثر ہوں اور تمہاری صحبت اختیار کریں اور تمہارے ہی مذہب کو درست سمجھیں یہی خاموش تبلیغ اور خاموش دعوت ہے جس پر امامؑ کے اصحاب باوفا نے عمل کیا اور آج آپؑ کے ماننے والے چہار دانگ عالم میں اس قدر پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ روایت جو اوپر گزری یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے آگے ایک اہم جزء ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کی سرشت میں تجسس و تحقیق کی عادت ڈال دی گئی تھی اور امامؑ بھی آج کے مولویوں کی طرح انہیں ڈانٹ کر چپ نہیں کرواتے تھے بلکہ ان کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ چنانچہ روایت کا دوسرا جزء یہ ہے کہ ”فقالوا : یا بن رسول اللہ و کیف ندعو و نحن صامتون؟“ اصحاب نے سوال کیا اے فرزند رسول ہم خاموش رہ کر آپ کی طرف کیسے دعوت دیں؟ ”فقال علیہ السلام : تعملون بما امرناکم بہ من العمل بطاعہ اللہ و تعاملون الناس بالصدق

والعدل وتؤدون الامانه و تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر ولا يطلع الناس منكم الا على خير۔ فاناروا ما انتم عليه علموا فضل ما عندنا فتنازعوا اليه۔ ”آپؐ نے فرمایا : ہم نے اطاعت الہی میں تمہیں جن باتوں کا حکم دیا ہے اس پر تم عمل کرو اور لوگوں سے صدق و عدل کے ساتھ معاملت کرو۔ امانتیں ادا کرو، تم اچھائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو اور لوگ تمہارے بارے میں سوائے خیر کے کچھ نہ جانیں۔ تو جب لوگ تمہاری روش اور طریقہ دیکھیں گے تو انہیں اس اعلیٰ و افضل تعلیم کا پتہ چلے گا جو ہمارے پاس ہے پس وہ اس کو اختیار کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کریں گے۔“

دیکھا آپؐ نے کہ امام علیہ السلام کس طرح تربیت کے ذریعے اور فکر و عملی انقلاب کے ذریعے حکومت و وقت کو کمزور اور مذہب کو قوی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپؐ نے بار بار اپنے اصحاب کو اس خاموش تبلیغ کی طرف متوجہ فرمایا۔

”قال ابو اسامہ : سمعت ابا عبد اللہ الصادق يقول : عليكم بنقوى الله والورع والاجتهاد وصدق الحديث واداء الامانه وحسن الخلق وحسن الجوار وكونوا دعاة لانفسكم بغير السنتكم وكونوا زينا ولا تكونوا شينا“ (معمول تغیر کے ساتھ الاصول من الکافی ج ۳۔ ص ۱۲۳، الوسائل ج ۱۱۔ ص ۱۹۳ و المحاسن ج ۱ ص ۲۰/ع)

”ابو اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ کو کہتے سنا تم پر اللہ کا تقویٰ ورع، اجتہاد، سچائی، ادائے امانت، حسن خلق، پڑوسی سے اچھا سلوک واجب ہے نیز یہ کہ تم اپنی طرف کچھ بولے بغیر دعوت دینے والے بن جاؤ اور یہ کہ باعث زینت ہو باعث شرمندگی نہ بنو۔“

”وقال ابن ابی یعفور : سمعت الصادقؑ يقول : كونوا دعاة للناس بغير السنتكم۔ ليروامنكم الاجتهاد والصدق والورع“ (الاصول من الکافی ۳/۲۴۳، الوسائل ج ۱۱- ص ۱۹۴)

”ابن ابی یعفور کہتا ہے کہ میں نے امام صادقؑ کو کہتے سنا : خاموشی سے لوگوں میں دعوت دینے والے ہو تاکہ وہ تم سے اجتہاد سچائی اور ورع کا مشاہدہ کریں۔“

امام علیہ السلام کی اس تربیتی مہم کے مختلف پہلوؤں کو ہم مختصراً ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

(۱) اعتقادی پہلو

عوام کے اعتقادات جو مختلف قسم کے تغیرات پیدا ہوئے نیز فلسفیانہ موشگافیوں اور دیگر اقوام و ملل کے اختلاط سے جو مباحث وجود میں آئے ان کا حل اور معتقدات کی اصلاح امام علیہ السلام کا بنیادی ہدف تھا۔ خدا کے وجود اور توحید کے دلائل۔ اس پر کئے جانے والے اعتراضات، اور اک عقلی، رسالت و امامت، قیامت، حساب اور شفاعت ایمان و عمل کا تعلق وغیرہ ایسے مباحث تھے جنہیں

امام علیہ السلام نے حل کیا۔

(۲) اخلاقی پہلو

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مندرج تین احادیث سے اندازہ ہوا ہو گا کہ آپ اپنے اصحاب کی روحانی تربیت اور اخلاق فائدہ کی پیدائش پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ کردار سازی آپ کا بنیادی نظریہ تھا اس ضمن میں آپ کے ہزاروں احادیث و اقوال موجود ہیں جنہیں اصول کافی و مسائل الشیعہ (کتاب الجہاد) اور اخلاقیات کی دوسری کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۳) اجتماعی پہلو

اجتماعی اور معاشرتی پہلو اس وقت وجود میں آتا ہے جب انسان معاشرے میں زندگی گزارے اور یہ انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے اگر ہم امام علیہ السلام کے احادیث پر نظر کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ معاشرتی زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جس کے متعلق حضرت کے واضح ارشادات موجود نہ ہوں۔ حسن صحبت، حسن جوار، ادائے امانت اور حسن معاشرت غرض ہر شعبے کے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں۔ اسی طرح امام علیہ السلام نے عبادات کے ساتھ ساتھ معاشرتی اعمال پر خاص توجہ دی ہے آپ نے فرمایا :

”لَا تَنْظُرُوا إِلَى طُولِ رُكُوعِ الرَّجُلِ وَ سَجُودِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ رِبْمًا يَكُونُ شَيْئًا قَدْ اعْتَادَهُ وَلَكِنْ انْظُرُوا إِلَى صِدْقِ حَدِيثِهِ وَأَدَاءِ أَمَانَتِهِ“

”کسی شخص کے لمبے لمبے رکوع اور سجدوں کو نہ دیکھو کیونکہ کبھی کبھی یہ

بات انسان محض عادتاً کرتا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ وہ کتنا سچ بولتا ہے اور

امانت ادا کرتا ہے یا نہیں۔“

آپ کی تعلیمات کا خلاصہ مسلمانوں کی اسلامی وحدت کی تشکیل اور انہیں اخوت کا احساس بیدار کرنا تھا آپ فرماتے ہیں : ”حب لا خبیك المسلم ما تحب لنفسك“ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ ایک اور موقع پر فرمایا :

”ان المؤمن اخو المؤمن كالجسد الواحد اذا اشتكى شيئا منه وجدالم ذلك فى سائر جسمه
۳۷۵۔ ان المؤمن اخو المؤمن هو عينه ودليله لا
يخونه ولا يظلمه ولا يغشه“ ۳۷۶

”ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے گویا کہ مومنین ایک جسم کی طرح ہیں اگر اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوئی ہے تو پورے جسم میں اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے وہ اس کی آنکھ ہے اس کی راہنما ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دھوکہ دیتا ہے۔“

”عن خيثمه قال : دخلت على ابى عبد الله لا ودعه
وانا اريد الشخوص۔ فقال : ابلغ مولينا السلام و
اوصهم بتقوى الله العظيم واوصهم ان يعود غنيهم
على فقيرهم و قويهم على ضعيفهم وان يشهد
حيهم جنازة ميتهم وان يتلاقوا فى بيوتهم فان فى

لقاء بعضهم حياة لامرنا۔ ثم قال : رحم الله عبدا
احيا امرنا۔ يا خبثمه انا لا نغنى عنهم من الله شيئا
الا بالعمل وان ولايتنا لا تدرك الا بالعمل وان
اسد الناس حسرة يوم القيامة رجل وصف عدلا ثم
خالف الى عمره " (معارفة الاخوان للصدوق ص ۱۵)

"خیشمہ کہتے ہیں کہ میں امام صادق علیہ السلام سے ملنے آیا تاکہ ایک سفر
پر جانے سے پہلے ان سے وداع ہو لوں۔ آپ نے فرمایا : ہمارے
دوستوں کو ہمارا سلام کہنا انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے
کی وصیت کرنا اور یہ بھی نصیحت کرنا کہ دولت مند غریبوں اور ناداروں
کی مدد کریں اور طاقت ور حضرات کمزوروں کی مدد کریں۔ جو زندہ ہے وہ
مرنے والے کے جنازے میں شرکت کرے اور ایک دوسرے کے
گھروں پر ملنے جایا کرو کیونکہ یہ ملاقاتیں ہمارے امر کی زندگی کا سرچشمہ
ہیں۔ پھر فرمایا : اللہ اس بندے پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ
کرتا ہے۔ اے خیشمہ بغیر عمل کے یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف ہم ان کے
لئے اللہ کے غضب سے بچنے کے لئے کافی ہوں اور یہ کہ ہماری محبت
صرف عمل ہی کی راہ سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ بھی کہ بے شک روز
قیامت لوگوں میں سب سے زیادہ حسرتناک وہ ہو گا جسے لوگ عادل کی
صفت سے پہچانتے ہوں پھر وہ دوسروں کے معاملے میں عدل سے کام نہ
لیتا ہو۔"

شیعہ کے معنی دوست اور پیرو کے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اس بات کا

دعویدار ہے کہ ہم شیعیان اہل بیت میں سے ہیں لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اس وقت تک اپنے کو شیعہ نہیں کہہ سکتے جب تک کہ ہم میں وہ صلوات نہ پائی جائیں جو ائمہ علیہم السلام نے اپنے شیعوں اور پیروکاروں کو بتائی ہیں۔ اس بارے میں ائمہ علیہم السلام اور خاص طور پر امام صادق علیہ السلام سے بہت کچھ منقول ہے :

”عن المفضل بن عمر قال : قال ابو عبد الله :
 احببر شيعتنا في خصلتين - فان كانتا فيهم والا
 فاعزب ثم اعزب قلت : ما هما؟ قال : المحافظة
 على الصلاة في مواقيتہم والمواساة للاخوان وان
 كان الشئ قليلا“

”مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا : ہمارے شیعوں کو دو خصلتوں سے پرکھو اگر وہ ان میں پائی جاتی ہیں تو خیر ورنہ انہیں چھوڑ دو، ورنہ انہیں چھوڑ دو۔ میں نے پوچھا وہ کون سی دو خصلتیں ہیں؟ فرمایا : ایک تو نماز وقت پر ادا کرنا اور دوسرے اپنے مومن بھائیوں کی مدد خواہ کتنی ہی تھوڑی سی چیز سے کیوں نہ ہو۔“ (مصادقہ الاخوان للصدوق ص ۱۶)

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا اور آپ کو پورا پورا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کس طرح امام علیہ السلام نے لوگوں کی تربیت کی اور کس طرح پند و نصائح و تعلیمات اسلامی سے ان میں صحیح مسلمان ہونے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی اور کس طرح تعلیمات اسلامی پر عمل کروایا۔

ارشادات امامؑ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشادات و احادیث سے کتابیں بھری پڑی ہیں ان میں سے انتخاب کرنا نہایت مشکل کام تھا اس لئے ہم نے مناسب یہ سمجھا کہ ساجد المکرم علامہ الشیخ فضل اللہ الحائری دام فیوضہ کی کتاب ”من مسند اہل بیتؑ“ جو ارشادات سے ائمہؑ کا انتہائی عمدہ اور کردار ساز انتخاب ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کے چند ارشادات تبرکاً چن لیں اور مع ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کر دیں۔ ہر قول کے آگے دو نمبر دیئے ہوئے ہیں داہنے ہاتھ کا نمبر اصل کتاب کا صفحہ نمبر ہے اور بائیں طرف کا عدد کتاب کے حوالوں کا ہے۔

(۱) ”ان العلم خلیل المؤمن و الحلم وزیرہ و العقل امیر جنودہ و البر فیق اخوہ و البر والدہ“ (ص ۳۶-۳۷ ج ۲)

”بے شک علم مؤمن کا دوست، بردباری اس کی وزیر، عقل اس کا سردار لشکر، نرم دلی اس کا بھائی اور نیکی گویا کہ اس کا باپ ہے۔“

(۲) ”من احب ان یکون اتقی الناس فلیتوکل علی اللہ“ (ص ۳۹-۶۰ ج ۲)

”جو یہ خواہش رکھتا ہے کہ سب سے زیادہ متقی بن جائے اسے اللہ پر توکل کرنا

چاہئے۔“

(۳) ”من سره ان يكون اقوى الناس فليتوكل على الله ومن سره ان يكون اكرم الناس فليتق الله ومن سره ان يكون اغنى الناس فليكن بما في يده الله اوثق منه في يده“
(ص ۳۹-۶۱۲)

”جو اس پر خوش ہو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ طاقت ور شمار ہو وہ اللہ پر توکل کرے اور جو اس پر خوش ہو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز بن جائے اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور جو لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہونا پسند کرتا ہو اسے اپنی ملکیت سے زیادہ اس انعام پر بھروسہ ہونا چاہئے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔“

(۴) ”قال الصادق - من اعطى ثلاثا لم يمنعه ثلاثا : من اعطى الدعاء اعطى الاجابه - ومن اعطى الشكر اعطى الزيادة - ومن اعطى التوكل اعطى الكفايه - ثم قال : اتلوت كتاب الله عز وجل : ومن يتوكل على الله فهو حسبه (الطلاق ۳) وقال : لئن شكرتم لازيدنكم (ابراہیم ۷) وقال : ادعوني استجب لكم (المومن ۶۰)“ (ص ۳۰-۶۱۲)

”امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کو اللہ تین چیزیں عطا فرماتا ہے اسے مزید تین چیزیں ضرور ملتی ہیں۔ جسے دعاء کی توفیق عطا ہوئی اسے قبولیت بھی عطا ہوتی ہے۔ جس کو شکر کی توفیق عطا ہوتی ہے اسے ترقی بھی عطا ہوتی ہے۔ جس کو توکل عطا ہوتا ہے اسے کفایت بھی عطا ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کیا تم نے قرآن کی تلاوت نہیں کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی

ہے۔ نیز فرمایا : اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ترقی دی جائے گی۔ نیز فرمایا : مجھے پکارو میں تمہاری دعا کا جواب دوں گا۔“

(۵) ”افضل العبادۃ اذمان التفکیر فی اللہ وفی قدرتہ“ (ص ۴۱)
- (۷۵)

”سب سے افضل عبادت اللہ اور اس کی قدرت پر مسلسل فکر کرتے رہنا ہے۔“
(۶) ”سئل الصادق عن قول اللہ تعالیٰ : لیبلوکم ایکم احسن عملا (الملک : ۲) قال : لیس یعنی اکثر عملا و لکن اصوبکم عملا“ و انما الاصابہ خشیہ اللہ والنیہ الصادقہوالحسنہ“ (ص ۴۲-۸۱)

”امام صادق سے اللہ تعالیٰ کے فرمان : (ناکہ تمہیں آزمائے کہ کون سب سے بہتر عمل کرتا ہے) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا اس سے کثرت عمل برا نہیں بلکہ عمل کا درست تر ہونا مراد ہے اور عمل کی درستگی سے مراد اللہ کا خوف اور سچی و نیک نیت ہے۔“

(۷) ”الابقاء علی العمل حتی یخلص اشد من العمل والعمل الخالص : هو الذی لا ترید ان یحمدک علیہ احد الا اللہ عزوجل والنیہ افضل من العمل“ (ص ۴۲-۸۱)
”کسی عمل کو اس وقت تک کرتے رہنا جب تک کہ وہ اللہ کے لئے خالص نہ ہو جائے خود عمل سے شدید تر ہے اور عمل خالص یہ ہے کہ تم اس پر کسی سے تعریف نہ چاہو سوائے خدا کے اور نیت عمل سے افضل ہے۔“

(۸) ”العدل احلی من الما یمصیبه الظمان۔ ما الوسع العدل

اذا عدل فيه وان قل“ (ص ۴۴-۴۳ ح ۹۴)

”عدل اس پانی سے زیادہ شیریں ہے جو کسی پیاسے کو مل جائے۔ عدل خواہ تھوڑی ہی سے مقدار کے بارے میں ہو کیا ہی وسیع ہوتا ہے۔“

(۹) ”اتقوا اللہ واعملوا فانکم تعیبون علی قوم لا یعدلون“ (ص ۴۴-۴۵ ح ۹۵)

”اللہ سے ڈرو اور عدل کیا کرو کیوں تم ہی ان لوگوں پر عیب لگاتے ہو جو عدل نہیں کرتے۔“

(۱۰) ”حسن الظن باللہ ان لا ترجو الا اللہ ولا تخاف الا ذنبک“ (ص ۴۶-۴۷ ح ۱۰۱)

”اللہ سے حسن ظن کے معنی یہ ہیں کہ تم سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھو۔ سوائے اپنے گناہ کے کسی سے نہ ڈرو۔“

(۱۱) ”قال الصادق : القیامہ عرسی المتقین“ (ص ۱۵۸ ح-)

”امام صادقؑ نے فرمایا : قیامت تقویٰ شعاروں کے لئے دلہن ہے۔ (جیت انسان کو دلہن کا اشتیاق ہوتا ہے ویسے ہی متقی کو قیامت کا)“

(۱۲) ”فحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا علیہا فان للقیامہ خمسین موقفا کل موقف مقام الف سنہ“ (ص ۶۲ ح- ۱۷۵)

”اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ کیونکہ قیامت میں تمہیں حساب کے لئے پچاس مرتبہ کھڑا کیا جائے گا اور ہر دفعہ قیام ایک ہزار

سال کے برابر ہو گا۔“

(۱۳) ”قال ابو حنیفہؒ للامام الصادقؑ یا ابا عبد اللہ : ما اصبرک علی الصلاۃ؟ فقال : اما علمت ان الصلاۃ قربان کلی تقی۔ وان الحج جہاد کل ضعیف و لکل شی زکاة و زکاة البدن الصیام، و افضل الاعمال انتظار الفرج من اللہ و الداعی بلا عمل کالر امی بلا وتر“ (ص ۹۸-۳۳۲ ج ۳)

”جناب ابو حنیفہؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا اے ابو عبد اللہ : آپ اتنی نمازیں پڑھنا کس طرح برداشت کر لیتے ہیں۔ فرمایا : کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نماز ہر متقی کو اللہ کی قربت عطا کرنے والی ہے۔ اور حج ہر کمزور کا جہاد ہے اور ہر شی زکاة بناتی ہے جب کہ بدن کی زکوة روزہ ہے۔ اور سب سے افضل عمل یہ ہے کہ انسان اللہ کی طرف سے کشادگی کا انتظار کرے اور بغیر عمل کے دعوت دینے والا ایسے ہی ہے جیسے بغیر کمان کے تیر چلانے والا۔“

(۱۴) ”ان العلماء ورثۃ الانبیاء۔ و ذاک ان الانبیاء لم یورثوا درہما ولا دینار و ما اورثوا احادیث من احادیثہم، فمن اخذ بشئی منها فقد اخذ حظا و افرا فانظروا علمکم ہذا عن تاحنونہ فان فینا اهل البیت فی کل خلف عدولا ینقون عنہ تحریف الغالین“ (ص ۱۱۸-۳۳۹ ج ۳)

”علماء بے شک انبیاء کے وارث ہیں اور یہ اس طرح ہے کہ انبیاء ورثے میں نہ درہم چھوڑتے ہیں نہ دینار بلکہ اپنی احادیث و ورثہ میں چھوڑتے ہیں پس جس نے ان احادیث میں سے کچھ اخذ کیا اس نے بڑا حصہ پایا۔ پس اپنے علم پر نظر رکھو کہ

کس سے تم یہ علم لے رہے ہو۔ کیونکہ ہم اہل بیت میں سے ہر ایک کے بعد ایک عادل شخص آتا ہے جو دین کو غالیوں کی تحریف سے پاک کرتا ہے۔“

(۱۵) ”ومن العلماء من يرى ان يضع العلم عند ذوى الشروة والشرف ولا يرى له فى المساكين وضعاً فذلك فى الدرک الثالث من النار“ (ص ۱۱۸-ج ۳۴۰)

”ایسے علماء بھی ہیں جو علم کو صاحبان ثروت کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں لیکن مساکین کے پاس نہیں رکھنا چاہتے یہ لوگ جہنم کے تیرے طبقے میں ہوں گے۔“

(۱۶) ”وقال الصادق : شرف المؤمن صلاته باللیل وعززه كف الاذى عن الناس“ (ص ۱۲۳-ج ۳۶۳) ”امام صادقؑ نے فرمایا : نماز تہجد مومن کے لئے باعث شرف ہے اور لوگوں کی پریشانیاں دور کرنا ان کی عزت کا سبب ہے۔“

(۱۷) ”وسئل من أكرم الخلق على الله؟ قال أكثرهم ذكر الله واعلمهم بطاعته“ (ص ۱۲۳-ج ۳۷۵)

”آپؑ سے پوچھا گیا کہ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے مکرم کون ہے؟ فرمایا جو ان میں ذکر الہی سب سے زیادہ کرتا ہے اور اس کی اطاعت کے مواقع کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔“

(۱۸) ”وقال : نوم الصائم عبادة وصمته تسبیح وعمله متقبل ودعائه مستجاب“ (ص ۱۳۸-ج ۵۳۱)

”فرمایا : روزہ دار کا سونا عبادت ہے، اس کی خاموشی تسبیح ہے، اس کا عمل اللہ تک پہنچنے والا ہے اور اس کی دعا قبول ہونے والی ہے۔“

(۱۹) ”علیٰ کل حرء من اجزائک زکاة واجبه للہ تعالیٰ بل علیٰ کل منبت شعر کبل علیٰ کل لحظہ“

”تمہارے بدن کے ہر جزء پر زکات واجب ہے اللہ کے لئے، بلکہ تمہارے ہر بال کی جڑ پر، بلکہ ہر دفعہ پلک کے جھپکنے پر بھی زکات ہے۔“

(۲۰) ”فرکاة العین النظر بالعبرة والغص عن الشهوات“
”پس آنکھ کی زکات عبرت کی نظر سے دیکھنا اور خواہشات نفسانی سے آنکھیں بند کرنا ہے۔“

(۲۱) ”ورکاة الاذان استماع العلم والحکمہ والقرآن وفوائد الدین من الموعظة والتصحیحہ وما فیہ نجاتک، والاعراض عما هو صدمہ من الکذب والغیبه واشباہہما“
”کاذبوں کی زکوٰۃ، علم، حکمت، قرآن، موعظہ اور نصیحت کے ذریعے دینی فوائد کو سنا اور ان باتوں کو سننا جو باعث نجات ہیں۔ اور اسی طرح ان کی ضد یعنی جھوٹ اور غیبت اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے منہ موڑنا۔“

(۲۲) ”ورکاة اللسان النصیح للمسلمین، وإيقاظ الغافلین وکثرة التسبیح والذکر وغیرہ“
”زبان کی زکات مسلمانوں کو نصیحت کرنا، غافلوں کو جگانا اور کثرت سے اللہ کا ذکر و تسبیح کرنا ہے۔“

(۲۳) ”ورکاة الید البذل والسخاء بما انعم اللہ علیک و تحریکھا بکتابہ العلم، و منافع ینتفع بها المسلمون فی طاعہ اللہ والقبض عن الشرور“

”ہاتھ کی زکات عطا، سخاوت اس چیز کے بارے میں جو اللہ نے تم پر انعام کی اور ہاتھ کا حرکت دینا علمی باتیں لکھنے کے لئے اور ایسے فائدہ بخش کام کرنا جن سے مسلمان اللہ کی اطاعت میں نفع اٹھائیں نیز ہاتھ کو برے کاموں سے بچانا۔“

(۲۳) ”وزکاة الرجل السعی فی حقوق اللہ من زیارة الصالحین، ومجالس الذکر واصلاح الناس وصلہ الرحم والجہاد، وما فیہ صلاح قلبک وسلامہ دینک“

”اور پاؤں کی زکات اللہ کے حقوق ادا کرنے کی سعی، نیک لوگوں سے ملنے جانا، مجالس ذکر میں شرکت، لوگوں کی اصلاح، رشتہ داروں سے سلوک، جماد اور ہر اس چیز کا اختیار کرنا جس میں تمہارے دل کی صلاح اور دین کی سلامتی ہے۔“ (قول نمبر ۱۹ تا ۲۳ : ص ۱۳۵-۱۳۸ ج ۵۸)

(۲۵) ”عن الصادقؑ قال : قال رسول اللہ : اذا بلغکم عن رجل حسن حال فانظروا فی حسن عقله فانما یجازی بعقله“ (ص ۱۵۸-۱۶۰ ج ۶۳)

”امام صادقؑ نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب تمہیں کسی شخص کے کردار کے بارے میں اچھی بات پتہ چلے تو یہ دیکھو کہ اس کی عقل کتنی اچھی ہے۔ کیونکہ جزاء عقل کے مطابق ہوگی۔“

(۲۶) ”قال الصادقؑ فی تفسیر قوله تعالیٰ : ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنه مسئولا : یسئل السمع عما سمع، والبصر عما نظر الیہ والفؤاد عما عقد علیہ“ (ص ۱۶۰-۱۶۳ ج ۶۵)

”امام صادقؑ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”بے شک سمع، بصر اور عقل سے باز پرس ہوگی“ کے بارے میں فرمایا : آنکھ سے اس کے بارے میں پوچھا جائے

کا جس کی طرف اس نے دیکھا۔ کان سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا جو اس نے سنا اور عقل سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی جس پر وہ اڑی رہی۔“

(۲۷) ”عن الصادقؑ قال لرجل : انک قد جعلت طبیب نفسک و بین لک الداء و عرفت آیه الصبحہ و دللت علی الدواء فانظر کیف قیامک علی نفسک“ (ص ۲۴-۲۸۵ج)

”امام صادقؑ نے ایک شخص سے فرمایا : تمہیں اپنے نفس کا خود ہی طبیب بنایا گیا ہے، تمہارا مرض تم پر واضح کر دیا گیا ہے۔ صحت کی علامت تمہیں بتا دی گئی ہے، دواء تک تمہاری راہنمائی کر دی گئی ہے۔ پس یہ دیکھو کہ تم اپنے نفس کا کس طرح خیال رکھتے ہو۔“

(۲۸) ”انفع الاشیاء للمرء سبقہ الناس الی عیب نفسہ“ (ص ۱۶۳-۲۸۹ج)

”انسان کے لئے سب سے نفع بخش چیز یہ ہے کہ لوگوں سے پہلے خود اپنے عیب جان لے۔“

(۲۹) ”العزلہ عبادۃ“ وان اقل العیب علی المرء قعودہ فی منزلہ“ (ص ۱۷۱-۷۳۲ج)

”برائیوں کے خوف سے تنہائی اختیار کرنا عبادت ہے۔ اور گھر میں بیٹھے رہنا ہی کسی انسان کا سب سے چھوٹا عیب ہے۔“

(۳۰) ”ان العقلاء انما اختاروا العزلہ لقلہ اخوان الصفا و خلان الوفاء والا فہم علموا ان المعاشرة مع الابرار الصالحین والاخیار المتقین افضل من الوحدة

والانفراد، ومن ینترک الاختیار اختیاراً ابتلی بلا شرار
اضطراراً“ (ص ۱۷۱-۷۲)

”عقلمند افراد صرف اخوان باصفا اور وفادار دوستوں کی قلت کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں ورنہ ان کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ ابرار صالحین اور اختیار متقین سے میل جول تھائی اور گوشہ گیری سے بہتر ہے اور اگر کوئی شخص نیک لوگوں کی صحبت اختیاری طور پر ترک کرتا ہے تو وہ لازمی طور پر بروں کے پھندے میں پڑ جاتا ہے۔“

(۳۱) ”اذا ردت الطهارة والوضوء فتقدم الى الماء، تقدمك الى رحمه الله، فان الله تعالى قد جعل الماء مفتاح قربته و مناجاته، وكما ان رحمته تطهر الذنوب، فان النجاسات الظاهرة يطهرها الماء وحده قال الله تعالى : وانزلنا من السماء ماء اطهور اوقال سبحانه وجعلنا من الماء كل شئ حي فكمما احى به كل شئ من نعيم الدنيا كذلك بفضلہ و رحمته حياة القلوب بالطاعات“ (ص ۱۷۳-۷۷)

”جب تم طہارت اور وضو کا ارادہ کرو تو پانی کی طرف بڑھو، یہ تمہیں رحمت الہی سے قریب کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو اپنی رحمت سے قربت اور مناجات کی کنجی بنایا ہے۔ اور جس طرح اس کی رحمت گناہوں سے پاک کر دیتی ہے اسی طرح ظاہری نجاستوں کو صرف پانی ہی دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ہم نے آسمان سے طہارت بخش پانی نازل کیا۔ نیز فرمایا : ہم نے پانی کے ذریعے ہر شے کو حیات دی۔ پس جس طرح اس نے پانی کے ذریعے دنیا کی ہر نعمت

کو زندگی دی اسی طرح اس کے فضل و رحمت سے اللہ کی اطاعت میں دلوں کی زندگی موجود ہے۔“

(۳۲) ”ما من عبد كظم غيظا الا زاده الله عز وجل به عزا ففى الدنيا والاخرة“ (ص ۱۷۶-۷۸۲)

”دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو اپنا غصہ ضبط کر لے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔“

(۳۳) ”من كظم غيظه وهو يقدر على انفاذه ملا الله قلبه امانا و ايمانا الى يوم القيامة“ وقال : نعمت الجرعه الغيظ لمن صبر عليها“ (ص ۱۷۶-۷۸۳)

”جس نے اپنا غصہ پیا حالانکہ وہ اسے اتارنے کی قدرت رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دیتا ہے یوم قیامت تک۔ نیز فرمایا کہ جو غصے پر صبر کرتا ہے اس کے لئے سب سے اچھا گھونٹ غصے کا گھونٹ ہے“

(۳۴) ”ثلاثة من مكارم الدنيا والاخرة ان تعفو عمن ظلمك وتصل من قطعك وتحلم اذا جهل عليك“ (ص ۱۷۸-۷۹۶)

”تین باتیں دنیا و آخرت میں مکرم کرنے والی ہیں۔ (۱) جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔ (۲) جو تم سے رشتہ توڑے اس سے تم رشتہ جوڑو۔ (۳) اور جب کوئی گستاخی کرے تو اسے برداشت کرو۔“

(۳۵) ”قال الصادق : انا اهل بيت مروء تنا العفو عمن ظلمنا“ (ص ۱۷۸-۷۹۷)

”آپؐ نے فرمایا : ہم اہل بیت ہیں، ہماری موت یہ ہے کہ جو ہم پر ظلم کرتا ہے ہم اسے معاف کردیتے ہیں۔“

(۳۶) ”قال : الحياء من الايمان والایمان من الجنة والرياء من الجفاء والجفاء من النار“ (ص ۱۷۹-۸۰۹ ج)

”میاں ایمان کا جزء ہے اور ایمان باعث جنت، دھوکہ وہی ظلم کا جزء ہے اور ظلم باعث دوزخ ہے۔“

(۳۷) ”ثلاث من لم تکن فیہ فلا یرجى خیرہ ابدا : من لم یخش الله فی الغیب، ولم یرعو عند الشیب ولم یستح من العیب“ (ص ۱۷۹-۸۱۰ ج)

”جس میں تین صفات نہ پائی جاتی ہوں اس کی بھلائی کی تمنا کبھی نہیں کی جاسکتی۔ وہ جو تمناؤں میں اللہ سے نہ ڈرے اور جو نو جوانی میں اپنے نفس کی نگہبانی نہ کرے اور جو اپنے عیب پر پشیمان نہ ہو۔“

(۳۸) ”ثلاثه اصول الکفر : الحرص، الاستکبار والحسد“ (ص ۱۸۱-۸۲ ج)

”کفر کی بنیادیں تین ہیں : لالچ، تکبر اور حسد۔“

(۳۹) ”من التواضع ان تسلم علی من لقیت“ (ص ۱۸۱-۸۲ ج)

”خاکساری کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ تم جس۔۔۔ کو سلام دو۔“

(۴۰) ”السخی کریم الذی ینفق ماله فی حق“ (ص ۱۸۳ ج)

”معزز سخی وہ ہے جو حق کی خاطر اپنا مال صرف کرے۔“

(۴۱) ”وسئل الصادق عن حد السخاء فقال : تخرج من

مالک الحق الذی اوجبه الله علیک فتضعه فی موضعه“
 ”امام صادقؑ سے سخاوت کی حد کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا : اللہ نے جو حق تم پر واجب قرار دیا ہے اسے نکال لو اور وہاں خرچ کرو جہاں اسے خرچ کرنے کا حکم ہے۔“ (ص ۱۸۳-۱۸۴ ج ۸۵۱)

(۴۲) ”سئل الامام الصادقؑ عن الزهد فی الدنیا : فقال : الذی یتزرک حلالہا مخافہ حسابہ و یتزرک حرامہا مخافہ عذابہ“ (ص ۱۸۹-۱۹۲ ج ۸۹۲)

”امام صادقؑ سے دنیاوی زہد کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا : زاہد وہ ہے جو دنیا کی حلال چیزوں کو حساب کے خوف سے چھوڑ دے اور حرام چیزوں کو عذاب کے خوف سے ترک کر دے۔“

(۴۳) ”عن ابی بصیر قال : قال لی الصادقؑ یا ابا محمد علیکم بالورع والاجتهاد وصدق الحدیث واداء الامانہ وحسن الصحابہ لمن صحبکم وطول السجود فان ذلک من سنن الاولین“ (ص ۱۹۱-۱۹۴ ج ۹۰۴)

”ابو بصیر کہتے ہیں کہ امام صادقؑ نے مجھ سے فرمایا : اے ابو محمد تم لوگوں پر تقویٰ اور اجتہاد بات کی سچائی، امانتوں کا ادا کرنا، حسن صحبت جو تمہاری صحبت اختیار کرنے والوں کی طوالت لازم ہے کیونکہ یہ پہلوں کی سنت ہے۔“

(۴۴) ”اغنی الغنی القناعہ وقال ایضاً الرجل یعظہ : اقنع بما قسم الله لک ولا تنظر الی ما عند غیرک ولا تتم ما نیت نایله فانہ من قنع شئ من یسع لم یشبع وخذ حظک من آخر نک“ (ص ۱۹۲-۱۹۸ ج ۹۱۸)

”سب سے بڑی تو گہری قناعت ہے۔ نیز ایک شخص کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا : جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر قناعت کرو اور ر

نظر نہ لگاؤ جو دوسروں کے پاس ہے اور جو چیز تم پانہیں سکتے اس کی تمنا نہ کرو کیونکہ جس نے قناعت کی گویا وہ سیر ہو گیا اور جس میں قناعت نہیں ہوتی وہ کبھی سیر نہیں ہوتا۔ تمہیں اپنی آخرت میں سے حصہ لینا چاہئے۔“

(۳۵) ”قال الصادق : ثلاثہ لا بد من ادائہن علی کل حال : الامانہ الی البر والفاجر، والوفاء بالعہد للبر والفاجر، وبر الوالدین برین کانا او فاجرین“ (ص ۱۹۳-ج ۹۲۳)

”امام صادقؑ نے فرمایا تین حق ہیں کہ جنہیں ہر حال میں ادا کرنا چاہئے۔ نیک اور بد دونوں کی امانت ادا کرنا، وعدہ پورا کرنا خواہ نیک سے ہو خواہ بد سے، والدین سے حسن سلوک خواہ وہ نیک کردار کے ہوں خواہ بد کردار۔“

(۳۶) ”قال الصادق : احب العباد الی اللہ عزوجل رجل صدوق فی حدیثہ، محافظ علی صلواتہ وما افترض علیہ مع اداء الامانہ، ثم قال : من ائتمن علی امانہ فاداءا فقد حل الف عقدہ من عنقہ من عقد النار فبادر و اداء الامانہ“ (ص ۱۹۳-ج ۹۲۵)

”امام صادقؑ نے فرمایا : بندوں میں سے اللہ کے نزدیک ترین وہ ہے جو اپنے قول میں سچا، نماز پابند اور ادائے امانت کے ساتھ تمام فرائض کا پورا کرنے والا ہے۔“

”فرمایا : جس کو کسی چیز امانت لیا اور اس نے امانت ادا کر دی اس نے اپنی گردن سے آگ کے ارطوق اتار پٹینگے۔ پس تم ادائے امانت میں جلدی کرو۔“

(۳۷) ”عن عبد اللہ بن سنان قال : دخلت علی الصادق و قد صلی العصر و هو حالس مستقبل القبلہ فی المسجد فقلت : یا بن رسول اللہ ان بعض السلاطین یا من اعی الاموال یستودعناھا و لیس یدفع الیکم خمسکم افنوء

دیہا الیہم؟ قال : ورب هذه القبلة لو ان ابن ملجم قاتل ابی
انتمننی علی الامانہ لا دیتہالہ“ (ص ۱۹۳-۹۲۶ ج ۹۲۶)

”عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کے پاس پہنچا تو آپ مسجد میں نماز
عصر پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے اور قبلہ رخ بیٹھے ہوئے تھے، میں نے عرض کی ای
فرزند رسولؐ۔ بعض صاحبان اقتدار ہمارے پاس اپنے اموال بطور امانت رکھواتے
ہیں لیکن آپ کا حق خس ادا نہیں کرتے تو کیا پھر بھی ہم امانتیں ان کو واپس
کریں؟ آپ نے فرمایا : رب کعبہ کی قسم اگر ہمارے جد امیر المومنینؑ کا قاتل
ابن ملجم بھی ہمارے پاس امانت رکھواتا تو میں اسے بھی امانت واپس کر دیتا۔“

(۳۸) ”قال : مابعث اللہ نبیا قط الا بصدق الحدیث واداء
الامانہ“ (ص ۱۹۳-۹۲۸ ج ۹۲۸)

”فرمایا : اللہ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ سچائی اور ادائے امانت کے
ساتھ۔“

(۳۹) ”بروا آبائکم بیرکم ابنائوکم و غضوا عن النساء
یغض عن نسائکم“ (ص ۱۹۶-۹۳۵ ج ۹۳۵)

”اپنے والدین سے حسن سلوک کرو تمہارے بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک
کریں گے۔ دوسروں کی عورتوں کو نہ دیکھو لوگ تمہاری عورتوں کو بھی نہیں
دیکھیں گے۔“

(۵۰) ”عن الصادق صل رحمک ولو بشر بہ ماء و افضل ما
توصل بہ الارحام کف الاذی“ (ص ۱۹۹-۹۶۳ ج ۹۶۳)

”صلہ رحم کرو خواہ پانی کا ایک گھونٹ سے ہی ہو اور سب افضل چیز صلہ رحم کے
لئے دوسرے کی مصیبت کو دور کرنا ہے۔“

”الحمد لله كما هو اهله على اتمام هذا الكتاب“

مصادر و ماخذ

- ۱- الامام الصادق محمد بنی زهره - ص ۷۶
- ۲- الفصول المحمده - ص ۲۰۹
- ۳- مناقب ابن شمر آشوب الجزء الخامس - ص ۵۵، طبع بمبئی
- ۴- الصادق - ۱/ ۱۵۳
- ۵- اعیان الشیعه - ۲/ ۳ - ص ۲۹، طبع بیروت سن ۱۹۶۰ھ
- ۶- الکافی - ج ۱ - ص ۲۸۳، الوسائل - ج ۹ - ص ۷۰۷
- ۷- الاصول من الکافی - ج ۱ - ص ۷۲، طبع جدید
- ۸- اعیان الشیعه - ج ۲ - ص ۲۵۵، ترجمه ۹۳۶۷، طبع بیروت ۱۹۵۸ھ
- ۹- الارشاد للمفید - ص ۲۸۲، حجری اردو ترجمه - ص ۳۲۶
- ۱۰- وفیات الاعیان - ج ۱ - ص ۲۸، ۲۲
- ۱۱- قرب الاسناد - ص ۲۱۰
- ۱۲- مستحی الامال ۲/ ۸۱ - طبع گراوری
- ۱۳- کشف الغمہ - ج ۲ - ص ۳۲۲
- ۱۴- ملاحظه ہو مناقب ج ۵ - ص ۱۹، بمبئی، اعلام الوری ص ۲۶۵، الارشاد ص ۲۸۸
- ۱۵- سیرة الائمة الاثنی عشر ج ۲ - ص ۳۰۳
- ۱۶- ملاحظه ہو مطالب السؤل ص ۸۲، کشف الغمہ ج ۲ - ص ۷۸، مناقب ابن شمر آشوب ج ۵ - ص ۵۵، بمبئی، ارشاد شیخ مفید ص ۳۱۵ و ما بعد
- ۱۷- تهذیب التهذیب ۲/ ۱۰۵، حیات الامام الصادق علیہ السلام

للمسبیتی ص ۷۱، اشع من حیات الامام الصادق ج ۳ - ص ۵۸
 ۱۸ - الحاصل للصدق - ص ۷۹، علل الشرائع ص ۲۳۳، امالی شیخ صدوق
 ص ۱۶۹، مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ - ص ۳۹۵ طبع تہران
 ۱۹ - قرب الاسناد ص ۱۱

۲۰ - کافی جلد ۶ - ص ۳۵۲

۲۱ - ملاحظہ ہو اعیان الشیعہ ۲/۲ - ص ۳۴

۲۲ - اعیان الشیعہ - ج ۲/۲ - ص ۳۲، کافی ج ۶ - ص ۳۴۳

۲۳ - ایضاً - ص ۳۴۴

۲۴ - کافی - جلد ۶ - ص ۳۵۰

۲۵ - دونوں روایتوں کے لئے دیکھیں کافی جلد ۶ - ص ۴۶۲، یہاں اس لفظ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے علامہ مجلسی وغیرہ نے اسی کسر کسر سے لیا ہے جس کے معانی توڑنے کے ہیں جو یہاں مناسب معلوم نہیں ہوتے میرے خیال میں یہ لفظ کسر کسر سے ہے اور ٹوپی کے حوالے سے یا تو ”کسر الطائر جناحیہ“ یعنی پرندے نے اڑنے کے لئے پروں کو سمیٹنا سے ماخوذ ہے اس لئے ترجمہ گھٹی ہوئی ٹوپی ہو گا یا پھر ”کسر من طرفہ و علی طرفہ“ یعنی جھکانا اطراف سے یا نظروں کو جھکانا تو اس مفہوم کے لحاظ سے اس کے معانی اطراف سے لمبی کے ہوں گے یہی بلاغت ہے۔

۲۶ - کافی ج ۶ - ص ۴۶۰

۲۷ - کافی ج ۶ - ص ۳۴۳

۲۸ - حلیہ الاولیاء المجلد الثالث - ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر، رجال الکشی ص ۳۳۶

طبع کرطاو مستحی الامال ج ۲ - ص ۸۴

۲۹ - ثواب الاعمال ص ۱۷۳

۳۰ - الکافی جلد ۳ - ص ۸

۳۱ - المحاسن للبرقی - ص ۲۰۰

۳۲ - الکافی جلد ۶ - ص ۲۷۹

۳۳ - حلیۃ الاولیاء ج ۳ - ص ۱۹۳ مطبوعہ مصر

۳۴ - تینوں روایتوں کے لئے ملاحظہ ہو کشف الحقائق ص ۶۳ تا ۶۵

۳۵ - المحاسن ص ۲۰۰

۳۶ - ایضاً - ص ۲۰۱

۳۷ - دیکھو بحار الانوار - ج ۱، الکافی ج ۸ - ص ۱۶۴ طبع حجری ذکر امام ج

صادق و امالی طوسی ص ۶۶، الکافی جلد ۶ - ص ۲۷۹

۳۸ - اعیان الشیعہ ۲/۴ - ص ۱۳۶، الصادق المنظری ۱/۲۶۴

۳۹ - رجال الکشی ص ۱۲۱

۴۰ - الکافی جلد ۳ - ص ۲۱

۴۱ - رہن الکشی ص ۲۳۵

۴۲ - الکافی جلد ۳ - ص ۲۴

۴۳ - کافی ج ۴ - ص ۲۳

۴۴ - الکافی ج ۴ - ص ۶۱

۴۵ - الکافی ج ۶ - ص ۲۷۸

۴۶ - الکافی ج ۶ - ص ۲۷۹

- ۴۷۷ - الکافی ج ۶ - ص ۲۷۹
 ۴۸۷ - الکافی ج ۶ - ص ۳۲۸
 ۴۹۷ - ملاحظه ہو بحار الانوار ج ۱۱ طبع حجری
 ۵۰۷ - الکافی ج ۶ - ص ۳۶۴
 ۵۱۷ - الکافی ج ۲ - ص ۸۳
 ۵۲۷ - الکافی ج ۵ - ص ۱۷۴، الناقب ج ۵ - ص ۵۲ طبع بمبئی
 ۵۳۷ - الکافی ج ۵ - ص ۲۸۹
 ۵۴۷ - الکافی ج ۲ - ص ۲۰۹
 ۵۵۷ - الکافی ج ۵ - ص ۱۲۶
 ۵۶۷ - الارشاد ص ۲۸۹ طبع جدید
 ۵۷۷ - الارشاد ص ۲۷۱
 ۵۸۷ - ۵۹۷ - کفایہ الاثر
 ۶۰۷ - بحار الانوار ج ۱۱ - ص ۱۰۸ طبع حجری نیز الارشار ص ۲۸۹، اعلام الوری
 ص ۳۶۹، الکافی ج ۱ - ص ۳۰۶
 ۶۱۷ - عیون اخبار الرضا - ج ۱ - ص ۴۰ طبع طهران
 ۶۲۷ - الکافی ج ۱ - ص ۳۰۶ طبع طهران
 ۶۳۷ - ملاحظہ صحیح الکافی جلد ۱ - ص ۳۶
 ۶۴۷ - میزان الاعتدال ج ۱ - ص ۱۹۲
 ۶۵۷ - تنذیب الاسماء واللغات ج ۱ - ص ۱۳۹
 ۶۶۷ - فوات الوفيات ج ۱ - ص ۵۵، الطبقات الشافعیہ ج ۵ - ص ۱۳، حسن

المحاضرة للسيوطي ج ۱ - ص ۲۶۷ - معظم المطبوعات ص ۹۸ - ج ۲

۶۷ - نور الابصار ص ۳۶۱

۶۸ - ادب الكاتب بحواله زندگانی چهارده معصوم ص ۹۸ حسین عمادزاده ایران

۶۹ - اسعاف الراغبین در حاشیه نور الابصار ص ۲۰۸

۷۰ - لوائح الانوار و معظم المطبوعات ج ۲ - ص ۱۳۶

۷۱ - تذكرة خواص الامه ص ۱۹۲

۷۲ - مطالب السؤل ج ۲ - ص ۵۵ طبع نجف الاشرف

۷۳ - الصواعق المحرقة ص ۱۹۹

۷۴ - بحار الانوار ج ۱۱ - ص ۲۸، المناقب ابن شهر آشوب ج ۲ - ص ۱۳ طبع

ایران

۷۵ - جامع مسانید ابی حنیفه ج ۱ - ص ۲۲۲، مناقب ابی حنیفه للموفق ج ۱ -

ص ۱۳، تذکره الحفاظ للذهبی ج ۱ - ص ۱۵

۷۶ - التحفة الاثني عشرية ص ۸

۷۷ - مناقب ابی حنیفه ج ۱ - ص ۱۳۲

۷۸ - ۷۹ - تهذيب التهذيب ج ۲ - ص ۱۰۲

۸۰ - المجالس السنية محسن الامين ج ۵ - ص ۲۰۹

۸۱ - مناهج التوسل ص ۱۰۶

۸۲ - رسائل الجاحظ للسندوبی ص ۱۰۶

۸۳ - صحاح الاخبار - ص ۲۲

۸۴ - تاريخ التشريع الاسلامي ص ۲۶۳

۹۷۔ - ان تمام فرقوں کے تفصیلی مطالعے کے لئے الملل والنحل للشہرستانی ج ۱
- ص ۴۳ تا ۸۴، المذاہب الاسلامیہ ص ۱۷۳ تا ۲۱۹ اور تاریخ معتزلہ از علامہ
جار اللہ ملاحظہ فرمائیں۔

۹۸۔ - الملل والنحل ابن حزم ج ۱۔ ص ۱۸۹

۹۹۔ - تفصیل کے لئے دیکھئے ابن حزم الملل والنحل ج ۲۔ ص ۲۰۴، المذاہب
الاسلامیہ ص ۱۶۷ وما بعد، الملل والنحل للشہرستانی ج ۱۔ ص ۱۳۹ تا ۱۳۶

۱۰۰۔ - النعمان ص ۱۰۶۔ حصہ دوم

۱۰۱۔ - مناقب ابی حنیفہ الکردری ج ۲۔ ص ۱۴۱

۱۰۲۔ - تاریخ بغداد ج ۱۳۔ ص ۲۷۳

۱۰۳۔ - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو النعمان ص ۱۰۳-۱۰۱۔ شبلی نعمانی

۱۰۴۔ - الفرق بین الفرق ص ۲۳، الملل والنحل ج ۱۔ ص ۱۱۵

۱۰۵۔ - المفید : المسائل الجلیہ فی الرد علی الزیدیہ ورقہ ۳ (مخطوط مکتبہ الیہد
محسن الحکیم برقم ۲۱۸)

۱۰۶۔ - ثورۃ زید بن علی۔ ص ۱۶۹

۱۰۷۔ - ابن ندیم : الفہرست ص ۲۶۷

۱۰۸۔ - ناجی حسن ثورۃ زید بن علی ص ۱۶۹۔ STROTH MAN : DAS

STAATSRACHE DER ZAIDITEN-P-23

۱۰۹۔ - زید بن علی : کتاب الصفوۃ ورقہ ۱۰ مخطوط مصورة عن مخطوط المتحف

البریطانی برقم ۲۰۳

۱۱۰۔ - ثلاث رسائل للباحظ (نشرها السندوی) ص ۲۴۱

۱۱۱۔ مقالات الاسلامیین ۱/۱۳۴

۱۱۲۔ الرصاص : مصباح العلوم ورقہ ۱۷۹ تا ۱۷۰، یحییٰ ابن الحسین الوعد والوعید ص ۳ تا ۵۰، القاسم بن ابراہیم مسائل مشورۃ للقاسم، یحییٰ ابن الحسین المسترشد شد فی التوحید، الاساس فی علم الکلام عند الزیدیہ قاسم بن ابراہیم الرسی وغیرہ میں تفصیل موجود ہے یہ سب مخطوط ہیں امام زید از ابو زہرہ اردو میں موجود ہے۔ (تفخیص)

۱۱۳۔ المقدسی : البدء والتاریخ ج ۵۔ ص ۱۳۳۔ الملل والنحل ج ۱۔ ص ۱۲۱۔
الحجور العین ص ۱۵۶۔

۱۱۴۔ STROTH MAN : DAS STAATSRACHE DER ZAIDITEN

-91

۱۱۵۔ النخبی : فرق الشیعہ ص ۲۸ تا ۵۲

۱۱۶۔ مقالات الاسلامیین ج ۲۔ ص ۱۲۵

۱۱۷۔ المناقب ج ۲۔ ق ۲۔ ص ۲۳۲ طبع ایران، الذکری للشمید حجری، کشف

الغمر ج ۲۔ ص ۲۲۶، اعیان الشیعہ ج ۳۔ ق ۲۔ ص ۱۷۱

۱۱۸۔ اعلام الوری ص ۲۷۷

۱۱۹۔ اعیان الشیعہ ج ۳۔ ق ۲۔ ص ۱۷۱

۱۲۰۔ الارشاد ص ۳۰۰ حجری

۱۲۱۔ الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۱۔ ص ۶۷

۱۲۲۔ نفس المصدر

۱۲۳۔ نفس المصدر

۱۳۴ - نفس المصدر

۱۳۵ - الرجال للنجاشی ۳۱، فحی الاسلام ج ۳ - ص ۳۶۳ ذاکثر احمد امین

۱۳۶ - البدایہ والنہایہ ج ۱۰ - ص ۱۰۷

۱۳۷ - مقدمہ او جز المسالك ص ۵۶

۱۳۸ - مناقب النعمان الموفق ج ۱ - ص ۵۳ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ - ص ۱۵۰

۱۳۹ - امام اعظم ابو حنیفہ ص ۵۸

۱۴۰ - سیرۃ النعمان ص ۳۶ جلد اول

۱۴۱ - خلاصہ الکمال - ص ۵۶

۱۴۲ - تاریخ بغداد ج ۸ - ص ۱۸۸ و الخلاصہ ص ۷۴

۱۴۳ - نفس المصدر

۱۴۴ - تہذیب التہذیب ج ۱ - ص ۲۶۰ - ۲۸۲

۱۴۵ - معلم کبیر ج ۲ - ص ۹۷ - ۹۹

۱۴۶ - معلم کبیر ج ۲ - ص ۱۰۰

۱۴۷ - ملاحظہ فرمائیں الامام الصادق ص ۴۵ - ۲۱۵

۱۴۸ - بحار الانوار ج ۴ - ص ۳۱ طبع جدید

۱۴۹ - بحار الانوار ج ۴ - ص ۳۲ طبع جدید

۱۵۰ - التوحید ص ۱۱۲، بحار الانوار ج ۴ - ص ۳۳، الامالی ص ۳۳۴ - المجلس

الراجع والتون ج ۳

۱۴۱ - بحار الانوار ج ۴ - ص ۵۴ طبع جدید

۱۴۲ - التوحید ص ۷۶، بحار الانوار ج ۴ - ص ۱۴۰

- ۱۳۳ - التوحيد ص ۳۶۴ - بحار الانوار ج ۵ - ص ۱۱۲
 ۱۳۴ - التوحيد ص ۳۶۴ حاشیه
 ۱۳۵ - نفس المصدر ص ۳۶۵
 ۱۳۶ - بحار الانوار ج ۵ - ص ۱۱۲
 ۱۳۷ - مرآة العقول للمجلسی ج ۲ - ص ۱۷۹
 ۱۳۸ - بحار الانوار ج ۵ - ص ۱۱۲ طبع تهران ۱۳۷۶ سن
 ۱۳۹ - اصول الکافی ج ۱ - ص ۱۵۶
 ۱۵۰ - اصول الکافی ج ۱ - ص ۱۵۸
 ۱۵۱ - مرآة العقول ج ۲ - ص ۱۸۳
 ۱۵۲ - اصول الکافی ج ۱ - ص ۱۵۸ طبع علی اکبر غفاری - الاعراف آیت ۲۸
 ۱۵۳ - اصول الکافی ج ۱ - ص ۱۵۸
 ۱۵۴ - صحیح الکافی ج ۱ - ص ۲۰-۱۹
 ۱۵۵ - مرآة العقول للمجلسی ج ۲ - ص ۱۸۷
 ۱۵۶ - اصول الکافی ج ۱ - ص ۱۵۹-۱۰ ج
 ۱۵۷ - نفس المصدر ج ۹
 ۱۵۸ - التوحيد للصدوق ص ۲۲۳
 ۱۵۹ - من المصنف هذا الكتاب
 ۱۶۰ - ومن هنا الى آخره جزء من الروایه
 ۱۶۱ - التوحيد ص ۲۲۶-۲۲۷
 ۱۶۲ - كما صرح به الشيخ الصدوق في كتابه التوحيد ص ۲۲۹

۱۶۳ - العنکبوت : ۱۷

۱۶۴ - ص : ۷

۱۶۵ - التوحید ص ۲۲۵

۱۶۶ - مفصل فاصلے والی۔ موصل جن آیات میں وصل ہو یعنی باہم ملی جلی
ایک ہی مطلب کے مسلسل بیان والی۔

۱۶۷ - البقرہ : ۲۳۳-۲۸۶ الانعام : ۱۵۲ الاعراف : ۴۲ المومنون
۶۲ :

۱۶۸ - الانعام : ۱۶۴ والاسراء : ۱۵ فاطر : ۱۸ الزمر : ۷

۱۶۹ - النجم ۳۹

۱۷۰ - التوحید ص ۳۰۷

۱۷۱ - التوحید ص ۳۰۶-۳۰۵

۱۷۲ - اشع من بلاغہ الامام الصادق ص ۲۲-۲۳ الشیخ عبدالرسول الواحظی

۱۷۳ - فرق الشیعہ للنوینجی ص ۴۹

۱۷۴ - روضہ الکافی ص ۳۶۳ حدیث نمبر ۵۳

۱۷۵ - سیرۃ النعمان ص ۱۱۳-۱۰۷

۱۷۶ - اشع من بلاغہ الامام الصادق ص ۳۲ تا ۳۷ الشیخ عبدالرسول الواحظی و

اصول الکافی کتاب الایمان وا کفر ج ۳ - ص ۶۲-۵۶ بالترجمہ فارسی یہ پوری

حدیث اسماعیلی فرقے کی مشہور کتاب دعائم الاسلام ج ۱ - ص ۴ تا ۱۱ پر چند اضافوں

کے ساتھ موجود ہے۔ طبع دار المعارف القاہرہ

۱۷۷ - یہ آیت حضرت عمار یا سر کے بارے میں نازل ہوئی۔ تفسیر صافی

ص ۲۸۱ آیہ مذکورہ (النحل ۱۶) - آیت ۱۰۶

۱۷۸ - الفہرست للٹوسی ص ۴۰

۱۷۹ - التجاشی ص ۷ - خلاصہ الرجال ص ۱۲، جامع الرواۃ ج ۱ ص ۹، وسائل

جلد ۲ - ص ۱۱۶

۱۸۰ - معجم الادباء ج ۱ - ص ۱۱۷

۱۸۱ - میزان الاعتدال ج ۱ - ص ۴

۱۸۲ - طبقات ابن سعد ج ۶ - ص ۲۵۰ نیز ملاحظہ فرمائیں - تہذیب التہذیب

ابن حجر ۱/۹۳ فہرست ابن ندیم ۳۰۸ لغیۃ الوعاة ۱۷۶، شذرات الذهب ۱/۲۵۰،

طبقات القراء للجزری ۱/۸۶ وغیرہ

۱۸۳ - جامعہ الرواۃ ج ۱ ص ۹ وقاموس الرجال تذکرہ ابان -

۱۸۴ - منہج المقال ص ۸۶

۱۸۵ - فہرست ابن ندیم ص ۳۰۸

۱۸۶ - لسان المیران ص ۲۴

۱۸۷ - الامام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۷۴

۱۸۸ - نفس المصدور ج ۲ - ص ۶۰

۱۸۹ - التجاشی ص ۱۰، تنقیح المقال ج ۱ - ص ۶، للمامقانی -

۱۹۰ - جامع الرواۃ ج ۱ - ص ۱۲، تنقیح المقال ج ۱ - ص ۷ - ۶

۱۹۱ - ان کے تذکرے کے لئے دیکھیں معجم الادباء ج ۱ - ص ۹-۱۰۸، لسان

المیران ۱/۲۴، لغیۃ الوعاة ۱۷۷، الفہرست للٹوسی ۱۸، منہج المقال ص ۱۶

للاستر آبادی، تنقیح المقال للمقامانی ج ۱ - ص ۷-۵، جامع الرواۃ ج ۱ - ص ۱۵

۱۹۲ - الکشی ۱۰ بسند صحیح ص ۱۲۰، جامع الرواة ج ۱ - ص ۱۳۹، تنقیح المقال ج ۱ - ص ۱۸۱

۱۹۳ - النجاشی ۹۲ - خلاصہ ۱۸ - الفہرست للطوسی ۶۹، جامع الرواة ۱/۱۶۵، الکشی طبع کر بلا ۲۱۶

۱۹۴ - الامام الصادق والمذاهب الاربعہ ج ۲ - ص ۶۲

۱۹۵ - جامع الرواة ج ۱ - ص ۲۷۰، رجال الشیخ ۳/۱۷۳

۱۹۶ - النجاشی ۱۰۱ - خلاصہ ۲۸، الفہرست للطوسی ۹۱، جامع الرواة ۱/۱۷۵، الکشی

۱۹۷ - رجال الکشی ص ۲ - ۲۲۰ طبع کر بلا

۱۹۸ - تنقیح المقال ج ۳ - تذکرہ ہشام

۱۹۹ - اصول کافی ج ۲ - ص ۱۳

۲۰۰ - الامام الصادق والمذاهب الاربعہ ج ۲ - ص ۸۲

۲۰۱ - مصنفات ہشام و مناظرات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں الامام

الصادق والمذاهب الاربعہ ج ۲ - ص ۸۵-۸۳

۲۰۲ - ہشام کے تفصیلی تذکرے کے لئے دیکھیں فہرست ابن ندیم ۲۳۹،

الملل والنحل ج ۱ - ص ۳۰۸ و لسان المیران ج ۶ - ص ۱۹۳، المراجعات شرف

الدین ص ۳۰۱-۳۰۰، والانصار الموضح، فہی الاسلام احمد امین ج ۳ - ص ۲۶۸

۱، عقد الفرد ج ۱ - ص ۳۶۰، عیون الاخبار لابن تیمیہ ۲/۱۵۰، جامع الرواة ۲/۳۱۳،

نبج المقال ۳۵۶

- ۲۰۳ - الکشی ص ۳۲۶ طبع کرپلا
- ۲۰۴ - ملاحظہ فرمائیں جامع الرواة ۲/۲۳۸
- ۲۰۵ - نفس المصدر
- ۲۰۶ - تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں منہج المقال ص ۶۶، جامع الرواة ۱/۱۷۷
- الامام الصادق - المختصر ص ۱۳، الکشی ص ۸-۲۰۶
- ۲۰۷ - جامع الرواة ۱/۱۹۷
- ۲۰۸ - جامع الرواة ۱/۲۷۳، خلاصہ تہذیب الکمال ۷۸، منہج المقال ۱۳۲
- ۲۰۹ - تہذیب التہذیب ۲/۱۸۷، المعارف لابن قتیبة ۳۶۸
- ۲۱۰ - الکشی ص ۲۹۸
- ۲۱۱ - الکشی ۲۹۸، جامع الرواة ۱/۲۸۱، خلاصہ الرجال ۲۷
- ۲۱۲ - تفصیل کے لئے لسان الحیزان ۵/۲۰۰، فہرست ابن ندیم ۲۵۰، الملل والنحل للشہرستانی ۱/۱۱۳، جامع الرواة ۱/۱۵۸، فہی الاسلام ۳/۱-۲۷۰، منہج المقال
- ۲۱۰، الفہرست للہوئی ص ۱۳۱، لباب الانساب ۲/۴۲، الکفی والالقاب ۲/۲۹۸-۹، الکشی ۲۹۸
- ۲۱۳ - الکفی والالقاب ج ۲- ص ۲۹۸
- ۲۱۴ - الامام الصادق والمذہب الاربعہ جلد ۲- ص ۷۲
- ۲۱۵ - جہاں تک فقہی مدارس کا تعلق ہے تو ان بڑے فقہی مدارس نے بعد میں یہ صورت اختیار کی ورنہ ابتداء میں ان کی یہ حیثیت نہ تھی مدینہ میں سعید بن مسیب، قاسم بن محمد، یسار ابن شہاب زہری، امام باقرؑ ابو زناد مکہ میں مکرمہ مولیٰ ابن عباس، عطاء بن ابی رباح۔ کوفہ میں علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، شریح

بن حارث ابراہیم نفعی، سعید بن جبیر، بصرہ میں انس بن مالک، مولیٰ محمد بن سیرین اور قتادہ۔ شام میں قیس بن ذؤب، مکحول، عمر بن عبدالعزیز، مصر میں یزید بن ابی حبیب، یمن میں یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ کے حلقہ ہائے درس قائم تھے اور ان کے مقلدین ان فقہاء سے زیادہ تھے بعد میں حکومت کی سرپرستی میں ان فقہوں نے عروج حاصل کیا۔

۲۱۶۔ الامام جعفر الصادق للمستشار عبدالحلیم الجندی طبع بالجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ جمہوریہ مصر العربیہ ص ۱۵۸

۲۱۷۔ نفس المصدر ص ۱۵۹

۲۱۸۔ حدائق الحنفیہ ص ۱۷ مولانا فقیر محمد

۲۱۹۔ المناقب للموفق ۱/۵۹

۲۲۰۔ نفس المصدر ۱/۵۸

۲۲۱۔ نفس المصدر ص ۵۹ و ابو حنیفہ : ابو زہرہ ص ۱۰

۲۲۲۔ یہاں ترجمہ غلط ہے عربی کی رو سے ترجمہ ہونا چاہئے کہ ”کوئی مسئلہ نہیں چھوڑا۔“

۲۲۳۔ حضرت ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۳-۲-۲۸۱، جامع المسانید

للإمام ابی حنیفہ ۱/۲۲۲، مناقب ابن شہر آشوب ج ۳- ص ۳۸۱ طبع شران، بحار الانوار

۲۲۴۔ الصادق الجندی ص ۱۱۲

۲۲۵۔ الموفق ص ۱/۱۳۳

۲۲۶۔ حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۸۲ حاشیہ

- ۲۲۷۔ - الامام جعفر الصادق، عبدالحلیم الجندی ص ۱۲۲
- ۲۲۸۔ - کتاب الآثار لابن یوسف ص ۱۳۳
- ۲۲۹۔ - الامام الصادق للاستاذ ابو زہرہ ص ۲-۲۵۳
- ۲۳۰۔ - الامام الصادق، ابو زہرہ ص ۲۵۲
- ۲۳۱۔ - الکافی والمختصر المختار من سیرۃ الائمہ الاطہار (الملخص من الارشاد للنفیس) ص ۱۳۵ للشیخ فضل اللہ الحارثی
- ۲۳۲۔ - عبدالحلیم جندی : الامام جعفر الصادق ص ۱۳۹
- ۲۳۳۔ - صحیح الکافی ج ۲ - ص ۱۷۷-۱۸۰، باقر البہودی، مزید من لا یستغنیہ
- الققیہ ج ۱ - ص ۱۶۱، التہذیب ج ۱ - ص ۵۳۸ و ۵۳۲، القروع ج ۱ - ص ۲۶۷، التہذیب ج ۱/۵۳۸
- ۲۳۴۔ - نمبر ۶ کے لئے القروع من الکافی ج ۱/۲۶۸، التہذیب ج ۱/۵۳۸ وغیرہ
- ۲۳۵۔ - المطوط کتاب الحج باب حدی الحرم اذا اصاب احدہ ص ۵۱-۳۵۰
- ۲۳۶۔ - اس سلسلے میں آیہ اللہ العظمیٰ ابوالقاسم الخوئی اور امام روح اللہ الحمینی کی مناسک حج میں فتاویٰ دیکھے جاسکتے ہیں۔
- ۲۳۷۔ - حسن التقاضی ص ۸۷ - محمد زاہد الکوشی المحدث۔
- ۲۳۸۔ - تاریخ التشریع الاسلامی لمؤلفہ الرحمہ محمد بک الحضری المطبوعہ بالمکتبہ عینی البابی الحلی عصر سنہ ۱۹۳۰ھ - ص ۳۷-۲۳۶ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا محمد تقی عثمانی اور مولانا حبیب احمد ہاشمی نے کیا ہے۔ ص ۵۱-۲۵۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔
- ۲۳۹۔ - اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ترجمہ الانصاف فی بیان سبب

الاختلاف لولی اللہ دہلوی از مولانا صدر الدین اہلحاجی ص ۴۲-۴۱

۲۴۰- ادب الاختلاف فی الاسلام ص ۱۵-۱۴ ذکر شرطہ جابر فیاض العلوانی بحوالہ کتاب الانتقاء ص ۱۶ ابن عبد البر المالکی۔

۲۴۱- الانتقاء ص ۱۱

۲۴۲- نفس المصدر

۲۴۳- تزیین الممالک للیوطی ص ۵، الانتقاء ص ۱۲

۲۴۴- نفس المصادر

۲۴۵- الاصابہ فی تمییز العاجل ج ۴- ص ۷۷۹ نقلًا عن التجرید للذہبی

۲۴۶- محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ص ۸۹

۲۴۷- تزیین الممالک ص ۵ للیوطی۔

۲۴۸- جامع الترمذی ج ۲- ص ۱۰۸ طبع سعیدی کلاں مع نفع قوت المختدی

لشاذلی

۲۴۹- نفس المصدر

۲۵۰- الامام الصادق والمذاهب الاربعہ ۱/۴۹۳

۲۵۱- حیات مالک ص ۴۱ ودارک ص ۶۱ قاضی عیاض

۲۵۲- تزیین الممالک ص ۱۵-۱۶

۲۵۳- تاریخ الفقہ ص ۲۴۱

۲۵۴- تاریخ فقہ اردو ترجمہ ص ۲۵۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

۲۵۵- معجم الادباء ج ۱- ص ۲۷۵

۲۵۶- الانتقاء ص ۲- ج ۲

- ۲۵۷- طبقات الفقهاء ص ۳۳
- ۲۵۸- قرۃ العینین ص ۱۷۱
- ۲۵۹- الجواهر المفیدہ ج ۲- ص ۳۲۱-۳۲۲
- ۲۶۰- تاریخ الفقہ ص ۲۳۲-۲۳۳
- ۲۶۱- مناقب الشافعی للفخر الرازی ص ۳-۵ اور حاشیہ الانتقاء ص ۶۶ اور الشافعی لمحمد ابوزہرہ ص ۱۵
- ۲۶۲- طبقات الشافعیہ ج ۱- ص ۱۰۰
- ۲۶۳- مناقب الشافعی ص ۶، طبقات البکی ج ۱- ص ۱۰۰-۲۳۹، توالی التامیس لابن حجر ص ۳۶ و مشارق الانوار للعدوی ص ۱۸۱ وغیرہا۔
- ۲۶۴- معجم الادباء ج ۱۷- ص ۲۸۵
- ۲۶۵- البدایہ والنہایہ : ابن کثیر ج ۱۰- ص ۲۵۲
- ۲۶۶- معجم الادباء ج ۱۷- ص ۲۸۵
- ۲۶۷- تہذیب الاسماء واللغات للامام النووی ج ۱- ص ۳۶، الخلیہ ج ۹- ص ۷۰، معجم الادباء ج ۱۷- ص ۲۸۳
- ۲۶۸- تاریخ بغداد ج ۲- ص ۶۳
- ۲۶۹- مناقب الشافعی : فخر الدین الرازی ص ۱۰
- ۲۷۰- خلیۃ الاولیاء ص ۸۵- ج ۹
- ۲۷۱- الانتقاء ص ۹۹
- ۲۷۲- مناقب الشافعی لابن حجر ص ۷۱ و مفتاح السعاده لابن القیم ص ۵۶۵
- ۲۷۳- کتاب الام ج ۱- ص ۵۸

۲۷۴ - کتاب الام ج ۱ - ص ۷۴

۲۷۵ - کتاب الام ج ۷ - ص ۹۳

۲۷۶ - کتاب الام ج ۵ - ص ۵۹ - ۱۳۴ - ۱۳۵ - ۱۸۳

۲۷۷ - الاحیاء ۲/۱۹۰

۲۷۸ - قوت القلوب للمکی ج ۳ - ص ۱۳۵

۲۷۹ - احمد امین - فنی الاسلام ج ۲ - ص ۲۳۱

۲۸۰ - فلسفہ التشریع فی الاسلام ص ۵۸

۲۸۱ - مناقب الشافعی للرازی ص ۶۹

۲۸۲ - مناقب الشافعی للرازی ص ۶۸

۲۸۳ - مقدمہ کتاب الرسالہ مطبوعہ ص ۱۱

۲۸۴ - الامام الصادق والمذاهب الاربعہ ج ۲ - ص ۲۰۷

۲۸۵ - مناقب الشافعی للرازی ص ۵۰

۲۸۶ - تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ - ص ۱۵۶، الفہرست لابن ندیم ص ۳۲۲

معرفہ علوم الحدیث للحاکم ص ۷۲

۲۸۷ - کتاب القضاۃ للکندی ص ۴۲۸

۲۸۸ - مناقب الشافعی للرازی - ص ۱۱۵

۲۸۹ - تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۳۵ خضریٰ بک

۲۹۰ - مناقب الشافعی للرازی ص ۸۴

۲۹۱ - البدایہ والنہایہ ج ۹ - ص ۳۲۷، طبقات الخنابلہ للقاضی محمد بن ابی

علی ج ۱ - ص ۲۸۲ و آداب الشافعی ص ۹۵ لابن حاتم

- ۲۹۲ء - مناقب الشافعی للرازی ص ۸۳
- ۲۹۳ء - نفس المصدر ص ۵۰
- ۲۹۴ء - المناقب لابن جوزی ص ۱۶، طبقات الخنابلہ ج ۱ - ص ۳ لقاضی ابن ابی
- علی
- ۲۹۵ء - مناقب الاحمد لابن جوزی ص ۱۶، الامام احمد بن حنبل ابو زہرہ ص ۵۳
- ۲۹۶ء - احمد بن حنبل ص ۵۷ ابو زہرہ
- ۲۹۷ء - البدایہ والنہایہ ج ۱ - ص ۳۲۶، تاریخ ابن خلیکان ج ۱ - ص ۷۷،
تذیب ج ۱ - ص ۷۲
- ۲۹۸ء - المناقب لابن جوزی ص ۲۱
- ۲۹۹ء - نفس المصدر
- ۳۰۰ء - احمد بن حنبل از ابو زہرہ ص ۹۰ والحدیث والمحدثون ص ۷۳ محمد
ابو زہرہ المصری
- ۳۰۱ء - امام احمد بن حنبل از ابو زہرہ ص ۱۹۲ واضح رہے کہ اس کتاب کی اصل
عربی ہمیں باوجود کوشش کے حاصل نہیں ہو سکی مندرجہ حوالے اس کے اردو
ترجمے مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد سے لئے گئے ہیں اس کا ترجمہ رئیس احمد جعفری
صاحب نے کیا ہے۔
- ۳۰۲ء - السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی ص ۶۳۱
- ۳۰۳ء - فلسفۃ التشریع الاسلامی ص ۶۵-۶۴
- ۳۰۴ء - ابن ندیم ص ۳۲۰-۱۳۴
- ۳۰۵ء - المعارف ص ۲۱۶ وما بعد مطبوعہ مطبع اسلامیہ مصر ۱۹۳۴

٣٠٦ - مناقب الامام احمد ص ٥٦ لابن جوزي

٣٠٧ - الطبقات لابن ابى - طي ص ٣٩

٣٠٨ - احمد بن حنبل ص ٢١٩ بحواله مناقب ابن جوزي

٣٠٩ - الانصاف في بيان سبب الاختلاف ص ١٢٦

٣١٠ - طبقات الشافعية ج ١ - ص ٢٤٠ احمد بن حنبل والحمد ص ١٢٦

٣١١ - طبقات الشافعية ١/٢٤٦ احمد بن حنبل والحمد ص ٣٦٤

٣١٢ - شذرات الذهب ٢/٦٤

٣١٣ - الخلاصة للخزرجي ص ١٣

٣١٤ - الخلاصة للخزرجي ص ١٨٤ شذرات الذهب ج ٢ - ص ٣٣

٣١٥ - امام زيد ص ٢٢-٢٣ (عربي)

٣١٦ - تهذيب العساكر ج ٥ ص ١٥ لابن عساكر

٣١٧ - المرجع السابق ١٨/٦

٣١٨ - المحلى الحديث الوردية في مناقب الائمة الزيدية ١/١٣٣ (مخطوط مكتبة آل

كاشف الغطاء برقم ٤١٣)

٣١٩ - الطبقات ٥/٢٣٠ الطبري ٨/٢٤٢ المفيد : الارشاد ص ٢٣٨

٣٢٠ - المعارف لابن قتيبة ص ٢٢١ الطبري ٨/٤١

٣٢١ - المعارف ٢١٥

٣٢٢ - المرجع السابق

٣٢٣ - البخاري سر الانساب العلوية ص ٣٢-٥٦ الحديث الوردية ١/٣٥

٣٢٤ - تاريخ فترات كوفي ص ١٤٠ امالي صدوق ص ٣٣٥-٣٣٦

- ۳۲۵۔ ابن البر : الاستیعاب ۱۸۵۹/۳
- ۳۲۶۔ ابن سعد، الطبقات ۵/۲۳۰، تہذیب تاریخ ابن عساکر ۱۹/۶
- ۳۲۷۔ صفوة الصفوة ۵۲/۲، وفیات الاعیان ۳۵۹/۲
- ۳۲۸۔ امام زید ص ۳۲ (عربی)
- ۳۲۹۔ نفس المصدر
- ۳۳۰۔ الامام زید ص ۴۰ (عربی)، نقلا عن المرتضیٰ فی المنیہ والامل
- ۳۳۱۔ الامام زید ص ۳۸ (عربی)
- ۳۳۲۔ الامام زید ص ۷۰ (عربی)
- ۳۳۳۔ ابو زہرہ : امام ابو حنیفہ ص ۲۶۹ ترجمہ حریری
- ۳۳۴۔ گرہنی (GRIFFINI) نے میلانو ۱۹۱۹ء میں طبع کی۔
- ۳۳۵۔ یہ کتاب عباس بن احمد حسینی یحییٰ کے تھے کے پانچ اجزاء کے ساتھ طبع ہوئی ہے مطبع سعادہ مصر ۱۳۲۹ھ۔
- ۳۳۶۔ الفصول، اللؤلؤیہ فی اصول التزییدیہ ص ۲۹۰
- ۳۳۷۔ یہ فتاویٰ المجموع فی الفقہ میں موجود اور جمع ہیں۔ از قلم صام الدین
- ابراہیم بن عبد الحمادی (م - ۹۱۳ھ) مخطوطہ دارالکتب المصریہ والامام زید ابو زہرہ ص ۳۳۳ (عربی)
- ۳۳۸۔ ابو حنیفہ ص ۱۹۱، محمد ابو زہرہ مصری ترجمہ حریری
- ۳۳۹۔ فلسفۃ التشریع الاسلامی ص ۸۲
- ۳۴۰۔ الشیخ فی الاسلام ص ۵۲ - ۱۵۳، مکتبۃ الاسلامیہ طہران
- ۳۴۱۔ درر الحادیث النبویہ ص ۱۰۰ مطبوعہ موسسہ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت

- ۳۴۲ - رحمه الامه في اختلاف الائمة ص ۲۰۳ تأليف علامه ابو عبد الله محمد بن عبد الرحمن الدمشقي العثماني الشافعي -
- ۳۴۳ - نفس المصدر ص ۲۰۵ طبع مصطفى البابي الحلبي القايره
- ۳۴۴ - الفروع ج ۲ - ص ۲۳
- ۳۴۵ - الفروع ج ۲ - ص ۲۵
- ۳۴۶ - الفروع ج ۲ - ص ۲۵ والتنبيه ۳/۴ من كتاب النكاح
- ۳۴۷ - المسند للامام الصادق ص ۱۵ - ج ۱
- ۳۴۸ - المصدر السابق ص ۱۳ طبع بيروت
- ۳۴۹ - المسند/ ۲۳
- ۳۵۰ - نقلا عن ابى زهره في الامام الصادق ص ۲۷۲
- ۳۵۱ - الامام الصادق ص ۳۱۷ لابوزهره
- ۳۵۲ - الامام الصادق لابوزهره ص ۳۲۸۵
- ۳۵۳ - الصواعق المحرقة ص ۱۳۳
- ۳۵۴ - تاريخ الاسلام للنهبي ۳/۳۱۰ وتاريخ ابن كثير ۹/۶۰
- ۳۵۵ - ابن كثير ۹/۷۱
- ۳۵۶ - البرى ۸/۶۱ وتاريخ الاسلام للنهبي ۳/۳۱۰
- ۳۵۷ - مختصر تاريخ البلدان لابی بكر احمد بن ابراهيم المعروف بابن فقيه ص ۱۰۷
- ۳۵۸ - الدررة الثمينه لابن نجار ص ۸۵
- ۳۵۹ - ايضا ص ۸۱
- ۳۶۰ - تاريخ ابن كثير ۹/۷۶ - ۷۴

- ۳۶۱ - الدرۃ الثمینۃ ۸۱ و الطبری ۸/ ۶۵
- ۳۶۲ - السخاوی فی التخصیص ج ۳ - ص ۳۸۱
- ۳۶۳ - الطبری ۸/ ۹۲
- ۳۶۴ - الجمع بین رجال الصحیحین ج ۲ - ص ۵۹۲ ترجمہ نمبر ۲۳۱۲
- ۳۶۵ - ایضاً
- ۳۶۶ - دیکھو طبری و ابن خلدون وغیرہ
- ۳۶۷ - ابن عساکر ۵/ ۸۲
- ۳۶۸ - البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۱۰/ ۴۲ و الطبری ۸/ ۲۹۹
- ۳۶۹ - تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۹ - ص ۱۹۴-۱۹۶ تاریخ ابن خلدون ۶/ ۶۳
- ۳۷۰ - النجوم الزاهرۃ بجمال الدین الاتابکی ج ۲ - ص ۶
- ۳۷۱ - سخط النجوم الغوالی للوصافی المکی ج ۳ - ص ۲۳۹
- ۳۷۲ - عیون الادب والسیاسہ لابی الحسن علی بن عبدالرحمن بن حذیل ص ۱۶۳
- ۳۷۳ - معجم الدعوات ص ۱۷۵ بحار ج ۱۲ طبع کپانی اردو ترجمہ ص ۳۱۱ و ما بعد
- ۳۷۴ - بحار الانوار جلد ۱۲ طبع کپانی ملخصاً و معجم الدعوات ص ۱۹۲ اردو ترجمہ ص ۲۱۵ و ما بعد
- ۳۷۵ - الاصول من الکافی ۳/ ۲۴۳
- ۳۷۶ - ایضاً ۳/ ۲۴۲





ACC NO. 8035 21/6/02
Location *Calicut* Started *21/6/02*
D.D. Class.....

MAJAFI BOOK LIBRARY

ACC NO.....
Location.....
D.D. Class.....
MAJAFI BOOK LIBRARY

[illegible]

یہ کتاب آپ کے پاس امانت ہے۔ اسے پڑھیں، اس کی حفاظت کریں اور بروقت (اوپر درج آخری تاریخ تک) واپس کریں۔ تاخیر کی صورت میں جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

بخلفی بک لائبریری سولجر بازار کراچی فون: 7211795



